رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

رسالہ

اشاعت اسلام

اُردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا مجریہ لنڈن

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین بی اے ایل ایل بی

مسلم مشنری

مولوی صدرالدین بی اے بی ٹی

قیمت تین روپے سالانہ

اس سے بڑھ کر اور کوئی نیکی نہیں کہ آپ رسالہ ہذا کی خریداری بڑھائیں کیونکہ انہیں رسالوں کی آمد ایک حد تک بہت مسلم ووکنگ مشن کے اخراجات کی کفیل ہے۔ رسالہ ہذا کی دس ہزار اشاعت ووکنگ مشن کے ½ اخراجات کی ذمہ وار ہو سکتی ہے

جلد (۴) | بابت ماہ ستمبر ۱۹۱۸ء | نمبر (۹)

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

ترجمۂ اردو اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا مجریہ لنڈن

جلد (۴) بابت ماہ ستمبر ۱۹۱۸ء نمبر (۹)

شذرات

مسجد ووکنگ۔ گو لندن بھی اب تبلیغی جد وجہد کا مرکز قائم ہو چکا ہے لیکن مسجد ووکنگ کی تبلیغ و تلقین میں بھی کسی قسم کی کوتاہی واقع نہیں ہوئی۔ حضرت خواجہ صاحب کے زیر اہتمام مسجد ووکنگ میں باقاعدہ سرمن وسروس ہوتے رہتے ہیں۔ اور درس وتدریس کا سلسلہ سابقہ سے بھی زیادہ رو بہ ترقی ہے۔ جس میں کہ نومسلمین و سکان ووکنگ بڑے ذوق و شوق سے حصہ لیتے ہیں۔ نومسلمین میں سے مسٹر شمس الدین صاحب شمس خصوصاً اور کارکنان مشن میں سے ملک عبد القیوم صاحب مسجد ووکنگ کی تبلیغی کوششوں میں اکثر حضرت خواجہ صاحب کا ہاتھ باری باری بٹاتے رہتے ہیں۔ جیساکہ سابقہ پروگرام ماہ جون ۱۹۱۸ء مندرجہ رسالہ گذشتہ میں ناظرین نے ملاحظہ فرمایا ہوگا +

لندن مسلم ہوس۔ لندن مسلم سوسائٹی کے زیر اہتمام ہر پندرھویں یوم سرمن وسروس ہوتے رہتے ہیں جس میں کہ جناب لارڈ ہیڈلے شیخ رحمت اللہ الفاروق صاحب بالقابہم و حضرت خواجہ صاحب

اپنی دلفریب تقاریر سے حاضرین کو محظوظ فرماتے رہتے ہیں +

لندن مسلم ہوس میں مسلم ایٹ ہوم۔ حضرت خواجہ صاحب کی سابق تحریر بمعہ ماہواری رپورٹوں سے جو وقتاً فوقتاً "بلاد غربیہ میں تبلیغ اسلام" کے عنوان کے نیچے اکثر رسالہ ہذا میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ ناظرین کرام کو معلوم ہو گیا ہو گا۔ کہ حضرت خواجہ صاحب متلاشیان حق کو مہینہ میں دو دفعہ لندن مسلم ہوس میں مدعو کرتے ہیں۔ اور حاضرین جلسہ کی چاء وغیرہ سے تواضع کرنے کے بعد ایک مختصر سی تقریر فرماتے ہیں۔ چنانچہ خاص اسی موقع کیلئے انہوں نے "مطالعہ اسلام" کے عنوان سے ایک سلسلہ مضامین شروع کیا ہوا ہے۔ اور اسی سلسلہ میں وہ نماز۔ رمضان۔ خیرات اور ایمان کے مسائل پر روشنی ڈال چکے ہیں۔ جن کا ترجمہ اپنے اپنے وقت پر ہدیۂ ناظرین کیا جائیگا۔ بہر حال یہ طرز تبلیغ نہایت ہی مؤثر ثابت ہوا ہے کیونکہ اس چھوٹی سی معنی خیز تقریر کے بعد ہر ایک متلاشئ صداقت کو موقع دیا جاتا ہے۔ کہ وہ مضمون بیان کردہ کے متعلق نقطہ چینی و سوال و جواب کر کے اپنی تشفی کر لے۔ اور اپنے شک و شبہات کو رفع کرے۔ معترضین اس طرح سے اپنے اعتراضات کے تسلی بخش جواب پا کر مطمئن ہو جاتے ہیں جس کا نیک اثر ہوتا ہے۔ اس طرز تبلیغ سے اسلامی تعلیمات کے پھیلنے میں زیادہ امداد ملتی ہے۔ مقامی مستفسرین کیلئے یہ طرز تبلیغ باعث دلچسپی ثابت ہوا ہے۔ اور عامۂ مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ اس سلسلہ میں جس قدر لیکچر ہونگے۔ ان کا ترجمہ انشاءاللہ تعالےٰ قارئین کرام تک پہنچتا رہیگا۔ چنانچہ اسی رسالہ میں کسی دوسری جگہ "مطالعہ اسلام" کی پہلی تقریر باہ صیام پر ہدیۂ ناظرین کیجاتی ہے۔ ہمارا یہ بھی ارادہ ہے۔ کہ ان دُرِّ بے بہا کی بکھری ہوئی لڑی کو ایک رشتہ میں منسلک کر کے "مطالعہ اسلام" کے نام سے ایک ضخیم کتاب شائع کیجائے۔ جو ان تمام لیکچروں سیرمن و تقاریر کا مجموعہ ہو جو حضرت خواجہ صاحب مختلف مواقع و پلیٹ فارم پر سے اسلام کی حمایت میں دیتے ہیں۔ اور اسلام کو مختلف شعبہا میں مغربی دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ لیکن اس گرانی و قلت کاغذ کے زمانہ میں ایسے اہم کام کو سرانجام دینے کیلئے بہت سے صاحبِ جُود و سخا اصحاب کی گرامی توجہ پکار رہی ہے۔ جو ایسی بے مثیل و بے نظیر کتاب کیلئے کم از کم

ایک ہزار خریدار بیشتر سے ہی فراہم فرما کر کارکنان رسالہ کو اس کام میں ہاتھ ڈالنے کی ہمت دلائیں ہماری دلی تمنا ہے۔ کہ تمام تقریرات و لیکچر جو ہمارے مبلغین انگلستان میں مختلف مواقع و مجالس میں دیتے ہیں۔ تمام کے تمام ہی ہر ماہ قارئین کرام تک پہنچ جایا کریں لیکن قابل افسوس امر یہ ہے کہ رسالہ اسلامک ریویو انگریزی کا موجودہ حجم ہر ماہ ان مضامین کو اپنے اندر لینے کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ اگر صرف مسجد ووکنگ اور لندن مسلم ہوس کیلئے ماہواری لیکچروں خطبوں سرمنوں وداعظوں کو فراہم کیا جائے۔ تو فقط انہی مضامین کی اشاعت ہی موجودہ اسلامک ریویو مسلم انڈیا سے دو گنے صفحات چاہتی ہے بہرحال اس قسم کی تمام تقریرات اس وقت تک محفوظ رکھی جارہی ہیں۔ اگر مسلم برادران قوم ہماری ان معروضات کی طرف اپنی گرامی توجہ مبذول فرمائیں۔ جو رسالہ ہذا کے جولائی ۱۹۱۸ء نمبر میں شائع کیجا چکی ہیں۔ تو بہ فضل ایزدی مسلم برادران ملت کی توجہ سے ہم تمام مشکلات پر حاوی ہو کر باحسن وجہ اس تمام ذخیرہ کو شائع کر دینے کے قابل ہوسکتے ہیں +

مسلمانان لندن کو خطاب ۔جناب مسٹر مارماڈیوک پکتھال صاحب نومسلم جو کہ ایک نہایت ہی قابل عالم و فاضل یورپین مستشرق ہیں۔ اور جن کی قلم کی گلکاری جدت شوخی کی شہادت خود رسالہ اسلامک ریویو کے وہ صفحات دے رہے ہیں جن کو ان کے مضامین نے مزین و مرصع کیا ہوا ہے حال ہی میں آپ نے خدا کی بادشاہت کے عنوان سے ایک دلچسپ و معنی خیز لیکچر لندن مسلم ہوس میں دیا۔ اور اسمیں مسلمانان لندن کو خصوصیت سے خطاب کیا۔ جو آئندہ کسی اشاعت میں انشاء اللہ تعالے ہدیہ ناظرین کیا جائیگا۔ اس کے علاوہ لندن مسلم ہوس میں بھی ایک لیکچر جناب مسٹر محمد عبدالخالق اسمعیل صاحب آفندی مصری نے دیا۔ جس کا موضوع یہ تھا۔ کہ آنحضرت صلعم جب مبعوث ہوئے تو دنیا کی کیا حالت تھی؟ جب آپ کا وصال ہوا تو آپ نے دنیا کو کس حالت میں چھوڑا۔ معزز فاضل لیکچرار نے آپ کی بعثت سے بیشتر کی حالت ضلالت و توہم پرستی عالم کا خوب نقشہ کھینچا ہے۔ اور پھر آپ کی بعثت کے بعد جو اصلاح و تربیت خلق خدا کی آپ کے

توسل سے ہوئی۔ اس کا بالترتیب اظہار کیا ہے۔ یہ دلچسپ لیکچر بھی انشاء اللہ عنقریب ناظرین کرام تک پہنچ جائے گا +

مسلم لٹریری سوسائٹی ۔ مسلم لٹریری سوسائٹی بھی اپنے کام میں سرگرم ہے۔ چنانچہ مسٹر سلیمان ہیلج نے ایک مضمون جناب مسٹر مارماڈیوک پکتھال کی زیر صدارت میں "موجودہ یہودیت" پر پڑھا۔ مضمون بہت سی وسیع معلومات سے لبریز تھا۔ اور نہایت ہی دلچسپی اور اطمینان سے سنا گیا +

مورخہ ۱۲ مئی ۱۹۱۸ء کو جس روز کہ مسٹر سلیمان ہیلج کا لیکچر سپرچولسٹ سرکل ایلنگ میں "اسلام" پر تھا۔ اسی روز حضرت خواجہ صاحب نے سپرچولسٹ لسٹر سیا کے سامنے "زندگی بعد از موت کی تیاری" پر ایک نہایت عالمانہ لیکچر دیا۔ جس کا تذکرہ کرنا غالباً سابقہ نمبروں میں سہواً رہ گیا ہے۔

عید الفطر کا تہوار ۔ ماہ صیام کے اختتام پر مورخہ ۱۰ جولائی کو مسجد ووکنگ میں عید الفطر کا تہوار حسب معمول منایا گیا۔ اور گیارہ بجے نماز ہوئی۔ دفتر ہذا میں اس وقت تک اس عید کی مفصل روئداد نہیں پہنچی۔ انشاء اللہ تعالیٰ روئداد پہنچنے پر فوراً شائع کر دی جائیگی +

انگلستان میں محصول ڈاک میں اضافہ ۔ رسالہ ہذا کے کسی سابقہ نمبر میں کاغذ کی قلت و گرانی اور مطبع والوں کی اجرت طبع میں ایزادی کا رونا رویا جا چکا ہے۔ لیکن اب ایک اور بلائے ناگہانی کا ہمیں تہیہ کرنا ہے۔ اسلئے جن احباب کی نگاہ سے یہ سطور گذریں وہ ازراہ نوازش رسالہ اسلامک ریویو و مسلم انڈیا انگریزی کے خریداران کی خدمت میں عرض کر دیں کہ وہ ازراہ کرم چھ پنس کا پوسٹل آرڈر سالانہ چندہ کے علاوہ دفتر ہذا میں ارسال فرمائیں۔ یا براہ راست دفتر اسلامک ریویو مسجد ووکنگ بمرے انگلینڈ حضر

خواجہ صاحب کی خدمت میں روانہ فرما کر عند اللہ ماجور ہوں ۔ تاکہ محصول ڈاک میں اضافہ ہونے کی وجہ سے جو اخراجات میں ایزادی ہوگئی ہے اسکی تلافی ہوسکے +

ہندوستان کے خریداران رسالہ اسلامک ریویو مسلم انڈیا انگریزی مجریہ ووکنگ کی اطلاع کیلئے

موجودہ جنگ کی وجہ سے چونکہ ناظرین رسالہ اسلامک ریویو مسلم انڈیا انگریزی کی شکایات عدم وصولی۔ وبے قاعدگی رسالہ کی وقتاً فوقتاً موصول ہوتی رہتی ہیں۔ اسلیئے کارکنان ہیڈ آفس مسلم مشن ووکنگ نے موجودہ حالات کے ماتحت تجویز فرمائی ہے کہ کچھ عرصہ تک ہندوستان ہی سے رسالہ اسلامک ریویو انگریزی خریداران کو دفتر رسالہ اشاعت اسلام لاہور کی ہی معرفت تقسیم ہؤا کرے۔ تاکہ عدم وصولی و تاخیر رسالہ کی کُل شکایات رفع ہو جائیں اور جلدی سے ان کا تدارک ہوسکے۔ اسلیئے اسلامک ریویو مسلم انڈیا انگریزی مجریہ ووکنگ کے جملہ معزز ناظرین کرام کیخدمت اقدس میں بذریعہ تحریر ہذا مطلع کیا جاتا ہے۔ کہ ازراہِ کرم قارئین رسالہ اسلامک ریویو میں سے اگر کسی احباب کو رسالہ اسلامک ریویو کے متعلق کوئی شکایت ہؤا کرے تو فوراً دفتر ہذا میں مطلع فرما کر شکایت کو رفع فرما لیا کریں۔ امید ہے کہ اب خریداران رسالہ اسلامک ریویو کو کسی قسم کی شکایت کا موقع نہ ملیگا۔ بعض احباب پتہ تبدیل کرانے میں اکثر سہل انگاری سے کام لیتے ہیں۔ اور تبدیل پتہ کی اطلاع کئے ایکماہ گذرنے کے بعد دفتر کو دیتے ہیں۔ اور ساتھ ہی عدم وصولی رسالہ کی شکایت بھی کرتے ہیں لیکن یہ شکایت ان کی سراسر درست نہیں ہوتی۔ کیونکہ رسالہ باقاعدہ اُنکے سابق پتہ پر روانہ ہوتا رہتا ہے۔ اور اُن کی اپنی سہل انگاری سے رسالے رائیگاں چلے جاتے ہیں۔ ازراہ کرم ایسے احباب توجہ فرما کر ممنون فرمائیں +

معاصر سندھ مسلم مشن ووکنگ کے متعلق

سندھ کے معزز انگریزی ہمعصر "سندھ مسلم" (سکھر) نے اپنی ۲۷ جولائی ۱۹۱۵ء کی اشاعت میں "اسلام انگلستان میں" کے عنوان سے ایک زبردست افتتاحیہ لکھا ہے جسمیں ووکنگ مسلم مشن پر ایک تفصیلی تبصرہ کرتے ہوئے مسلمانوں کو اسکی امداد و اعانت کی تحریص و ترغیب دلائی ہے۔ اور بتایا ہے۔ کہ کچھ عرصہ ہوا جب ہم نے اپنے سندھی مسلمان ناظرین کی خدمت میں اس مقصد کو رکھا تھا۔ کہ وہ اسکی مالی و قلمی امداد پر کمر بستہ ہو جائیں۔ یہ زمانہ ۱۹۱۳ء کا تھا۔ جب ہندوستانی مسلمانوں کے ایک فرقہ نے نہایت دانشمندی کے ساتھ انگلستان میں جہاں کے لوگ اپنی مذہبی آزادی کے لئے مشہور ہیں اسلام کی تبلیغ و تلقین کیلئے ایک مشن بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کی ان نصرتوں اور برکات کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ جو اس نے اس مشن پر اس کے شاندار نتائج کی شکل میں نازل کیں جن کے ہمارے پاس ثبوت موجود ہیں۔ اوّل اوّل اس مشن کو مسلمانوں کے دوسرے فرقوں نے کسی قدر مشکوک نگاہوں سے دیکھا۔ لیکن آخر کار انہیں سمجھ آگئی۔ کہ انگلستان اور جنوب مغربی افریقہ دونوں مقامات پر اس مشن کی امداد اور اسکے کاموں میں شرکت ضروری ہے"۔ اِن فقرات میں "جنوب مغربی افریقہ" سے معاصر موصوف کی مُراد اُس بیداری اور اسلام کے ساتھ اس دلچسپی سے ہے جو رسالہ اسلامک ریویو سے وہاں پیدا ہُوئی ہے۔ جیسا کہ آگے چلکر اس نے صاف طور پر لکھا ہے۔ کہ اسلامک ریویو جنوب مغربی افریقہ کے لوگوں کی بھی بہت کچھ تعلیم و تلقین کا موجب ہوُا ہے"۔ یہ بالکل صحیح ہے۔ اور ہم اسکی تفصیلی کیفیات کسی آئندہ اشاعت میں درج کرینگے۔ اسکے بعد معاصر موصوف نے مشن کے کاموں اور جد وجہد کا مفصل حال لکھا ہے۔ جس کے سلسلہ میں اُسے غالباً یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ ووکنگ کے علاوہ خاص لندن میں بھی کوئی مسجد بنی ہوئی ہے۔ مسجد وہاں نہیں بلکہ ایک مکان کرایہ پر لیا ہوُا ہے جسمیں نماز اور لیکچر

وغیرہ ہوتے ہیں۔ مسجد صرف ووکنگ میں ہی ہے۔ انگلستان میں بھی خدا کرے کہ مسلمانوں کی ایک عالیشان مسجد بن جائے۔ اور معاصر موصوف کے یہ الفاظ ایک پیشگوئی ثابت ہوں۔ ووکنگ اور لندن میں لیکچروں اور سنٹرل اسلامک سوسائٹی کی امداد و اعانت نیز عیدین اور دیگر اسلامی تقریبات کے منائے جانے کا حال لکھتے ہوئے آخر میں معاصر موصوف نے اس عالمگیر اخوت کا بھی نقشہ کھینچا ہے جو برٹش مسلم سوسائٹی کی شکل میں نمایاں ہوئی ہے۔ سوسائٹی مذکور کے ممبروں کا ذکر کرتے ہوئے معاصر موصوف رقمطراز ہے۔ کہ "یہ سب کام اس عالمگیر اخوت کو ظاہر کرنیوالے ہیں۔ جس کے رشتہ میں مختلف طبقات کے انگریز مرد اور عورتیں منسلک ہوئی ہیں۔ یہ بابِ اخوت ہر ایک کیلئے کھلا ہے۔ اور ہر ایک وہ شخص جو لندن میں جمعہ کی نماز آکر پڑھتا یا ووکنگ میں اتوار کے دن نمازوں میں شریک ہوتا ہے۔ اسمیں شامل ہوسکتا ہے"۔ اس کے بعد معاصر موصوف نے ان سوالات کا ذکر کیا ہے جو اسلام پر وہاں ہوتے ہیں۔ اور بتایا ہے کہ بسبب اسلام کے ایک فطری اور مُدلل مذہب ہونے کے ان کے تسلی بخش جوابات دیئے جاتے ہیں اسبارہ میں بھی معاصر موصوف کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ حضرت مولوی صدرالدین صاحب آج کل وہاں اس کام کو کر رہے ہیں مولوی صاحب موصوف اس سے پیشتر وہاں اس کام کو کرتے تھے لیکن تقریباً دو سال کا عرصہ ہوا آپ کے وہاں سے چلے آنے کے بعد حضرت خواجہ کمال الدین صاحب جو اس مشن کے بانی ہیں اس کام کو کر رہے ہیں۔ رسالہ اسلامک ریویو کے متعلق جس کو معاصر موصوف نے غلطی سے ریویو آف ریلیجنز کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ مگر آگے ہی چلکر اس کا اصلی نام بھی لکھ دیا ہے۔ لکھا ہے کہ "یہ رسالہ ہر مہینہ کی ۲۰ تاریخ کو طبع ہوتا ہے۔ اور اسلام پر تمام اعتراضات کے جواب دیتا ہے۔ اسمیں اہم مذہبی مسائل پر بحث کیجاتی ہے۔ اور مذاہب عالم پر عمدگی کے ساتھ ریویو کیا جاتا ہے۔ اسی کے ذیل میں اُن تمام لوگوں کے اسمائے گرامی بھی اس نے دیئے ہیں جو رسالہ کے مضمون نگاروں میں شامل ہیں جن میں نومسلمین کے علاوہ حضرت مولٰینا مولوی محمد علی صاحب مولٰینا صدرالدین صاحب مسٹر قدوائی اور بعض دیگر اشخاص کے خاص طور پر نام لئے ہیں اور پھر مختلف کتب اور پمفلٹوں کی تقسیم کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ حال ہی میں جو بہت بڑا

اہل یونان عورت کے لئے کوئی حقوق تسلیم نہ کرتے تھے۔ اور انکو وراثت سے بھی محروم سمجھتے تھے کوئی یونانی لڑکی اپنی مرضی کے مطابق شادی نہ کر سکتی تھی۔ اسکو اپنے باپ کے حکم کے ماتحت پردہ میں رہنا پڑتا تھا۔ اور اگر کوئی لڑکی اپنے والدین کی ذرا بھی نافرمانی کرتی تو اسکے باپ کو اختیار تھا۔ کہ وہ اسکو قتل کر ڈالے۔ حراست حرم کا رواج یونانیوں میں عام تھا۔ اور شہر ایتھنز میں زنانخانوں پر پہرہ رہتا تھا۔ روم میں بھی مردوں کو بحیثیت باپ یا خاوند عورت پر پورا اختیار رکھتا تھا۔ اور ان سے لونڈیوں کی طرح سلوک کیا جاتا تھا۔ اور اکثر اوقات مرد عورتوں کو اپنے ساتھ رکھنا ہتک عزت سمجھتے تھے۔

برّ اعظم ایشیا میں تمدنی تہذیب کے لحاظ سے اہل فارس سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ ان دنوں دربار فارس مابعد کے دربار پیرس کی طرح بارونق تھا۔ لیکن باوجود اس ترقی اور روشنی کے اہل فارس عورتوں کے بارے میں بڑے سخت تھے۔ اور ان کو زیر حراست رکھتے تھے۔ چین اور کوریا میں بھی عورتوں کو مستور اور محجوب رکھا جاتا تھا۔ ہندوستان میں اگرچہ کوئی باقاعدہ پردہ تو نہ تھا لیکن ذاتوں کی حد بندی اور رسموں کی کثرت کی وجہ سے عورتوں کا تو کیا ذکر بلکہ مرد بھی کھلی طرح آپس میں مل نہ سکتے تھے۔ ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ اگر تاریخ کو مطالعہ کیا جائے تو ثابت ہوگا کہ مرد و عورت کا میل ملاپ سوائے بہت ہی محدود طرز کے کبھی کسی حصہ دنیا میں نہیں ہوا۔ اور موجودہ ملاپ کی تحریک بیسویں صدی عیسوی کے ابتدا میں امریکہ سے شروع ہوئی۔ خود انگلستان میں آج سے ایک نسل پہلے عورتیں الگ تھلگ زندگی بسر کرتی تھیں۔ اور بہ نسبت آج کل کے مردوں سے بہت پرہیز اور حجاب کرتی تھیں۔ کوئی شریف زادی بغیر کسی محافظ عورت کے گھر سے باہر نہ نکلتی تھی۔ کرایہ کی گاڑی کی چھت پر اکیلے بیٹھنا سخت معیوب سمجھا جاتا تھا۔ آجکل کا مروجہ انگریزی لباس باعث ننگ سمجھا جاتا تھا۔ ناچ اور فوری شادی یہ سب اس قسم کی باتیں ہیں۔ کہ اگر ان دنوں انکا ذکر کیا جاتا تو سب کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ جس طرح ہندوستان میں ذات پات کی قیود تھیں اسی طرح یورپ میں مراتب اور طبقات کی حدود تھیں۔ اور اس طرح مرد اور عورتوں کو کھلے بندوں ملنے کا بہت کم اتفاق ہوتا تھا۔ اگر نظر عمیق سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا۔ کہ عورتوں کا

پردہ میں الگ رہنا باعثِ عزت اور فخر ہے نہ کہ باعثِ ننگ و شرم۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اس متبرک امر کے رواج دینے والے عورت کی بیحد عزت کرتے تھے۔ یہ طرز معاشرت حیوانی زندگی سے بہت بہتر اور عمدہ ہے۔ اور یہ بات بالکل غلط ہے کہ پردہ کے معنی عورتوں پر بے اعتباری اور شک کرنا ہے۔ برخلاف اس کے اسمیں تو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہر ایک مرد عورت کی پاک اور متبرک صحبت کے لائق نہیں۔ جب عورتیں نقاب ڈالکر نکلیں تو وہ سب کو دیکھ سکتی ہیں۔ لیکن مرد اُن کو نہیں دیکھ سکتے گویا کہ مردوں کی نسبت عورت پر زیادہ اعتبار کیا گیا ہے +

پردہ اور حجاب وغیرہ کا رواج ایشیا اور یورپ سب ملکوں میں رائج معلوم ہوتا ہے۔ جب انسان کے دل میں عزت کا خیال بڑھ گیا اور عورت کی عفت اور عصمت کا معیار زیادہ بلند ہو گیا تو عورتوں کو بعض بدمعاشوں کی پُرشہوت نگاہوں سے بچانے کا خیال آیا۔ اسمیں شک نہیں کہ ابتدائی زمانوں میں مرد و عورت دیگر حیوانوں کی طرح یکجا رہتے تھے۔ لیکن جوں جوں تہذیب بڑھتی گئی مردوں کو یقین ہو گیا کہ مرد کی نسبت عورت زیادہ پاک اور متبرک ہے اسی کی گود میں آنیوالی نسل کی قسمت کا فیصلہ ہے۔ اس واسطے مرد و عورت کو مختلف کام اور فرائض تفویض ہونے چاہئیں۔ مرد محنت مشقت کا کام کریں۔ اور عورتیں آسان اور نرم فرائض انجام دیں۔ قدرتی طور پر انسان قیمتی اور عزیز چیز کی حفاظت کرتا ہے۔ اور جس قدر قیمتی کوئی موتی ہو اسی قدر زیادہ حفاظت سے اس کو مضبوط ترین صندوق میں رکھا جاتا ہے +

انسائیکلوپیڈیا میں حرم کی بابت مندرجہ ذیل ریمارک لکھے ہیں:۔

"مشرق میں مرد و عورت کی تمیز کے لئے عورت کا محجوب اور مستور رہنا بہت قدیم زمانے سے مروج ہے۔ اور اس واسطے اسکی ابتدا پیشتر از قرآن کے زمانے میں تلاش کرنی چاہئے (قرآن تو صرف ایک عالمگیر رواج کے قواعد بتا کر اسکو ترتیب دے دیتا ہے) +

مندرجہ بالا اقتباس کا لکھنے والا اگر یہ بھی لکھ دیتا کہ حرم یا پردہ کا رواج مشرق کے ساتھ مخصوص نہیں تو راستی سے بعید نہ تھا۔ ایک وقت تھا کہ دنیا کے ہر حصے میں عورتیں

مردوں سے حجاب کرتی تھیں۔ اور عوام الناس کا خیال تھا کہ عورت ایک پاک اور متبرک چیز ہے۔ اور اسکی حفاظت اور منزلت لازمی ہے۔ ان دنوں لوگوں کا مال و متاع یا عزت اس قدر محفوظ نہ ہوتی تھی جس قدر کہ آج ہے جس کی لاٹھی اُسی کی بھینس کا زمانہ تھا اور ایک طاقتور آدمی یا قوم اپنے کمزور بھائی کے گھر بار و عورتوں پر قبضہ کرنا کوئی جرم نہ سمجھتا تھا۔ اور اکثر دفعہ ایک خوبصورت عورت پر قبضہ پانے کے لئے نہ صرف فرد واحد بلکہ قبیلے اور قومیں آپس میں لڑمرتی تھیں۔ ہندوستان میں سیتاجی کی خوبصورتی اور مصر میں کلیوپیٹرا کی عشوہ گری نے اپنے اپنے ملک کی تاریخ میں بڑے بڑے جنگ کرائے بہت سے قبیلوں کا ملکر ایک قوم بننے اور بین الاقوامی قوانین کے مرتب ہونے سے کہیں پہلے عورت کا حسن تباہی اور تکلیف کا باعث ہوا ہے مرد عورت کیلئے ایکدوسرے سے اس طرح لڑتے تھے جس طرح دو وحشی جانور مادہ کیلئے لڑتے ہیں۔ اِس عالمگیر خطرے سے بچنے اور عورتوں کی عزت اور عفت کی حفاظت کرنے کیلئے عورتوں کو جو کہ قدرتی طور سے کمزور اور ناقابل حفاظت خود واقع ہوئی ہیں۔ انکو پردہ میں رکھنے کا رواج دُنیا میں پھیلگیا +

اہلِ یورپ میں مادہ پرستی کا میلان شروع سے اسقدر رہا ہے کہ آج تک اس جگہ نہ کوئی نبی مبعوث ہُوا ہے۔ اور نہ ہی کسی مذہب کی بنیاد رکھنے کا اس کو فخر حاصل ہُوا ہے۔ اور آج بھی باوجود اس قدر ترقی کے مشرق ہی کے ایک نبی اللہ کے آگے سر جُھکاتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس اجنبی پیغمبر کے کلام کا مفہوم وہ ٹھیک طور پر نہیں سمجھے۔ اور ایک عاجز انسان کو مسندِ الوہیت پر بٹھانے کی غلطی کے مرتکب ہوئے جس طرح ان میں رُوحانیت کبھی نہیں آئی۔ اُسی طرح عورت کی عزت اور وقعت کا خیال بھی ان کے وہم میں نہیں گذرا۔ وہ عورت کو اپنے جیسا گناہگار بلکہ شیطان کی خالہ سمجھتے ہیں۔ برخلاف اس کے ایشیا میں جس قدر شریف یا مُہذب کوئی خاندان ہے اُسی قدر زیادہ عورت کو متبرک اور پاک سمجھتے ہیں۔ اور اگر کوئی اوباش آدمی کسی کی بہو بیٹی یا بیوی کو نظر بد سے دیکھے یا ان کی حُرمت میں خلل انداز ہو تو وہ فوراً اُسکو قرار واقعی سزا دینے کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔ جب تمدن نے اور بھی ترقی کی۔ اور عورت کا رُتبہ اور بھی بلند ہوگیا تو عورتوں کا

غیر مردوں کے ساتھ ملنا معیوب خیال کیا جانے لگا۔ اس کے بعد اسبات کا خیال ہوا کہ کسی مرد کو عورت کی بے حرمتی کا موقعہ ہی نہ دیا جائے۔ اور اس کا بہترین ذریعہ پردہ اور حجاب سمجھا گیا۔ غالباً سب سے سخت پردہ ہندوستان میں کیا جاتا تھا۔ خود اہل ہنود جنمیں پردہ بالکل رائج نہ تھا۔ جب غیر ملک کے باشندوں نے ان کو مغلوب اور مفتوح کر لیا تو وہ اپنی عورتوں کو سخت پردہ کرانے لگ گئے۔ مسلم ممالک میں عورتیں مُنہ پر نقاب ڈالکر بازاروں میں جاتیں اور مردوں سے گفتگو کر سکتی تھیں لیکن ہندوستان میں آکر انہوں نے یہ آزادی بھی محدود کردی۔ اور ہر ہندو و مُسلم شریف زادی بالکل چار دیواری میں رہنے لگی۔ پردہ کی بُنیاد عورت کی عزت اور وقعت کے خیال پر ہے۔ اور اس کا ایک کافی ثبوت یہی بات ہے کہ جس قدر معزز اور اعلےٰ ایک خاندان ہوتا تھا۔ اس گھر کی عورتیں اسی قدر زیادہ پردہ کرتی ہیں۔ یا بالفاظ دیگر پردہ شرافت اور عزت کا معیار بنگیا ہے۔ اور سوائے عام اور کم حیثیت عورتوں کے کوئی عورت بازار میں نظر نہیں آتی۔

ایک زمانہ تھا کہ ایک یورپین میم صاحبہ کو بھی زنانہ میں جانے کی اجازت نہ ملتی تھی کیونکہ ان کے خلاف اہل ہند کے لئے یہ کافی شہادت تھی۔ کہ وہ کُھلم کُھلا مردوں سے ملتی ہیں۔ اور اس واسطے وہ کوئی اعلےٰ پایہ کی خاتون نہیں ہوسکتی۔ عیسائی مشنری عورتوں نے لوگوں کو عیسائی بنانے کے لئے بہت زور لگایا اور بعض دفعہ لڑکیوں کو بھگا لیجانے میں کامیاب بھی ہُوئیں لیکن اس نازیبا حرکت کی وجہ سے تمام شریف گھرانوں کی نظروں سے وہ گر گئیں اور زنانخانے میں آنے کی اجازت ان کیلئے بند ہوگئی۔ ایشیائی لوگ فطرتی طور پر زُود حس اور اعلےٰ خیالات والے ہیں۔ ان کی تہذیب اور ترقی بھی یورپ سے قدیم ہے۔ جب انہوں نے عورتوں کو پردہ کرانا شروع کیا۔ تو ان کا مدعا عورتوں پر بدظنی یا بے اعتباری نہ تھا۔ برخلاف اس کے پردہ کی وجہ تسمیہ عفت اور عصمت کے معیار کا بہت بلند ہونا تھا۔ انہوں نے عورت کا بار بھی خود اُٹھانا گوارا کیا۔ اور اسکی حفاظت اور خوراک وغیرہ سب اپنے ذمہ لیلیا۔ آج بھی مشرق میں مرد ہی پسینہ بہاکر عورت کی ضروریات مُہیا کرتا ہے۔ عورت کو آرام اور راحت میں رکھنے اور محنت مشقت سے بچانے کیلئے مرد خود محنت مزدوری کرتے ہیں

اور اکثر دفعہ اپنے عیال کو اچھی حالت میں رکھنے کیلئے بچارے مرد کو سخت محنت کرنی پڑتی ہے اور ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ عورتوں کی خوشنودی اور راحت کیلئے ایشیائی مرد یورپین مردوں سے بہت زیادہ کوشش کرتے ہیں +

ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ایشیائی مردوں نے عموماً اور مسلمانوں نے خصوصاً جو قدر و منزلت عورت کی کی۔ اس کا نتیجہ ان قوانین اور رسموں کا بقا ہؤا جو مسلمان بادشاہوں کے ماتحت غیر مسلموں میں رائج تھیں مسلمانوں کا مذہب ان کو حکم دیتا ہے کہ غیر مسلم رعایا سے احسن سلوک کریں۔ اور قول و فعل کی کامل آزادی دیں۔ اور اُن کی راہ و رسم میں ہارج نہ ہوں یہی وجہ تھی کہ مسلمان فاتحین نے یورپ کے عیسائیوں کو اجازت دی کہ وہ اپنے ہی قوانین اور کچہریاں جاری رکھیں لیکن انجام کار یہی آزادی مسلمان سلطنتوں کے زوال کا باعث ہوئی۔ بعض نے بغاوت کا جھنڈا کھڑا کر دیا۔ اور بعضوں نے اس قدر حقوق اور وثوق حاصل کر لئے۔ کہ ان کو قابو میں رکھنا ناممکن ہو گیا۔ اسی طرح مسلمان مردوں کو عورت کی عزت اور رفعت کا از حد خیال تھا۔ وہ اسکو ایک پاک اور متبرک خزانہ سمجھتے تھے۔ اور عوام کی نظروں سے اسکو محفوظ کرنیکے لئے اُنہوں نے حرم اور پردہ کو رواج دیا۔ جس طرح یورپین سلطنتوں کی حرص ظلم نے آزادئی قول و فعل سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر مسلم سلطنتوں کی بیخکنی کی۔ اسی طرح پردہ اور حرم کے مُقدّس رواج سے بھی بعض شہوت پرست امرائے ناجائز فائدہ اُٹھانا شروع کر دیا۔ اسلام ہرگز غلامی کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام نے تو تمام نسل انسانی کو آزادی مساوات اور برادری کی مسند پر بٹھا دیا۔ اور غلاموں کو آزادی حاصل کرنے کی تمام سہولتیں پیدا کر دیں۔ نسل انسانی کی ابتدا سے عورتوں کو لونڈیوں کی طرح قید رکھا جاتا تھا۔ اسلام نے ان کو مرد کا ہمسر اور ہمپایہ بنا دیا۔ اور انسانی حقوق میں مراتب یا تذکیر تانیث کے فرق کو دُور کر دیا۔ اگر بعض نام نہاد کے مسلمان بادشاہوں یا امیروں نے اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کیلئے بعض اصولوں کا ناجائز استعمال کیا تو اسمیں مذہب اسلام کا کیا قصور۔ ترکی بادشاہوں یا ہندی نوابوں کے حرم سرا اور زنانخانے ضروری طور پر اسلامی زنانہ زندگی کے مطابق نہیں ہوتے۔ نبی کریم کے زمانہ میں بلکہ خلفائے راشدین

کے زمانہ میں بھی عورتیں شریعت کے احکام پر وعظ کیا کرتی تھیں میدان جنگ میں زخمیوں کی تیمارداری کرتی تھیں۔ اور اگر ضرورت پڑے تو دشمن سے مقابلہ کرنا بھی فخر سمجھتی تھیں ترکی اور ہندوستان میں جو حرم سرائے اور زنانخانے ہیں وہ ایرانی تہذیب کا نتیجہ ہیں لیکن یہ بھی بہت سے یورپین درباروں سے بدرجہا بہتر اور قابل ترجیح ہیں +

مشکل تو یہ ہے کہ اہل مغرب اہل مشرق کی خانگی زندگی کا نقشہ اپنے ذہن میں جما ہی نہیں سکتے مشرق میں مرد و عورت دونوں کے فرائض اہل مغرب سے بالکل مختلف ہیں مشرق میں خانہ داری کے لئے بہت ساز و سامان درکار ہے۔ ایک معمولی طبقے کی عورت بھی بہت سی نوکریں اور مامائیں رکھتی ہے۔ کھانا پکانے کی مائی اور قصیدہ کاڑھنے والی ماما ہر متوسط مشرقی گھر میں نظر آتی ہیں۔ کیونکہ عورتوں کے لباس اکثر گھر ہی میں تیار ہوتے ہیں۔ پھر ایک منتظمہ (مینجر) کا ہونا بھی ضروری ہے۔ جس کے سپرد گھر کی سب چیزیں ہوں کپڑے زیور برتن وغیرہ کی چابیاں اسی کے سپرد ہوتی ہیں۔ اور کم از کم ایک ایسی عورت (بڑھیا) بھی گھر میں ہونی چاہئے جو مردوں سے بات چیت کر کے ان کو احکام پہنچا سکے۔ اور اگر گھر میں بچے ہوں تو اُستانی صاحبہ کا وجود بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ گھر میں جو انّا یا کوئی اور خادمہ پرانی ہو جائے تو اُسکو بھی گھر کا آدمی سمجھ کر اسکی عزت کیجاتی ہے۔ میرا مطلب اس تفصیل سے یہی تھا۔ کہ ایک متوسط گھرانے میں گھر والی عورت کی راحت کیلئے کس قدر انتظام کیا جاتا ہے۔ اس مجموعہ کا نام حرم یا زنانخانہ ہے۔ اہل یورپ اس مصلحت کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ اور کہہ دیتے ہیں۔ کہ مشرق میں عورتیں قیدیوں کی طرح زندگی بسر کرتی ہیں ! درحقیقت یہ ہے۔ کہ مشرق میں ہر ایک گھر والی بہ حیثیت ایک ملکہ کے اپنی ماماؤں اور خادموں پر حکمرانی کرتی ہے مغرب میں تو تاجدار ملکہ بھی ایسی خوشی اور آرام سے نہیں رہتی جسقدر ایک معمولی مشرقی عورت کو میسر ہے۔ مشرق میں عورتوں کی زندگی۔ بڑی لطف و ارا و مزے کی ہوتی ہے۔ وہ مہمانوں اور رشتہ داروں کو مدعو کرتی ہیں۔ اور خوب رنگ رلیاں مناتی ہیں چھوٹی چھوٹی لڑکیاں سینکڑوں روپے گڑیوں کی شادیوں پر خرچ کر دیتی ہیں۔ مشرقی گھروں میں عورتوں کے لئے الگ باغ باغیچے ہوتے ہیں۔ گھر کی لڑکیاں گھر کے کام کاج میں خوب حصہ لیتی ہیں۔ انکو سلائی۔ کپڑے بنانے کھانا پکانے وغیرہ کا کام بڑی احتیاط سے سکھایا جاتا

ہے۔ اور چونکہ تمام کنبہ ایک ہی جگہ ملکر رہتا ہے۔ اس واسطے بعض بے اولاد عورتیں بھی اپنے رشتہ داروں کے بچوں سے دل بہلا لیتی ہیں۔ اور اپنے آپ کو اسقدر بدنصیب اور اکیلا نہیں سمجھتیں۔ تو پھر کون کہہ سکتا ہے۔ کہ مشرقی عورتوں کی زندگی پر لطف نہیں اور کم از کم اُس کو اخلاق سے گرا ہوا تو ہرگز نہیں کہہ سکتے +

مسٹر جان ڈیون پارٹ لکھتے ہیں :-

"حرم کو قیدخانہ کہنا تو درکنار وہ تو عورتوں کے لئے کامل آزادی کی جگہ ہے۔ اور خود خاوند جب حرم میں آتا ہے تو اجازت مانگ کر آتا ہے جونہی کہ وہ حرم کی دہلیز کے اندر قدم رکھتا ہے تو جدھر نظر ڈالتا ہے۔ ہر چیز اُسکو یہی یاد دلاتی ہے۔ کہ اس جگہ وہ مالک اور حکمران نہیں۔ نیچے نوکر غلام سب ربۃ البیت (گھر والی) کو اپنا حاکم سمجھتے ہیں۔ اگر تو بیوی صاحب کا مزاج درست ہو تو خیر ورنہ ہر چیز غلط اور تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے" +

ایک مشہور سیاح بنیج برنامی لکھتا ہے۔" اہل یورپ کا یہ خیال کہ مسلمانوں کی شادی شدہ زندگی عیسائیوں کی شادی شدہ زندگی سے بالکل مختلف ہے غلط ہے۔ مجھے تو عرب میں ایسا کوئی اختلاف نظر نہیں آیا۔ اور اس ملک کی عورتیں یورپین عورتوں سے کم آزاد اور شناس نہیں" +

ایرانی مورخ مرزا ابوطالب خان نے اہل انگلستان کی گھریلو زندگی پر بہت کچھ توجہ کرنے کے بعد یہی نتیجہ نکالا کہ مسلم عورتوں کو زیادہ آزادی اور طاقت حاصل ہے۔ اور ان کے حقوق مغربی عورتوں سے زیادہ وسیع ہیں +

انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں لکھا ہے :-

حرم کے انتظام کا جو کریہ نقشہ مغربی سیاحوں نے کھینچا ہے۔ اسمیں بہت کچھ مبالغہ کی آمیزش ہے اور اسکی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ حضرات پہلے ہی سے اس قسم کے انتظام کے سخت مخالف تھے اور حرم کی اچھی چیز بھی ان کی نظروں میں بُری معلوم ہوتی تھی۔ اصل بات تو یہ ہے کہ حرم کا قابل تعریف یا قابل نفرین ہونا اس کے مالک پر مبنی ہے۔ اکثر گھروں میں میاں بیوی ایکدوسرے کی عزت اور حرمت کا بہت پاس کرتے ہیں۔ اور ان کے اخلاق بہت پسندیدہ

ہیں - دنیا سے اِس طرح الگ رہنے کے بدلے ان کو اور بہت سی آسائشیں مہیا ہیں - اور بلحاظ شرع ان کے تعلقات اور حقوق عیسائی عورتوں سے بہت اچھے ہیں - جونہی کہ ایک عورت خواہ وہ لونڈی ہو یا آزاد ہو ایک مرد کی زوجہ بن جاتی ہے - تو فوراً اسکی اور اسکی اولاد کی ضرورت کی کفالت اس مرد کا فرض ہو جاتی ہے - عورت اپنی جائداد منقولہ وغیر منقولہ پر پورا اختیار رکھتی ہے - اور اگرچہ اسلام میں عیسائیت کی نسبت طلاق زیادہ آسانی سے ہو سکتی ہے لیکن پھر بھی رقم مہر عورت کے گذران کیلئے کافی ہوتی ہے - مس گریس ایلی سن نے ٹرکی حرم سرائے میں بذات خود رہنے سہنے کے بعد مندرجہ ذیل ریمارک لکھے +

مسٹر راجٹ کی تصنیف تھسارس میں حرم کو ایک بہت بُری جگہ کی شکل میں پیش کیا گیا ہے - جب میں نے ٹرکی سے واپس آکر اعلان کیا - کہ میں خود حرم میں رہکر آئی ہوں تو مجھے خیال پیدا ہوا کہ حرم کی بابت عوام کا جو خیال ہے اسکو مدِ نظر رکھ کے لوگ مجھ کو ایک اعلےٰ اخلاق کی عورت نہیں سمجھتے ہونگے - چند دن ہوئے کہ میں نے زندگی حرم پر ایک مختصر سی تقریر کی تو سامعین سارے مرد ہی مرد تھے - اور ایک عورت نے بھی میری تقریر سُننے کی تکلیف گوارا نہ کی +

”اِن حضرات کی خاطر جو ان باتوں سے بےعلم ہیں - میں پھر لفظ حرم کی تشریح کر دیتی ہوں - لفظ حرم عربی لفظ محرم کا مشتق ہے - اور اس کے معنی منع کی گئی - یا عزت کی گئی چیز ہیں - اس سے مراد وہ حصہ مکان یا کمرے لئے جاتے ہیں جو صرف عورتوں کے استعمال کے لئے مخصوص ہوں - اور اس کے معنے جیسا کہ آپ لوگ خیال کرتے ہیں بیویاں اور لونڈیاں جمع کرنے کی جگہ نہیں - اور مالک کے قریبی رشتہ داروں کے سوائے ہرگز کوئی مرد حرم کی ڈیوڑھی کے اندر قدم نہیں رکھ سکتا - اور بعض حالتوں میں تو رشتہ داروں کو بھی مداخلت کی اجازت نہیں دیجاتی - ٹرکی میں حرم انہی معنوں میں بولا جاتا ہے - جیسے ہندوستانی لفظ زنانخانہ بولا جاتا ہے - اور ہرگز ہرگز کوئی بُری چیز اس سے مُراد نہیں ہو سکتی - اور یہ کہنا کہ ایک ٹرکی اپنے حرم کے ساتھ سفر کرتا ہے اسی عقل سے بعید ہے جسقدر یہ کہنا کہ فلاں انگریز اپنی میم صاحبہ کے ڈریسنگ روم (کپڑے پہننے کے کمرے) کے ساتھ سفر کرتا ہے +

میری سمجھ میں حرم کے مفہوم کی بابت جو غلط فہمی لوگوں کو ہوئی ہے۔ اسکی وجہ بہت حد تک یہ غلط خیال ہے۔ کہ ترکی مرد ضروری طور پر ایک سے زیادہ شادی کرتے ہیں۔ لیکن یہ خیال بھی بالکل باطل ہے۔ ترکی اور تمام مشرق میں کثیر الازدواجی کا رواج ختم ہوتا جاتا ہے جب پیغمبر اسلام نے بیویوں کی تعداد چار تک محدود کر دی۔ تو ان دنوں تمام مشرق میں کئی کئی عورتوں سے شادی کرنے کا رواج تھا۔ اور اس قسم کی قیود سے عورت کا رتبہ سوسائٹی میں بہت بلند ہو گیا نیز ایک ایسی قوم میں جنمیں آئے دن کے جنگوں کی وجہ سے مردوں کی تعداد اکثر کم ہو جاتی ہو کثیر الازدواجی ایک ضروری اور اخلاقی اصول ہے۔ اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے باوجود بہت سی بیویاں کرنے کے بڑی بڑی قربانیاں کیں۔ میرے بہت سے ترک دوست بڑے اعلےٰ اخلاق رکھتے ہیں۔ اور میں دعویٰ سے کہتی ہوں کہ بہت ہی کم یورپین لوگ ایک اجنبی عورت کی آسائش کیلئے اسقدر تکالیف برداشت کرینگے۔ جسقدر ان ترکی دوستوں نے میرے لئے گوارا فرمائیں۔ اس واسطے میں سخت افسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتی کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) جیسے مصلح قوم کے پیروؤں کو جن کا ایک کثیر حصہ انگریزی سلطنت کے ماتحت امن سے زندگی بسر کر رہا ہے صرف اس واسطے قابل نفرت سمجھنا کہ ان کا مذہب ان کو ایک سے زیادہ شادی کی اجازت دیتا ہے انصاف سے بہت دور ہے +

پیغمبر اسلام نے ان تھک کوششوں سے عورت کا رتبہ بلند کیا۔ خود آپ کی صاحبزادی سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا پاکیزگی عفت اور دینداری کا نمونہ تھیں۔ اور اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر میں کہہ سکتی ہوں کہ تمام ترکی شریف زادے عورتوں سے سلوک کرنے میں اپنے ہادی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ان کو غیر مردوں کی نگاہوں تک سے محفوظ رکھنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ حجاب اور پردے کی جسقدر قیود ہیں۔ ان سب کا مقصد ان کو دنیا کے برے پہلو سے الگ رکھنا اور ان کی پاکیزگی کو ملاوٹ سے بچانا ہے۔ ترکی میں کوئی ایسی عورت نظر نہیں آتی جس کا کوئی ولی محافظ یا رشتہ دار خبر گیر نہ ہو کوئی نہ کوئی مرد ضرور اسکو اپنی حفاظت میں لیلیتا ہے +

خود لفظ حرم کے معنوں کے اندر ایک پاکیزگی ملحوظ ہے۔ اسمیں قید خانہ وغیرہ کے مفہوم کا شائبہ تک نہیں۔ ایران اور ہندوستان میں بیوی کو اہلخانہ یعنی گھر کی مالکہ کہا جاتا ہے پھر سمجھ نہیں آتی کہ غلامی کا مفہوم مغربی مصنف کہاں سے لے آتے ہیں۔ اکثر اوقات بیوی میاں پر بھی حکمرانی کرتی ہے۔ خصوصاً اس وقت جبکہ وہ پہلے پہل ایک نر بچہ کی ماں بن جائے۔ مرد جو کچھ کماتا ہے۔ سیدھا عورت کے سامنے جا رکھتا ہے۔ اور اپنے ذاتی استعمال کیلئے بھی عورت سے مانگ کر خرچ کرتا ہے۔ اور باوجودیکہ تمام آمدنی اور روپے کا مہیا کرنیوالا مرد ہوتا ہے لیکن خرچ کرنے کا اختیار عورت کے ہاتھوں میں ہوتا ہے +

وون ہامر نے بالکل ٹھیک کہا ہے کہ حرم ایک متبرک جگہ ہے۔ اسمیں اجنبی نہیں جا سکتے اس واسطے نہیں کہ عورتوں پر اعتبار نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اس واسطے کہ عورت کو ایک متبرک خزانہ سمجھ کر غیروں کی نظروں سے پنہاں رکھنا فرض سمجھا گیا ہے۔ اور جو عزت ایشیا اور یورپ کے مسلمان عورت کی کرتے ہیں۔ اس کو ثابت کرنے کی مجھے ضرورت نہیں عنقریب تمام دنیا پر صداقت کھلجائیگی۔ جیسا کہ ہم اوپر کہہ چکے ہیں ہندوستان کا پردہ اسلامی ممالک کے پردے سے بہت سخت تھا۔ اور اس کی وجہ اس وقت کے لوگوں کی راہ و رسم تھی۔ جو حالات زمانہ کے ساتھ تبدیل ہوتی رہی ہیں۔ ان صفحات کے لکھنے والے نے مغرب کے تمدن کو خوب مطالعہ کیا ہے۔ اور مغربی تہذیب اور اخلاق اور تمام مشہور مرکزوں کی سیر کی ہے۔ اور اگر آج بھی اس سے پوچھا جائے کہ وہ مغربی روشنی کو اختیار کرنا پسند کرتا ہے۔ یا مشرقی انداز کو تو بغیر کسی تامل کے وہ کہیگا کہ مغربی طرز زندگی جیسی کہ آجکل یورپ میں مروج ہے ہرگز قابل ترجیح نہیں +

یہ مغرب کے سادہ لوح جو اپنے زعم میں مشرق کی عورتوں کو غلامی سے آزاد کرانے کے دعوے کرتے ہیں انکو چاہیئے کہ اپنے خداوند یسوع مسیح کی تعلیم پر عمل کر کے پہلے اپنی آنکھ کا شہتیر نکالیں اور پھر دوسروں کا تنکا دیکھیں۔ ان کو چاہیئے کہ پہلے اپنے شہر کی گلیوں میں سے ان شرمناک انسانی وباؤں کو دور کریں جو نا تدا[illegible] کے خاندان تباہ کردیتی ہیں۔ اور عورت جیسی شریف ہستی کو سخت نے عزت اور قابل نفرت بنا دیتے ہیں

انکو چاہئے کہ اپنی تہذیب کو شراب خوری ۔ بدکاری اور قمار بازی کی لعنت تلافہ سے مُبرّا کریں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔

جب یورپ عورت کی اس بے عزتی کو محسوس کریگا جس کی وجہ مذہبی قیود کی غیر حاضری ہے ۔ یا جب تعداد پیدائش کی کمی اور مُہلک بیماریوں کی کثرت یورپ کی مادہ پرست آنکھ کو عیش پرستی کی عارضی نیند سے جگائیگی تو ان کو چار و ناچار اسلامی اصولوں کی طرف توجہ کرنی پڑیگی ۔ اور اُن عالمگیر قوانین کے آگے سر جُھکانا ہوگا ۔ جو مصلح حقیقی حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے عالم الغیب خدا سے الہام پاکر لوگوں کو سکھائے +

حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے تمدنی قوانین کی بابت مسٹر بانس ورتھ سمتھ جس نے نبی کریم کی زندگی کو خوب مطالعہ کیا ہے لکھتا ہے :۔

پہلے پہل تو سخت قوانین سے اور بعد میں اُن اخلاقی خیالات سے جو ان قوانین کی اطاعت نے پیدا کر دیئے محمد صلے اللہ علیہ وسلم دُنیا کے تمام مصلحوں سے زیادہ کامیاب ہوئے اور آپ نے مسلم ممالک کو ان پیشہ ور بدمعاشوں اور بدکاروں سے بالکل صاف کر دیا جو ہر قوم و ملک کے باعث ننگ و عار ہوتے ہیں ۔ اور اکثر دفعہ اس قوم کو تباہ کر کے چھوڑتے ہیں +

ہم اس تبدیلیٔ زمانہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں ۔ کہ بڑے بڑے واضعانِ قوانین کا ضمیر اب اُن بداخلاقیوں کو محسُوس کرتا ہے جو دُنیا کے بڑے بڑے شہروں کی گلیوں میں خصُوصاً کھلّم کُھلّا کیجاتی ہیں ۔ بہت سی کتابوں اور مضمونوں میں اُن گلیوں کی افسوسناک حالت کا نقشہ کھینچا گیا ہے ۔ اور بعض حالتوں میں تو گرفتاریاں بھی عمل میں آئی ہیں ۔ اور حال میں قانون ساز کمیٹی کے درپیش ایک بل ہے جسمیں مُہلک جرائم کی اصلاح میں بداخلاقی اور بدکاری کو بھی روکنے کی کوشش کی گئی ہے +

اِن بیماریوں اور بدکاریوں کی وجہ مرد اور عورتوں کا اس طرح آزادانہ میل جول بیان کیا جاتا ہے ۔ اور اب ایسے قوانین بنانے کی تجویز ہے ۔ جن کی رُو سے میل جول محدُود ہو جائیگا اور خانہ داری میں بے انتظامی کا جُرمانہ زیادہ ہوگا ایسی کتابوں یا مضمون کا لکھنا اور چھاپنا

بھی بند کیا جا رہا ہے جو اخلاق سے گرے ہوئے ہوں۔ اور جن بیماری کا اثر اولاد کا رُک جانا ہو انکو بھی مجرم قرار دیکر سزا کا سزاوار سمجھا جائیگا +

لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا لوگوں کے اخلاق ملکی قوانین سے بھی قابو میں لائے جا سکتے ہیں۔ ڈاکٹر ہیلین ولسن لکھتے :-

اگر بفرض محال آج ہی ساری کنچنیوں کو زیر حراست کر دیا جاوے۔ تو بھی ایسے بہت سے لوگ موجود ہیں جو اپنی خواہشات پورا کرنے کیلئے اس قسم کی اور عورتیں پیدا کر لیں گے جبتک مرد اسباب کے خواہاں ہیں اُن کی خواہشات کے پورا کرنے کے سامان کو روکنے کی کوشش کرنا سخت حماقت ہے۔ یہی مصنف آگے چلکر لکھتے ہیں :-

اِس فسق و فجور کو روکنے کے لئے صرف سزا اور قوانین کافی نہیں۔ کیونکہ وہ جوان جو کبھی بُرے ارادے سے اکٹھا ہونا چاہیں وہ سوائے ایک طریق کے کسی طرح رک نہیں سکتے۔ اور وہ طریق یہی ہے۔ کہ غیر مرد اور عورت ایکدوسرے سے بالکل الگ رہیں۔ ان فاسق فاجر مرد و عورتوں کے خلاف قانون صرف اسقدر کر سکتا ہے۔ کہ ان کو عوام النّاس کی حرمت میں مداخلت سے روکے اور یہ کہ ایک دوسرے سے ملاقات کے واسطے وہ عزت دار آدمیوں کی ہتک نہ کریں۔ اور یہ قیود مرد و عورت دونوں کے لئے ایک جیسے مقرر ہونے چاہئیں +

کرکے ان کے دفعیہ کے اسباب پیدا کر دیئے۔ اور جس کی مہربانی تمہارے ایک کام کے بدلے میں دس گنا عوضہ دیتی ہے) بے شک آسمان زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کی آمد و شد میں اور جہازوں میں جو لوگوں کے فائدے کی چیزیں سمندر میں لیکر چلتے ہیں۔ اور مینہ میں اور جس کو اللہ آسمان سے برساتا پھر اس کے ذریعے سے زمین کو اسکے مرنے کے پیچھے زندہ کرتا ہے۔ اور ہر قسم کے جانوروں میں جو خدا نے روئے زمین پر پھیلا رکھے ہیں اور ہواؤں کے پھیرنے میں اور بادلوں میں جو آسمان و زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں اُن لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں نشانیاں ہیں +

مندرجہ بالا آیات میں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ جو کچھ دنیا میں ہے انسان کے فائدہ کیلئے بنایا گیا ہے۔ مثال کے طور پر اختلاف لیل و نہار ہی غور کر کے دیکھ لو۔ ہواؤں کا چلنا بارش کا آنا۔ زمین کا خاص موسموں میں مُردہ ہو جانا۔ اور پھر اس کے بعد از سرنو زندہ ہو جانا یہ سب زمین کے محور کے جھکاؤ کا نتیجہ ہیں۔ الغرض ہماری صحت ہمارا نشوونما و ترقی سب اسی اختلافِ لیل و نہار سے وابستہ ہیں۔ اور یہ اختلافِ لیل و نہار اور زمین کی خاص شکل اور رفتار اس کے محور کے جھکاؤ پر منحصر ہے۔ کیا یہ سب اتفاق لایعنی ہے۔ یا واقعی اس عجیب و غریب انتظام کی کوئی غرض و غایت بھی ہے۔ کسی اور چیز پر نظر ڈالو خفائے عالم میں ایک ذرہ بھی ایسا نظر نہ آئیگا۔ جس کے وجود کو تمہاری ہستی سے تعلق نہیں۔ اس صداقت پر روشنی ڈالتے ہوئے ترجمانِ حقیقی نے فرمایا۔ الذین یذکرون اللہ قیاماً و قعوداً وعلیٰ جنوبھم ویتفکرون فی خلق السمٰوات والارض ربنا ما خلقت ھذا باطلا سبحٰنک (سورۃ آل عمران آیت ۱۹۰) ترجمہ۔ وہ لوگ جو کھڑے بیٹھے اور پڑے خدا کو یاد کرتے ہیں۔ اور آسمان زمین کی مسافت پر غور کرتے ہیں (کہتے ہیں) اے ہمارے رب تو اس (دُنیا) کو بیفائدہ نہیں بنایا۔ تیری ذات پاک ہے) وہ چیزیں جو کل نے سُود خیال کیجاتی تھیں آج اُن میں ایک غرض و غایت نظر آتی ہے۔ میں مانتا ہوں کہ لکھو کھا ایسی چیزیں ہیں جن کی غرض و غایت کو انسان نے اس وقت تک نہیں سمجھا لیکن جسقدر ہماری تحقیق میں آچکا ہے۔ وہ سب کا سب اپنے اندر کوئی نہ کوئی مقصد لئے

ہوئے ہے۔ اب اگر مجھے بہ الفاظ قرآنی یہ بات معلوم ہو گئی۔ کہ یہ نظام شمسی ہماری زمین کے قیام ہی کے لئے بنایا گیا ہے۔ اور کائنات کا ہر ذرہ اس ہستی کیلئے ضروری ہے۔ تو یقیناً مجھے یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ دنیا کا ہر ذرہ میری فلاح اور خدمت کے لئے بنایا گیا ہے لیکن یہ ایک الگ امر ہے کہ میں یہ نہ سمجھوں کہ کس طرح میں ان سے فائدہ اُٹھاؤں اور اُن سے خدمت لوں۔ بہرحال میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر نیچر کے عناصر کا ایک خاص قانون کے ماتحت چلنا ایک خاص غرض سے وابستہ ہے۔ تو پھر تمام قانون کسی مُقنّن اور واضع کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس کا نام میں اللہ رکھتا ہوں۔ اور جس نے بہ الفاظ قرآنی تمام دُنیا کو میری خدمت کیلئے بنایا۔ فرمایا۔ اللہ الذی خلق السموات والارض وانزل من السماء ماءً فاخرج بہ من الثمرات رزقا لکم وسخر لکم الفلک لتجری فی البحر بامرہ وسخر لکم الانھار وسخر لکم الشمس والقمر دائبین وسخر لکم الیل والنھار واتٰکم من کل ماسالتموہ۔ (سورۃ ابراہیم آیت ۳۲ تا ۳۴) جس نے زمین آسمان پھل کشتیاں سمندر سُورج چاند دن رات اور جو مانگو سب تمہارے ماتحت ذرا ان الفاظ قرآنی پر غور کرو۔ تم جو اپنے عیش و عشرت کے اس قدر سامان مُہیّا کرتے ہو کیا تمہارے آرام اور راحت کی کوئی ایسی بھی چیز ہے جو قدرت میں موجود نہ ہو۔ جو خود رحمٰن خدا نے ضرورت سے پہلے ہی مُہیّا نہ کر دی ہو۔ کس طرح آپ لوگ اس کو بے ارادہ اور بغیر مشیت کے کہہ سکتے ہیں +

اِس دلیل کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ بذات خود کسی چیز میں کوئی غرض و غایت نہیں۔ اِنسان نے چونکہ اُسکو ایک خاص طرز پر استعمال کیا۔ اسلئے اس سے فائدہ مترتب ہو گیا۔ خود انسان نے اس بلا مقصد کائنات کے غرض و غایت مقرر کیئے۔ یہ ایک مُسلّمہ امر ہے۔ کہ قوت باصرہ روشنی اور سبز رنگ کو دیکھنے سے بڑھتی ہے۔ اور اسی لئے نیچر میں روشنی کے بعد سبز رنگ ہی کثرت سے پایا جاتا ہے لیکن معترض کہتا ہے کہ سبز رنگ کو اِس واسطے پیدا نہیں کیا گیا کہ وہ طاقتِ بصارت کو قوت دے بلکہ بصارت روشنی اور سبز رنگ کی اسلئے خوگر ہو گئی ہے کہ اسکے اردگرد چاروں طرف یہی دو چیزیں کثرت سے تھیں۔ ان لوگوں نے تنازعہ

چھچھوندر وغیرہ کو نہیں دیکھا کہ اُس کی آنکھ تو ہے لیکن عدم روشنی کی وجہ سے بصارت نہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ کہاں تک روشنی اور سبز رنگ کو بصارت دینے سے تعلق ہے یہ چیزیں آنکھ کو نہ صرف طاقت دیتی ہیں بلکہ ان کے بغیر آنکھ کسی کام ہی کی نہیں روشنی کسی اتفاق کے ماتحت آنکھ سے تعلق نہیں رکھتی۔ بلکہ بصارت کے لئے غذا کا حکم رکھتی ہے۔ اس امر پر زور دیتے ہوئے کہ نیچر غرض و غایت سے وابستہ نہیں بلکہ اتفاقات نے نیچر کے عطیوں کو مختلف شکلوں میں استعمال کر لیا۔ اور وہی آج غرض غایت کے قائمقام ہو گئے۔ پروفیسر ہیکل بارود کی مثال پیش کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ بارود قدرت سے بیکار پڑا ہوا تھا ہم نے اس کو ایک خاص غرض کے لئے استعمال کر کے اُس استعمال کو اسکی غرض و غایت بنا دیا ہے۔ اگر ہم اسکو استعمال کر کے خواص نہ دریافت کرتے تو یہ ایک عبث بیکار چیز رہتی کس قدر حیرت کی بات ہے کہ پروفیسر ہیکل جیسے عظیم الشان علم و عقل کا انسان بھی اپنی تھیوری ثابت کرنے کے شوق میں معمولی سے معمولی غلطیوں کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ ہم نے مانا کہ اشیاء کے خواص انسان ہی کے ہاتھ سے دریافت ہوتے ہیں۔ لیکن دریافت خواص وجود خواص کے ہی ہوتی ہے۔ کیا بارود کے سارے خواص پروفیسر صاحب نے معلوم کر لئے ہیں۔ ہر ایک چیز کے ہزار در ہزار خواص ہوتے ہیں۔ اگر انسان نے ان میں سے بعض دریافت کر لیئے تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ اسمیں باقی اور خواص نہیں۔ پروفیسر ہیکل کا یہ کہنا کہ ہم نے بارود کو وہ خاصیتیں عطا کی ہیں جو پہلے اسمیں نہ تھیں یا بہ الفاظ دیگر وہ خواص بارود میں پہلے ہی سے موجود تو تھے۔ لیکن ان کا اظہار انسانی طاقت کا دست نگر تھا۔ اور ان کا دریافت کرنا انسان کا کام تھا۔ اس سے بجائے ارادہ اور غرض کی نفی کے اس کا اثبات ہوتا ہے۔

بہرحال یہ سوال حل کرنے کے لئے کہ کسی چیز کی غرض و غایت پہلے سے اس میں فطرتی طور پر موجود تھی یا ہم نے اس کا ایک خاص طور پر استعمال کر کے اس کا نام غرض و غایت رکھ دیا۔ اس سوال کو طے کرنے کے مختلف طریق ہیں لیکن اختصار کے لئے میں دو ہی پہلوؤں پر بحث کروں گا۔ اوّل اگر کسی مادہ پر کسی بالا رادہ ہستی نے عمل نہیں کیا تو

ہر ایک دماغ اس مادہ کو جس طرح چاہے استعمال کر سکتا ہے لیکن اگر کسی دماغ نے اس مادے پر کسی خاص غرض و غایت سے عمل کیا تو اس کے بعد وہ مادہ اسی طرز سے استعمال ہو سکتا ہے جس طرح وضع کرنے والے کی منشا تھی۔ لہٰذا اگر اسکی منشا کے مطابق نہ چلو گے تو نقصان اُٹھاؤ گے۔ نیچر میں لکڑی اور لوہے کی مثال پر غور کر کے دیکھو جس لوہے کے ٹکڑے پر کسی دماغ نے کام نہیں کیا اس کو میں جس طرح چاہوں استعمال کر سکتا ہوں لیکن اگر اسی لوہے یا لکڑی کے ٹکڑوں سے کوئی مشین بنا دیجائے۔ تو جو کوئی اس مشین کو استعمال کرنا چاہے اسکو مجبوراً اسی طرح استعمال کرنا ہوگا جس طرح کہ موجد مشین نے اس کے لئے قاعدے مترتب کئے۔ کسی مادہ کا صرف ایک ہی طرز پر قابل استعمال ہونا اس بات کی ایک کافی شہادت ہے۔ کہ اس مادے پر کسی نہ کسی دماغ یا بالارادہ ہستی نے عمل کیا ہوا ہے۔ اب ذرا گریبان میں منہ ڈالکر سوچو کہ کیا تم خدا کی بنائی ہوئی چیزوں کو اپنی منشا کے مطابق استعمال کر سکتے ہو۔ دُور کیوں جاتے ہو تمہارا اپنا جسم ایک عظیم الشان مشین ہے۔ اس کے مختلف حصے مختلف کاموں اور غرضوں کیلئے مخصوص ہیں۔ وجود انسانی بائیالوجی کی رُو سے بہتر ین مادہ کا مجموعہ ہے۔ جس میں جوہر حیات مکمل طور پر نشو و نما پا چکا ہے۔ جسمیں .... یا مشیت بالارادہ بھی ہے لیکن باوجود اسقدر طاقت اور قدرت کے کیا تم ناک سے بصارت یا آنکھ سے سماعت کا کام لے سکتے ہو۔ کیا کان کے رستے کھا سکتے ہو۔ تمہاری مجال نہیں کہ بنانے والے کے مقررہ رستوں کے خلاف جا سکو جس طرح کسی دوسرے انسان کی بنائی مشین کو تم اسی کے بنائے ہوئے قوانین کے ماتحت استعمال کر سکتے ہو۔ اسی طرح خالق کے بنائے ہوئے سے اسی کے بتائے ہوئے طریقوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ اب اس وقت جبکہ میں بول رہا ہوں آپ کے کان اور آنکھیں میری طرف لگے ہیں مہربانی کر کے ذرا کانوں اور آنکھوں کو بند کر دو۔ کیا آپ صاحبان میرا لیکچر سن اور سمجھ سکتے ہیں تھوڑی دیر میں ملکوک پیاس محسوس کرینگے۔ اور قریب کے قہوے خانہ میں جاوینگے۔ آپ صاحبان جو کہتے ہیں کہ نیچر کی مختلف چیزوں کو آپ ہی نے خاص طور پر استعمال کر کے ان کی غرض و غایت پیدا کر دی۔ تو آج ذرا منہ کے

بدلے گرم گرم چائے کان کے سوراخ میں ڈال دیں ۔ تاکہ اس خاص استعمال سے کان کی غرض وغایت پیدا ہوجائے ۔لیکن نہیں آپ کی فطرت یہ بے قانونی ہرگز قبول نہیں کریگی۔ آج جب کھانے پر بیٹھو اور نمک ذرا کم ہو تو نمک کی ایک چٹکی بجائے منہ کے آنکھ میں ڈال دینا پھر دیکھنا کیسا مزا آتا ہے ۔کیونکہ غرض وغایت کا پیدا کرنا تو آپ ہی کے ہاتھ میں ہے ۔لیکن یقین رکھو کہ اس بے ضابطگی سے آنکھ اور کان دونوں بیکار ہوجائینگی ۔ اسکی وجہ یہ ہے ۔کہ ان اعضا پر ایک بالاارادہ ہستی نے عمل کیا ہے ۔تمہاری اس مشین کو ایک دل ودماغ نے وضع کیا ہے ۔ اس کے مقرر کردہ قوانین کے خلاف اگر کروگے تو تمہارا فعل قبول نہ ہوگا ۔ اور بجائے فائدے کے نقصان ہوگا ۔ اس صداقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن حکیم نے فرمایا ۔ افغیر دین اللہ یبغون ولہٗ اسلم من فی السموات والارض طوعاً وکرھاً والیہ یرجعون ..... ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ وھو فی الاٰخرۃ من الخسرین۔ سورۂ آل عمران آیت ۸۲ و ۸۴ (ترجمہ ۔ اللہ کے دین کے سوا تلاش کرتے ہیں اور جو کوئی آسمان یا زمین میں ہیں چاروناچار اس کے حکم بردار ہیں ۔اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ..... جو فرمانبرداری (اسلام) کے سوا کوئی اور راہ تلاش کریگا خدا کے ہاں وہ مقبول نہ ہوگا اور وہ انجام کار نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا) +

میں نے تشریح کے طور پر ایک انسانی ہاتھ کی بنائی ہوئی مشین کا جسد انسانی سے مقابلہ کرکے دکھایا ہے ۔ دونوں کا عمل ایک دوسرے کے مشابہ ہے ۔ دونوں مخترع اور موجد کے مقرر کردہ قوانین کے بغیر استعمال نہیں ہوسکتے تو پھر کتنے افسوس کی بات ہے ۔کہ ایک میں تو آپ انسانی دماغ کا ارادہ اور مشیت دیکھتے ہیں اور دوسرے کی بنا محض اتفاق یا استعمال پر رکھتے ہیں اس نتیجہ پر پہنچنے سے پہلے آپ کو منطق کے سارے اصولوں کو بدلنا پڑیگا +

یہ کہنا کہ سینے کی مشین کو سوائے مقرر کردہ قوانین کے استعمال کرنا ناممکن ہے گویا یہ کہنا ہے کہ کسی دل ودماغ نے اس پر عمل کیا ۔ اور اب باقی سب دماغوں کو اسکے

ماتحت عمل کرنا ہوگا۔ لیکن آپ صاحبان کیوں انسانی مشین کی بابت اسی نتیجہ پر نہیں پہنچے یاد رکھو کہ لوہا اور لکڑی بھی بالکل ہماری مرضی کے ماتحت استعمال نہیں ہوسکتے۔ ان کے بھی قوانین اور قواعد ہیں۔ اگر ان قوانین کی پیروی نہ کروگے تو ان کے فوائد سے بھی محروم رہوگے +

(باقی آیندہ)

مُطالعۂ اسلام

رمضان یعنی ماہِ صیام

مسلمانوں کے لئے یہ بڑا متبرک مہینہ ہے جس میں مسلمان روزہ رکھتے ہیں۔ روزہ رکھنے کا طریق کوئی مسلمانوں سے ہی مختص نہیں۔ دُنیا کے ہر ایک مذہب نے اس رسم کو اختیار کیا ہے۔ اور اب تو وہ لوگ جو مذہب سے کوئی خاص تعلق یا دلچسپی تو نہیں رکھتے لیکن اصولِ صحّت کے رُو سے اس رسم کی دل سے عزت کرنے لگ گئے ہیں۔ ہاں اسلام کی یہ خصوصیّت ہے۔ کہ جو ارکانِ اسلام دیگر مذاہب سے مشترک ہیں ان کو بڑے صاف اور سادے الفاظ میں بیان کرنے کے علاوہ قواعد وضوابط مقرر کر دیئے ہیں۔ روزے رکھنے کے رواج پر غور کرو کہ اس رسم کو متبرک اور مصلحِ اخلاق بنانے کے لئے کس قدر ضوابط رکھے ہیں۔ تاکہ اس بہترین رُوحانی دوا کو محض فاقہ کشی کے مترادف نہ سمجھ لیا جائے اس مہینے کے شروع ہوتے ہی تمام دنیا کے مسلمانوں کی زندگی میں ایک نمایاں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ جہاں تک کھانے پینے کا تعلق ہے وہ تو اسیقدر ہے کہ جس دن چاند دیکھا جائے اس سے اگلے دن طلوعِ آفتاب✗ سے لیکر غروبِ آفتاب تک کوئی کھانے پینے کی چیز استعمال نہ کیجائے +

✗ طلوعِ آفتاب سے پہلے بطور ناشتہ کچھ کھا پی لینا سنت ہے انگلستان میں سحری کا وقت اس سال پونے چار بجے تک ہوگا +

اور دوسرے ہلال تک اسی طرح روزہ رکھنے کا حکم ہے۔ یہاں تک تو اسلامی روزے اور دیگر مذاہب کے روزوں میں چنداں فرق نہیں۔ اگرچہ بعض مذاہب میں کسی خاص قسم کی خوراک سے پرہیز کرنا ہی روزے کے لئے کافی سمجھا جاتا ہے وہ پھل یا دودھ وغیرہ کھاپی لینا جائز سمجھتے ہیں مسلمانوں کے لئے کوئی چیز بھی گلے سے اُتارنا جائز نہیں اس کے علاوہ اسلام نے روزے کو فاقہ کشی سے متمیز کرنے کے لئے خاص احکام جاری کئے ہیں۔ خود شارع اسلام نے مختلف مواقع پر فرمایا ہے کہ جو شخص کھانے پینے کو چھوڑنا ہی روزہ سمجھیں وہ حقیقت روزہ سے بالکل ناآشنا ہے۔ جن آیات قرآنی میں روزے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے ان کا مفہوم بڑا واضح اور صاف ہے۔ اور ان میں بتایا گیا ہے کہ اس کی غرض صلاح خلق اور روحانی ترقیات میں مدد کرنا ہے۔ فرمایا۔ یا ایھا الذین امنو کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ۔ ہم نے تم پر روزہ فرض کیا جس طرح تم سے پہلی قوموں پر فرض کئے۔ اور اس کی علت غائی یہی ہے کہ تم متقی بنو یعنی بدیوں سے بچنے کا رستہ سیکھو +

اِنسان کو بدی اور گناہ سے بچنے کا طریق سکھانے کے لئے اسلام نے یہ رستہ اختیار کیا ہے کہ جو چیزیں شرعاً حلال اور جائز بھی ہیں۔ ایام رمضان میں ان سے بھی محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے پرہیز کرے۔ یہ ایک قسم کی مشق ہے کہ جب کوئی انسان محض اللہ کے لئے حلال طیب چیزیں چھوڑ سکتا ہے تو پھر کس طرح وہ ناجائز اور حرام اشیا کے نزدیک جا سکتا ہے۔ دوران روزہ میں ہر مسلم کو تمام تعلقات زناشوئی ترک کرنے پڑتے ہیں۔ بلکہ ان تمام راہوں سے بچنا فرض ہے جن سے مرد یا عورت میں کسی قسم کی نفسانی خواہش کا خیال پیدا ہو۔ ایک مسلمان کا روزہ نہ صرف منہ کا روزہ رکھنا ہے بلکہ اس کو منہ آنکھ۔ کان۔ ہاتھ اور ہر ایک عضو کا روزہ رکھنا پڑتا ہے مسلمانوں کو ہر قسم کے خیالات فاسدہ اور جذبات کے روکنے کا حکم ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ روزہ دار کو نہ صرف تمام اعضاؤں جذبات اور خیالات کو بُرے استعمال سے روکنا چاہئے بلکہ ان کو بھلائی خلق یا اصلاح رُوحانی کے لئے لگانا بھی ضروری ہے۔ جو شخص اپنی

آنکھ کو شہوت سے مُبرّا نہیں کر سکتا اس کا روزہ اسلامی نقطۂ خیال سے کوئی وقعت نہیں رکھتا اِسی طرح جس کی زبان نازیبا کلمات استعمال کرے جس کے کان غیبت یا چغلی سُنیں جس کے ہاتھ پاؤں کوئی ناجائز فعل کے ارتکاب میں ممد ہوں وہ گنا ہگار ہے۔ اور اُس کا روزہ مکروہ اور فاسد ہے۔ اسلام تو گویا تمام بُرے خیالات کو جڑ سے اُکھیڑنا چاہتا ہے مُسلمانوں کو تاکید ہے کہ وہ ماہ صیام میں تمام احسن اور نیکی کے قوے کو ترقی دیں۔ حضرت نبی کریم صلعم کی بابت لکھا ہے کہ یُوں تو آپ ہمیشہ ہی سخاوت اور فیاضی کا نمونہ تھے لیکن ایام رمضان میں آپ اجوَدُالنّاس تھے۔ اور آپ کی سخاوت کو تیز چلنے والی ہوا سے مشابہت دی گئی ہے جو روکے نہیں رُکتی۔ غُصّہ روکنے اور مغضوب الیہ سے محبّت پیدا کرنے کا بہترین طریقہ وہی ہوسکتا ہے جو قرآن کریم نے بتایا۔ فرمایا۔ والکاظمین الغیظ والعافین عن النّاس واللہ یحب المحسنین۔ مومن کون ہیں غُصّے پر قابُو پانیوالے معاف کرنیوالے اور اللہ احسان کرنیوالوں سے پیار کرتا ہے + گویا خیرات میں اور بھی بڑھو اور اس طرح تمہارا دشمن تمہارا گرویدہ ہوسکتا ہے +

دراصل ہمارے تمام جذبات اور خواہشات کسی نہ کسی فطرتی خواہش کے منتقاضی ہیں۔ اور بدیں وجہ ان کو بالکل روکنا یا مار دینا ممکن نہیں۔ ہاں ان فطرتی تقاضوں کو اگر ٹھیک راہ پر چلایا جائے تو یہی ہمارے لئے موجب فلاح اور کامیابی ہوسکتے ہیں اسی اصُول کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلام نے یہ تجویز کیا کہ جس وقت کوئی انسان تمہارے غُصّے کا مُوجب ہو تو نہ صرف غُصّے کو روکو اور معاف کرو بلکہ کچھ مُروّت بھی کردو۔ اور رمضان میں تو اس حُکم پر عمل کرنے کا حکم خصُوصًا دیا گیا ہے جو کچھ اللہ نے دیا ہے اسمیں سے کچھ راہ للہ غُرباکو دینا روزہ دار کا فرض ہے۔ اب اگر ایک شخص بالغرض ماہ رمضان میں تمام قسم کے گناہوں سے پرہیز کرنے کے علاوہ اعمال صالحہ کی بھی کوشش کرے۔ خیرات اور زکوٰۃ بھی دے تو اس ایکماہ کا اثر کم از کم ایک سال تو ضرور رہیگا۔ دیگر اخلاق حسنہ کا بھی اسی طرح قیاس ہوسکتا ہے۔

جب ایک مسلم ہر سال میں ایکدفعہ نہ صرف نفسانی خواہشات اور جذبات قبیح کا مقابلہ کرتا رہے بلکہ ان کے مقابل اشرف جذبات کی مشق کرتا ہے تو کون کہہ سکتا ہے کہ یہ ایک ماہ کی مشق اس کے

اخلاق پر گہرا اثر نہ ڈالیگی +

روزہ کی بابت عیسائی نقطہ خیال

بدقسمتی سے عیسائی دُنیا میں روزہ وغیرہ کی مشق کو ریاضت اور عبادت کا ایک جزو لازمی قرار دیا گیا ہے - ہاں اس قسم کے احکام ایسے ہیں جیسے کوئی مطلق العنان حاکم اپنی بات منوانے کے لئے نافذ کرے - اور خلق خدا پر سختی کرنا ہی اُن کا مدعا ہو - انہی چند احکام کے مجموعہ کو وہ شریعت کہتے ہیں - اب چونکہ عیسائی عقائد کے رُو سے انسان شریعت کے بارِ گراں کا متحمل نہیں ہوسکتا - اس واسطے یہی قانون بجائے رحمت و رہبر کے لعنت اور راہزن ہو گیا - اور اسی لعنت اور بوجھ کو دُور کرنے کے لئے حضرت مسیح دُنیا میں تشریف لائے لیکن خدا کا انصاف کب یہ گوارا کرسکتا تھا کہ تمام نسل انسانی عذاب نار اور سزائے گناہ سے بغیر تاوان کے بچ جاوے اور اسی وجہ سے خدا کو خود اپنا اکلوتا بیٹا صلیب کی لعنتی موت مار کر تین دن دوزخ میں رکھنا پڑا جس سے ہماری نجات یقینی ہوگئی - شریعت قانون یا اُن کی پیروی کی کوئی ضرورت نہیں - مسیح کا خون ہمارے لئے کافی سرٹیفکیٹ ہے +

کیا اِس کا نام حقیقت مذہب اور الٰہیات رکھتے ہو - مذہب کی غرض تو اخلاق کی اصلاح کرنا اور رُوحانیت کو ترقی دینا ہے ذرا غور تو کیجئے کہ اگر اس قسم کا روزہ جیسا کہ اسلام نے تجویز کیا ہے تہذیب اور اصلاح اخلاق میں ممد ہوسکتا ہے - تو پھر کونسا کفارہ اور کس کا مصلوب ہونا مجھے روزہ رکھنے کے بغیر میرے اخلاق کی اصلاح کرسکتا ہے اسلامی روزہ بھوکا مرنا یا جسم کو تکلیف دینا نہیں - اور نہ ہی کسی مطلق العنان کی خوشی کو پُورا کرنے کا ذریعہ ہے - اسکو کسی تکلیف دہ امر یا کفارہ سے کوئی تعلق نہیں - اسکی غرض و غایت تو صرف اصلاح اخلاق اور تمدن و سوسائٹی کی بہتری کا ایک بہترین آلہ ہے - کیا اس میں صبر اور استقامت کی ایک اعلےٰ مشق نہیں - اب اگر استقلال اور اولوالعزمی انسان کے بہترین اوصاف میں سے ہیں - تو کیا ایک سچے مذہب کا فرض نہیں کہ وہ نہ صرف ان صفات کو پیدا کرنے کی تلقین کرے - بلکہ ان کے حصول کا طریقہ بھی سکھائے - اسلام نے صرف اتنا کہنا کافی نہیں سمجھا - کہ مبارک ہیں وہ جو دل کے غریب اور صابر ہیں بلکہ ان اخلاق

فاضلہ کے حاصل کرنے کے طریق بھی بتائے۔ روزہ بھی اُنہی اوصافِ حمیدہ کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔ نبی کریم نے فرمایا۔ الصوم نصف الصبر (روزہ آدھا صبر ہے) اس بات سے کون انکار کرسکتا ہے۔ کہ اگر روزے کا مفہوم کھانے پینے سے پرہیز ہی سمجھا جائے۔ تو بھی یہ صحت کے لئے از حد مفید اور قابل عمل ہے۔ وہ شکم پرست لوگ جو رات دن عمدہ کھانے اور سامان عیش کی دُھن میں رہتے ہیں ہم خوب جانتے ہیں۔ کہ آئے دن اُن کو ملین دواؤں کی ضرورت پڑتی ہے۔ ان کے لئے روزہ رکھنا اکسیر ہوگا۔ علاوہ ازیں مرغن اور مقوی غذاوں کے کھانے سے نفسانی خواہشات ترقی کرتی ہیں۔ اور مختلف قسم کے جرائم اور گناہ دُنیا میں ہوتے ہیں۔ ایک بھوکے آدمی کو شہوت وغیرہ کا خیال بھی نہیں آسکتا۔ اب اگر یہ بات مسلم ہے کہ معدہ خالی ہو تو جذبات فاسدہ کی تحریک بہت ہی کم ہوتی ہے تو کیا نبی کریم صلعم کا یہ قول حرف بحرف ٹھیک نہیں۔ کہ ایام رمضان میں تمام دروازے شیطان پر بند ہوجاتے ہیں جس طرف سے بھی وہ حملہ کرے روزہ اس کے لئے سد راہ بنکر ناکام واپس کردیتا ہے۔

ایام رمضان میں مسلمانوں کا طریق عمل

اُوپر بیان ہوچکا ہے کہ روزے کے دنوں میں ہمیں نہ صرف ہر قسم کی منہیات اور بدیوں سے منع کیا گیا ہے۔ بلکہ خیرات صدقہ اور تمام حسنات میں بھی جتنے الوسع سبقت لیجانے کا حکم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماہ رمضان میں مسلمانوں کا رُجحان دُنیا وی اُمور کی طرف کم ہوتا ہے۔ اور کوئی مسلم ایسا نہیں جو دوسرے مہینوں کی کمائی میں سے کچھ نہ کچھ اس ماہ میں فی سبیل اللہ خرچ کرنے کیلئے نہ بچائے۔ اِس مہینے کے آتے ہی ایک خاص اخوت اور اُلفت مسلمانوں میں پیدا ہو جاتی ہے طبیعت خود بخود عبادت اور یاد الٰہی کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ معمولی پنج وقت نمازوں کے علاوہ ایک اور نماز (تراویح) شروع کردیجاتی ہے درصل یہ نماز تہجد کی قائم مقام ہے۔ تہجد ایک چھوٹی نماز ہے جو فرض تو نہیں لیکن اس کا پڑھنا بڑا ہی ثواب سمجھا جاتا ہے۔ یہ نماز پچھلی رات کو جبکہ دُنیا دار خوابِ غفلت میں ہوتے ہیں زاہد شب بیدار ادا کرتے ہیں۔ یہی نماز رمضان میں لازمی ہوجاتی ہے۔ افطار روزہ کے

بعد کھانا کھا کر مسلمان مسجدوں میں رات کا کچھ حصہ گذارنے کیلئے عبادت کرنے کے واسطے جاتے ہیں۔ بعد جب کہ نمازی مسجد میں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ تو ایک شخص امام بنکر نماز پڑھاتا ہے۔ اور باقی مقتدی اس کے پیچھے نماز ادا کرتے ہیں۔ یہ التزام کیا جاتا ہے کہ امام قرات سے پڑھے اور اس مہینے میں کم از کم قرآن شریف کا ایک دور ختم کرے۔ چنانچہ رات کے گیارہ بجے تک قریباً مسلمان قرآن سننے میں مشغول رہتے ہیں۔ اس کے بعد گھروں کو جاکر آرام کرتے ہیں۔ اور ابھی کچھ رات باقی ہی ہوتی ہے۔ کہ سحری کے لئے خواب راحت کو چھوڑ کر اُٹھ بیٹھتے ہیں۔ بعض لوگ اس وقت نفل پڑھتے ہیں۔ اور کچھ ناشتہ کرنے کے بعد صبح کی نماز کے لئے پھر مسجدوں میں جاتے ہیں بعض لوگ نماز صبح کے بعد سو جاتے ہیں۔ تاکہ شب بیداری کی کمی پوری ہو جائے۔ اور صحت میں خرق نہ آئے۔ اکثر لوگ کوشش کرتے ہیں۔ کہ باقی مہینوں کی کمائی سے کچھ بچا کر اس ماہ کے خرچ کے لئے رکھیں۔ تاکہ اس ماہ میں دنیاوی دھندوں سے آزاد رہیں۔ یہ لوگ تمام دن ان مجالس میں گذارتے ہیں جہاں قرآن وحدیث کا ذکر اذکار ہو یا خود قرآن حدیث یا دیگر کتب مقدسہ واخلاق کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ان ایام مسجدوں میں خوب رونق ہوتی ہے۔ اور مسجدوں کے دروازے دن رات نمازیوں کے لئے ماسوائے رات کے چند گھنٹوں کے کھلے ہی رہتے ہیں۔ اور ایک امر جو خاص طور پر قابل دید ہوتا ہے یہ ہے کہ کسی طرف بھی بھوک یا فاقہ کشی کے آثار نظر نہیں آتے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ہر ایک مسلمان اپنی حیثیت کے مطابق غربا کی تکلیف اور ضروریات کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے ہمدردی۔ عبادت اور خیرات ان دنوں کا خاصہ ہے غریب سے غریب انسان بھی خوشحال اور فارغ البال نظر آتا ہے۔ آج مغرب کے جن علماء نے یہ بات مان لی ہے کہ خاموشی اور تفکر بھی انسانی اخلاق کی اصلاح میں بڑے کام آتے ہیں۔ ان کو چاہئے کہ وہ اس صداقت کو اسلامی ممالک میں خاص کر اس مہینے میں جاکر دیکھیں +

رمضان کا آخری عشرہ ۔ لیلۃ القدر

مسلمانوں میں یہ اعتقاد روایتہً چلا آیا ہے کہ ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں ایک

رات ایسی ہوتی ہے۔ کہ اُس رات جو دُعا مانگی جائے قبول ہوجاتی ہے۔ یہ وہ رات ہے کہ جس کے میسر آجانے پر انسان رُوحانی کمالات میں بڑھ جاتا ہے۔ یہ خاص طور پر مقرر نہیں لیکن جن خوش نصیب لوگوں کو یہ مبارک گھڑی نصیب ہوئی ہے۔ ان سب کے تجارب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ رات طاق راتوں میں ہی آتی ہے بعض تو اس سے بھی بڑھ کر ستائیس اٹھائیس و اُنتیسویں رات کو مخصوص سمجھتے ہیں۔ اور کثرت سے لوگ ستائیسویں رات کو ہی لیلتہ القدر کا اعزاز دیتے ہیں +

یہ رات کوئی فسانہ یا خیالی نہیں یہ ایک صادق مصدوق حقیقت ہے اور اسکی شہادت بڑے بڑے خدا رسیدہ اصحاب نے دی ہے۔ اور ان سطروں کا لکھنے والا بھی اس رات کی برکات سے ناآشنا نہیں۔ قرآن نے اس رات کا نام لیلتہ القدر رکھا ہے۔ اور مقبولیّتِ دعا کا خاص وقت پچھلی رات کو ہوتا ہے۔ یہ رات عموماً خوب روشن اور خوشگوار ہوتی ہے۔ اور ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا کے ساتھ بارش کی بوندیں بھی پڑتی ہیں جس سے رُوح میں ایک خاص سرُور اور لذّت پیدا ہوتی ہے۔ عابدِ شب زندہ دار جو تمام رات عبادت میں مشغول رہا ہے۔ اُس کے دل میں اس وقت ایک عجیب شوق اور سرُور پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کے تمام جذبات نفسانی اور خواہشات جسمانی مُردہ ہو جاتے ہیں اور تمام دُنیا اسکی نظروں میں پاک اور گناہ سے مُبرا نظر آتی ہے۔ جب وہ اس زندگی کے عالم میں اپنے خدا کے آگے سر جُھکائے کھڑا ہوتا ہے تو دُنیا و مافیہا کی کچھ خبر اس کو نہیں رہتی۔ اس پر ایک عجیب قسم کا وجد طاری ہو جاتا ہے۔ حتےٰ کہ جس حالت میں ہے اسطرح رہتا ہے۔ خواہ قیام میں ہو یا رکوع یا سجدے میں رقّت اور رُوح میں سرُور آجاتا ہے۔ اس کا دل ایک چشمہ کی طرح رواں ہو جاتا ہے۔ اور زبان سے خود بخود دُعا و حمد جاری ہو جاتی ہے۔ اور ان الفاظ کے نکالتے وقت اسکی زبان اور دہن سے ایک قسم کا لُعاب نکلتا ہے۔ جو نہایت لذیذ اور فرحت بخش ہوتا ہے۔ اور حالانکہ کوئی اس کے پاس نہیں ہوتا۔ تاہم وہ خدا کو اپنے سامنے موجود دیکھتا ہے۔ اس ملاقات سے اس کے دل پر کوئی خوف وغیرہ نہیں چھاتا بلکہ خدا تعالےٰ کی نظرِ اُلفت اس کو یقین دلاتی ہے کہ

بڑھو اور مُنہ مانگی مُراد پالو - یہ ایک نہایت ہی مختصر نقشہ ان رُوحانی لذّات کا ہے - جو اس مبارک گھڑی میں کسی خوش نصیب کو ملتی ہیں - اور جن کی حقیقت الفاظ بیان نہیں کر سکتے اور ان چند لمحوں کے حاصل کرنے کے لئے اگر مجھ سے کوئی ساری زندگی بھی مانگے تو بہ بخوشی اور شکریہ سے قبول کرونگا +

اعتکاف

اِس بابرکت ساعت کے حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں میں خلوت اور خاموشی کا ایک اور رواج ہے - جس کا نام اعتکاف ہے - مسلم ممالک کی بڑی بڑی مسجدوں کے ساتھ متعدد حجرے ملحق ہوتے ہیں - یہ ایام اعتکاف میں خلوت نشینی کا کام دیتے ہیں - رمضان کے مہینہ میں جو لوگ معتکف ہونا چاہتے ہیں وہ ۲۱ تاریخ کی رات کو گھروں کو چھوڑ کر ان حجروں میں جا بیٹھتے ہیں - جو دراصل مسجد کا ایک حصہ ہوتے ہیں - نماز باجماعت میں شریک ہونے کے لئے باہر نکلتے ہیں اور نماز سے فارغ ہو کر پھر حجرے میں جا گھستے ہیں - اور رفع حاجت کے سوا کسی صورت میں اُنہیں مسجدوں سے باہر نکلنے کا حکم نہیں - اُن کے متعلقین ان کو سحری اور افطار کا سامان وہیں پہنچا دیتے ہیں - اور وہ اس قدر قلیل ہوتا ہے - کہ جس سے انسان ہلاکت سے بچ سکے - اسی طرح یہ نو یا دس دن یعنی ۲۱ تاریخ کی رات سے لیکر اگلے چاند کے نکلنے تک یہ لوگ تمام دُنیا سے الگ یادِ خدا میں مصروف رہتے ہیں ان ایام کا اکثر حصہ صفاتِ باری تعالےٰ پر غور کرنے اور اپنے نقائص کو اپنے سامنے لا کر انکی اصلاح کے لئے خدا سے دُعا کرنے میں صرف کیا جاتا ہے معتکف لوگ قرآن کو بڑی باریک نگاہ سے بہ نظر رکھ کر پڑھتے ہیں - کہ کہاں تک ان کے اعمال اور اخلاق قرآن کی منشا کے مطابق ہیں - اور جہاں جہاں وہ اپنے اندر نقص پاتے ہیں ان کے دفعیہ کیلئے خدا کی جناب میں صدق دل سے توبہ کر کے مدد کی دعا کرتے ہیں - نبی کریم صلعم کی زندگی اور قرآن کے احکام کو پیش نظر رکھ کے وہ دعا مانگتے ہیں - کہ اللہ تعالےٰ ان کو ان کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے - اسی طرح وہ رات کا زیادہ حصہ نماز و عبادت اور گیان دھیان میں گذار دیتے ہیں - یہ کہنا بالکل غلط ہے

کہ اعتکاف کا مدعا صرف لیلتہ القدر کو تلاش کرنا ہے۔ باوجودیکہ لیلتہ القدر بذات خود ایک بڑا نیک اور اہم کام ہے لیکن معتکف کا نصب العین اپنی زندگی اور اوقات کو بموجب حکم خدا ورسول کرنا ہے۔ وہ اپنے اندر عشق الٰہی کی لو لگا کر حقیقی روشنی حاصل کرتا ہے۔ ان کے متعلقین کو ہدایت ہوتی ہے۔ کہ اُن کی طرف سے بہت خیرات اور صدقہ کریں۔ مادہ پرست دنیا ان باتوں پر ہنسیگی لیکن کوئی تجربہ کر کے دیکھے اور پھر دیکھے کہ ان امور کا اثر کہاں تک اخلاق اور روحانیات پر ہوتا ہے +

ماہِ رمضان کی ستائیسویں رات

یہ اُوپر بھی لکھا جا چکا ہے کہ عموماً مسلمان صلحا کے خیال میں ستائیسویں رات ہی کو لیلتہ القدر ہونے کا فخر حاصل ہے۔ وہ لوگ جو اعتکاف میں نہیں بیٹھتے۔ وہ سب اس رات کو بڑی دُھوم دھام سے مناتے ہیں۔ اپنے اپنے مذاق کے مطابق مساجد کو آراستہ کیا جاتا ہے۔ اور افطار کے وقت مسجدوں میں تل رکھنے کی جگہ نہیں رہتی۔ ذی ثروت لوگ عوام کے لئے افطاری کا سامان مسجدوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ یہ بات تو قریباً سارا مہینہ ہی ہوتی ہے لیکن ستائیسویں کی رات کو افطاری کے خاص اہتمام کئے جاتے ہیں۔ جب تمام حاضرین روزہ افطار کر چکتے ہیں تو نماز باجماعت ادا کی جاتی ہے۔ ہم اُوپر لکھ چکے ہیں کہ جو خاص نماز رمضان میں عشا کے بعد پڑھی جاتی ہے اسکو تراویح کی نماز کہتے ہیں۔ اور قرأت قرآن اس کا ایک لازمی حصہ ہے۔ کئی مسجدوں میں اس رات سارا قرآن تراویح میں ختم کیا جاتا ہے +

یہ ایک مختصر سا نقشہ ماہ رمضان کا ہے۔ جو عید کا چاند دیکھنے پر ختم ہو جاتا ہے عید کے لغوی معنے خوشی راحت ہیں۔ اور اس دن مسلمان یکجا جمع ہو کر خدا کی جناب میں شکریہ ادا کرتے ہیں۔ کہ خدا تعالےٰ نے اُن کو یہ مبارک مہینہ مُیّسر کیا۔ اور اسکی برکات میں سے حصّہ پانے کی توفیق عطا فرمائی۔ عیسائی مبلّغ جنھوں نے اسلام کی بابت زہر اُگلنا ثواب سمجھا ہؤا ہے کہتے ہیں کہ عید کے دن تمام مسلمان رمضان کے ختم ہو جانے پر خوشی مناتے ہیں کہ یہ فاقہ کشی کا مہینہ خدا خدا کر کے ختم ہؤا۔ اس بُہتان کے بطلان کیلئے اتنا کہنا ہی کافی ہوگا۔ کہ ہر ایک مُسلم تمام سال اِس ماہ کی آمد کا منتظر رہتا ہے۔ اور

اور ماہ رمضان کے آخری جمعہ کو جمعۃ الوداع کہنا ہی بتاتا ہے کہ اس کو رخصت کرتے وقت ہر مسلمان کے دل میں جدائی کا رنج محسوس ہوتا ہے +

عیسائی دنیا میں ایک بھی ایسا دن ہمیں نظر نہیں آتا جس کو اس مبارک مہینے سے کوئی نسبت ہو۔ کرسمس کے ایام واقعی مبارک دن ہیں۔ کیونکہ انہی ایام میں ایک راستباز دنیا میں آیا۔ اور اسے نیکی کی تلقین کی۔ لیکن جن طریقوں اور رسموں سے یہ تیوہار منایا جاتا ہے۔ ان کو پیش نظر رکھ کر ہمیں حیرت آتی ہے۔ کہ یہ تیوہار شراب کے دلیو تا بیکس کی یادگار ہے یا مسیح جیسے راستباز انسان کی۔ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ تمام مسلمان روزے نہیں رکھتے لیکن یہ کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ کہ کوئی مسلمان اس مہینے کی بےعزتی کرے یہ ممکن ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے لیکن وہ کم ازکم پبلک میں اس مہینے کی عزت کریگا۔ اور کھلم کھلا گناہ سے بچیگا +

اسلامی ممالک میں کسی کو ماہ صیام میں نیکی کی طرف مائل کرنے یا کسی کو فعل شنیعہ سے روکنے کے لئے اس قدر کہدینا کافی ہے۔ کہ یہ تو ماہ رمضان ہے۔ اور اگر ایک شخص یہ کہدے کہ میں روزہ دار ہوں تو گویا اس نے اپنے قول کی صداقت کا پورا یقین دلا دیا۔ الغرض ان تمام باتوں پر غور کرنے سے ایک غیر مسلم سمجھ سکتا ہے کہ روحانی ترقیات اور جذبات کے روکنے کے لئے ماہ رمضان کہاں تک مفید ہے +

کن صورتوں میں روزہ رکھنا ضروری نہیں

حالت بیماری یا سفر میں روزہ رکھنے کی ممانعت ہے۔ ہاں دوسرے دنوں میں ان کے عوض روزے رکھنا ضروری ہے۔ بیماری یا سفر کی حدود مقرر کرنا یا تمام انفرادی حالتوں کے لئے احکام دینے بڑا ہی مشکل ہے۔ ہر ایک شخص اپنے حالات کو خود جانچ سکتا ہے۔ یا اگر ڈاکٹر کا فتویٰ کسی کی حالت کے مطابق یہ ہو کہ روزہ اس کے لئے تکلیف دہ ہوگا۔ تو اسلام نے اس کو معافی دی ہے۔ جو عورت حاملہ ہو یا بچے کو دودھ پلاتی ہو یا ماہواری ایام میں ہو تو ان کے لئے بھی روزہ ضروری نہیں۔ اسی طرح نابالغ بچے بھی روزے سے مستثنےٰ ہیں +

ماہ رمضان کی بابت جو احکام قرآن شریف میں ہیں ان کا ذکر سورۃ البقرہ کی آیت ۱۸۳ سے ۱۸۸ تک بڑی تفصیل سے مندرج ہے۔ ان آیات کی تشریح اور تفسیر جو حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب ایم اے ایل ایل بی مترجم انگریزی ترجمۃ قرآن و تفسیر نے بزبان انگریزی فرمائی ہے۔ وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ ہم ناظرین کرام کی ضیافت طبع کے لئے ذیل میں حضرت مولانا موصوف کی اُردو تفسیر الموسوم بہ "نکات القرآن"* میں سے چند آیات کی تشریح و تفسیر درج کیئے دیتے ہیں۔ جو امید ہے کہ خالی از دلچسپی نہ ہوگی +

کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم۔ روزے قریبًا دُنیا کی ہر ایک قوم میں پائے جاتے ہیں۔ اور اسی کی طرف الذین من قبلکم میں اشارہ ہے۔ اور اسلام کے چار ارکان میں سے یہ ایک رُکن ہے۔ جس پر عمل کرنا ہر ایک مسلمان کیلئے ضروری ہے۔ باقی تین ارکان نماز۔ زکوٰۃ اور حج ہیں۔ اور ان سب کا ذکر اسی سورت البقرہ میں آجاتا ہے۔ دُنیا کی مختلف قوموں میں سے صرف عیسائی ایک ایسی قوم ہے جس نے شریعت کو جواب دیکر ہر ایک قسم کی عبادت سے آزادی حاصل کرلی ہے۔ مگر جب ہم مُرَوَّجہ اناجیل میں ہی حضرت مسیح علیہ السلام کے حالات کو پڑھتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے نہ صرف خود روزے رکھے۔ بلکہ اپنے پیروؤں کو بھی روزے رکھنے کی ہدایت کی مگر جب پولوس نے ایک سہل راہ نجات کی کفارہ کی شکل میں بتادی جسمیں کوئی تکلیف اُٹھانی ہی نہ پڑے۔ تو ان مصائب میں اپنے آپ کو ڈالنے کی کیا ضرورت تھی حضرت مسیح نے خود روزے رکھے۔ دیکھو متی ۴: ۲۔ "اور جب چالیس دن اور چالیس رات روزہ رکھ چکا آخر کو بھوکا ہوا"۔ پھر مشہور پہاڑی تعلیم میں روزے رکھنے کا حکم موجود ہے۔ "پھر جب تم روزہ رکھو ریاکاروں کی مانند اپنا چہرہ اُداس نہ بناؤ۔۔۔۔ تاکہ تو آدمی پر نہیں بلکہ اپنے باپ پر جو پوشیدہ ہے روزہ دار ظاہر ہو اور تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا

*نکات القرآن کے چار حصص اُردو زبان میں چھپکر شائع ہو چکے ہیں جن کی قیمت علی الترتیب ۲ ۸/ ۶/ ۶/ ہے اور پانچویں پارہ تک تفسیر ختم کی جا چکی ہے۔ جو احباب مفصل تفسیر ماہ صیام کی متعلقہ آیات کے پڑھنے کے متمنی ہیں وہ دفتر ہذا سے نکات القرآن حصہ دوئم منگوا کر محظوظ ہو سکتے ہیں +

ہے آشکارا تجھے بدلہ دے" متی ۶: ۱۶ و ۱۷ (اِس سے مسیحیوں کے کفّارہ کا عقیدہ بھی باطل ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ یہاں روزوں کا بدلہ دیا جانے کا ذکر ہے۔ پس اگر نماز اور روزہ پر نیک بدلہ ملتا ہے تو کفّارہ کا عقیدہ باطل ہؤا۔) ایسا ہی لوقا ۵: ۳۳-۳۵ میں ہے" اور انہوں نے اُس سے کہا۔ کہ یوحنّا کے شاگرد کیوں اکثر روزہ رکھتے اور دُعا مانگتے ہیں۔ اور اسی طرح فریسیوں کے شاگرد بھی۔ پر تیرے شاگرد کھاتے پیتے ہیں۔ اُس نے اُن سے کہا۔ کیا تم براتیوں کو جب تک دُولھا اُن کے ساتھ ہے روزہ رکھّوا سکتے ہو۔ پر وے دِن آوینگے کہ دُولھا اُن سے جُدا کیا جائیگا۔ اُن دِنوں میں روزہ رکھیں گے"۔ مگر افسوس کہ دُولھا کے جُدا ہونے کی دیر تھی کہ رہی سہی پابندیاں بھی اُٹھ گئیں۔ اور مسیح کے اس حکم پر عمل نہ ہؤا۔ کہ جب دُولھا جُدا کیا جائیگا تو پھر بہت روزے رکھیں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کے لئے روزہ ضروری ٹھیرایا تھا۔ پس کتب علی الذین من قبلکم بالکل صحیح ارشادِ الٰہی ہے +

لعلکم تتّقون۔ اِن دو لفظوں میں روزے کی علّت غائی بیان فرمائی شریعت کے احکام بیشک پہلے بھی پائے جاتے تھے۔ نماز اور دُعا کا بھی کوئی نہ کوئی طریق ہر قوم میں تھا۔ روزوں اور زکوٰۃ کا بھی کوئی نہ کوئی رنگ موجود تھا۔ مگر اسلام نے اُن عبادات کو اپنے کمال تک پُہنچایا۔ اور کمالِ انسانی کے حصُول کو اُن کی اصل غرض قرار دیا۔ بائبل کی نجوم میں روزوں کا ذکر کرتے ہوئے یا دری کروڈن لکھتا ہے۔ کہ روزے ہر قوم میں غموں اور رنجوں اور مصائب کے وقت میں رکھے جاتے تھے۔ جِس کی غرض غالباً یہ ہوگی۔ کہ انسان ظاہر میں اپنے آپ کو ایک مصیبت میں مُبتلا کر کے ان رنجوں اور غموں سے نجات پائے۔ مگر اسلام نے جب روزوں کا حُکم دیا تو ایک اعلےٰ غرض بلکہ انسانی زندگی کے اعلےٰ ترین مقصد کو سامنے رکھا۔ وہ مہتم بالشان مقصد انسانی زندگی کا کیا ہے۔ لعلکم تتقون۔ یعنی تا کہ تم ہر ایک قسم کی مضر چیز اور ہر ایک بدی سے بچ کر حقیقی اور پاکیزگی کے اعلےٰ مقام پر پہنچ سکو

اور یا اس طرح پر ہوتا ہے۔ کہ جب انسان محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ان چیزوں کو ترک کر دیتا ہے جن کا استعمال اس کیلئے بالکل جائز تھا۔ تو اس کی وہ قوتیں نشوونما پاتی ہیں۔ جو انسان کو بدی کی گرفت سے چھڑا کر پاکیزگی کے مقام پر پہنچاتی ہیں۔ کیونکہ انسان کی ہر ایک قوت اپنے کمال تک پہنچنے کے لئے اسباب کی محتاج ہے۔ کہ اسے کام میں لگایا جائے یہی وجہ ہے کہ اسلام نے نماز سے اور روزوں سے انسان کے اندر جو نیکی کی قوتیں ہیں ان کو ہر وقت کام پر لگایا ہے۔ اور جس طرح پر نماز انسان کو حقیقی پاکیزگی کے مقام تک پہنچاتی ہے ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر۔ اسی طرح پر روزوں کی اصل غرض یہ ہے کہ انسان کو سکھایا جائے کہ تقوےٰ کے مقام تک وہ کیونکر پہنچ سکتا ہے۔ اور اس طرح پر اسلام کے روزوں کی غرض وہ نہیں جو دوسری قوموں کے اندر تھی +

ایاماً معدودات گنتی کے دن یعنی معلوم دن یا تھوڑے دن اسکی وضاحت شہر رمضان سے فرمائی جس کا ذکر اگلی آیت میں ہے +

فمن کان منکم مریضاً او علیٰ سفر فعدۃ من ایام اُخر۔

اس آیت میں مریض اور مسافر کے لئے عدۃ من ایام اخر یعنے مقررہ ایام کو چھوڑ کر پچھلے دنوں میں گنتی پورا کرنے کا ارشاد ہے۔ اس بات پر بہت بحث ہوئی ہے کہ آیا یہ بر سبیل رخصت ہے یا وجوب کے طور پر۔ بعض احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے سفر میں روزے رکھنے کو منع فرمایا۔ اس لئے مختار مذہب یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ بیماری اور سفر میں روزہ ترک کردے۔ اور اُتنے دن بعد میں روزہ رکھ لے کیونکہ اگر رخصت کے طور پر بھی ہو تو اللہ تعالیٰ کی رخصت سے فائدہ اُٹھانا چاہئے۔ اور دوسرے بعض وقت انسان کو بیماری اور سفر میں نا اندیشیدہ تکالیف پیش آجاتی ہیں +

اسلامک ریویو کی علمی و مذہبی جدوجہد

یہ گرم رفتاری کا زمانہ ہے۔ ہم سب مصروفِ کار ہیں۔ اور اگر کوئی اس وقت مصروف نہیں تو اُسے ہو جانا چاہئے۔ اِن ایام میں بیکاری کے لئے کوئی عُذر نہیں ہو سکتا میں جب خود صبح بستر سے اُٹھتا ہوں۔ اُس وقت سے لیکر سونے کے وقت تک مصروف رہتا ہوں۔ قابل افسوس بات یہ ہے کہ رسالہ اسلامک ریویو کے مضامین لکھنے کے لئے بھی مجھے کافی فرصت نہیں ملتی۔ لہٰذا اس معاملہ میں اگر کوئی کوتاہی مجھ سے سرزد ہو تو اُمید ہے قارئین کرام مجھے معاف فرمائیں گے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ مجھے رسالہ مذکور سے دلچسپی نہیں بلکہ قلّت فرصت ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ اس جنگ کو کامیابی کے ساتھ اختتام تک پہنچا دیں۔ اس جنگ کے اختتام پر جمہور کو اِنسداد کرنا ہوگا۔ کہ آیندہ کبھی بھی ایسی عالمگیر آتشِ قتال واقع نہ ہو۔ جمہور کو جنگوں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ غرباء کو سب سے زیادہ مصیبت اُٹھانی پڑتی ہے۔ اور اخلاق کو بھی کچھ ترقی نہیں ہوتی۔ انسان کو اخلاق کے اِس درجہ سے کہ جہاں اپنے بھائیوں کا خون بہانا ایک فرحت معلوم ہوتی ہے۔ اس وقت تک اخلاقی ترقی کے آگے نکلجانا چاہئے تھا۔ میں نے سُنا ہے یا لکھا دیکھا ہے۔ کہ نام نہاد صنفِ لطیف بعض اوقات مردوں میں صفتِ بہیمی کا اظہار پسند کرتی ہیں۔ اگر یہ سچ ہے۔ تو ہم اُمید کرتے ہیں۔ کہ موجودہ جنگ اسکی قطعی موت کا باعث ثابت ہوگی۔ یہ صفتِ بہیمی آیندہ جس قدر بھی کم ہو اتنی ہی اچھی ہے۔ جس زمین کو توپ و تفنگ نے اُکھیڑ پھینکا ہو۔ جس کے قصبے اور آبادیاں برباد ہو گئی ہوں جو سرزمین جنگ کی تباہی اور بربادی کی داستان زبان حال سے کہہ رہی ہو۔ جو انسانی خون سے سیراب ہو۔ جہاں مقتولین کی لاشیں بریدہ و دریدہ حالت میں پڑی ہوں۔ اور جہاں مجروحین درد و کرب سے چیخ رہے ہوں۔ بھلا ان کے نظارے سے کیا فرحت ہو سکتی ہے۔ نوعِ انسان کو اِس سے کیا حاصل ہوتا ہے۔

من قتل نفساً بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعاً
ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا ۔ (ترجمہ) جو کوئی جان بدلے نہیں اور
ملک میں فساد پھیلانے کی سزا کے طور پر نہیں (بلکہ ناحق) کسی کو مار ڈالے تو (اسکی نسبت ایسا
سمجھا جائیگا کہ) گویا اُس نے تمام آدمیوں کو مار ڈالا ۔ اور جس نے مرتے کو بچا لیا تو گویا اُس نے
تمام آدمیوں کو بچا لیا ۔

اِس دلفریب تعلیم کے باوجود ہم میں سے اکثر ہتھیاروں کا استعمال سیکھ رہے ہیں تاکہ
خُون بہائیں بعض جو خود پیشتر سے سیکھے ہُوئے ہیں ۔ وہ دوسروں کو سکھا رہے ہیں ۔ کہ وہ بھی
اسی بھیانک راستہ پر چلیں ۔ ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اپنے اپنے اعزہ واقارب اور وطن کی
حفاظت کرے لیکن قطع نظر مدافعت اور حملہ کی بحث کے ہماری ادعائی تہذیب کیلئے یہ
سخت مضحکہ خیز ہے ۔ کہ اس بیسویں صدی میں ایسی وحشیانہ حرکات اور ایسی فسادت و خونریزی
واقع ہو کس قدر عبرت کا مقام ہے ۔ کہ انسان اپنا قوی دماغ اپنے نہایت اعلیٰ قوائے عقلیہ اور
صدیوں کے جمع کئے وسیع تجربے کو خود اپنی تباہی کے لئے وقف کردے ۔ اور دُنیا کے تمام
ذخائر جانوں کے اتلاف میں صرف کردے ۔

جب میں لکھنے بیٹھا تو اس وقت موجودہ حالات کے ذکر کرنے کا میرا ارادہ نہیں تھا لیکن حالات
غالب تھے کیونکہ اس وقت یہی حالات ہی ایک ایسا واقع ہیں جس کی طرف سبکی توجہ لگ رہی ہے
جُوں جُوں دماغ میں خیالات گذرتے میں قلم لکھتا جاتا ہے ۔ اور کئی ایک ادھر اُدھر کے خیالات احاطۂ
تحریر میں آجاتے ہیں ۔

رسالہ کی سالنامہ اشاعت میں جناب ایڈیٹر صاحب نے کاغذ کی گرانی ۔ اور اسکے حاصل کرنے
اور رسالہ کو موجودہ ضخامت میں اسی قیمت پر جاری رکھنے کی روز افزوں مشکلات کی طرف توجہ
دلائی ہے ۔ ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ کوشش کرے کہ رسالہ میں کوئی واقع نہ ہو ۔ ہماری کوشش
میں ڈھیل نہیں ہونی چاہئے ۔ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو رہے ہیں ۔ ہم دن بدن اپنے
تبلیغی مقاصد میں آگے بڑھ رہے ہیں ۔ اور ہمارا حلقۂ اثر وسیع ہوتا جا رہا ہے ۔

روشنی پھیل رہی ہے

مشکلات سے ہم کو گھبرانا نہیں چاہیئے۔ اور یہی مشکلات ہمارے لئے تازیانہ ہونی چاہئیں تاکہ ہم روز افزوں قوت اور جوش اور بانیان اولین کی سی سرگرمی کے ساتھ آگے بڑھتے جائیں اور تہیّہ کرلیں۔ کہ نور ایمان دُور دُور پھیلجائے۔ حتیٰ کہ مُلک کا مُلک اسکی شعاعوں سے منور ہو جائے۔ یہاں پر ہم محض فضل ایزدی سے اپنی تبلیغی کوششوں میں کامیاب ہو رہے ہیں۔ یہ آپکا فرض ہے کہ آپ ہمارے اس معاملہ میں معاون و مددگار ہوں ہم ساکنان برطانیہ علمی و مذہبی جدوجہد کر رہے ہیں یہ آپکا فرض ہے کہ ہمکو آپ ہر قسم کی امداد بہم پہنچائیں۔ ہمارا سب سے قوی حربہ قلم ہے۔ اور ہمارا ذریعہ یہ رسالہ ہے یہ بھی جنگ ہے لیکن انسانی جانیں نہیں بلکہ غلط اعتقادات کو ہم تباہ کرتے ہیں کسی دشمن کے خون سے ہمارے ہاتھ پاک ہیں۔ یہ رسالہ آپ کی طرف سے مذہبی جدوجہد میں مصروف ہے۔ اور آپکے عقائد کی اشاعت کرتا ہے۔ اسکو جاری رکھو۔ صرف اس رسالہ کی وساطت سے ہی ہم عوام تک پہنچ سکتے ہیں۔ اور ملک میں اپنا پیغام پہنچا سکتے ہیں۔ تقریر صرف چند لوگوں تک ہی محدود رہتی ہے۔ قلم و کاغذ دُور تک رسائی رکھتے ہیں۔ اور تحریر ان حلقوں تک اثر رکھتی ہے۔ جہاں تقریر کی شنوائی نہیں۔ اور اگر یہ امر کچھ ترغیب کا باعث ہو۔ تو میں کہہ سکتا ہوں۔ کہ تبلیغ کا یہی ایک زبردست اور ارزاں طریقہ ہے۔ یہ نہ صرف جمہور تک پہنچ سکتا ہے۔ بلکہ اکثر لوگ تقریر سننے کے لئے جانے کی تکلیف بھی گوارا نہیں کرتے اور ایک مطبوعہ رسالہ کو اطمینان کے ساتھ مطالعہ کرنے کو بہتر سمجھتے ہیں۔ پڑھنے والے کو یہ بھی موقعہ ملجاتا ہے۔ کہ اس پیغام کو اچھی طرح تحلیل کرے اطمینان سے پڑھے۔ اور اس پر غور کرے۔ اور اس طرح اس کے دلپذیر زیادہ دیرپا اثر ہوتا ہے۔ تقریر عموماً عارضی اور وقتی اثر رکھتی ہے۔ اور ایک گھنٹہ یا دن میں دل سے محو ہو جاتی ہے اسکا اثر کافی دیرپا نہیں ہوتا مُقرر کے مُنہ سے دوسرا فقرہ سننے کی انتظار میں پہلا بھولجاتا ہے۔ اور ہمیشہ کے لئے دل سے محو ہو جاتا ہے۔ برخلاف اس کے جو مضمون بوقت فرصت پڑھا جاتا ہے۔ وہ پوری طرح دلپذیر کنندہ ہو جاتا ہے۔ اور خیالات کی زنجیر میں منسلک ہو جاتا ہے اور اگر مضمون اچھا ہو۔ استدلال سادہ اور واضح ہو۔ مگر عالمانہ اور درست ہو۔ اور موضوع بھی وسیع ہو۔ تو اس کا اثر عموماً مستقل ہوتا ہے خواہ اس کا نتیجہ خود مطالعہ

کرنیوالے پر بھی فوراً عیاں نہو۔ ایک مسلمان کی زندگی کی قدر و قیمت اس کام پر منحصر ہے جو
اس نے کیا ہو۔ اور اس محنت پر منحصر ہے۔ جو اس نے اپنی زندگی میں اپنی قابلیت کے بہترین
صرف کے ساتھ کی ہو۔ اور اس بات پر منحصر ہے کہ آیا وہ صدق دل سے اللہ کی راہ اور
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلا ہے یا نہیں +

حضرت علی رضؓ کے قول کو یاد کرو۔ کہ وہ وقت آرہا ہے جبکہ تجھ سے پوچھا جائیگا۔ یہ نہیں
کہ تیرے آبا واجداد نے کیا کیا اور وہ کیا تھے۔ بلکہ تو نے خود کیا کیا کام کیئے +

مجھے معلوم ہے کہ اہل اسلام اس پُر آشوب زمانہ میں سلطنت کی امداد کیلئے فیاضی
سے بلا دریغ روپیہ اور جانیں دے رہے ہیں۔ لہذا اُن سے فیاضی کے مزید اظہار کی اُمید
ابھی اور ہے۔ لیکن بالآخر جناب ایڈیٹر بھی تو اُن کے ذخائر کے دریا میں سے ایک قطرہ
ہی طلب کرتے ہیں۔ اور فرزندان اسلام ہمیشہ فیاضی اور کھلے ہاتھ دیتے رہے ہیں
آپ میں سے اکثر کیلئے رسالہ کا چندہ دوگنا کر دینا کوئی بڑی بات نہیں +

فرزندان اسلام

کیا ایسے مسلمان ہیں جو دوران جنگ میں اپنے چندے کی مقدار دُگنی کرنے کیلئے تیار ہوں
کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ کہ کیوں دو ہزار ایسے اصحاب نہ نکل آئیں۔ اپنا چندہ اور
وعدہ ووکنگ کے پتہ پر فوراً بھیج دیجئے۔ جب میں رنگون میں تھا۔ میں تقریباً نصف
درجن ایسے مسلمانوں سے ملا۔ جن میں سے ہر ایک بجائے خود رسالے کے اخراجات کا
کفیل ہو سکتا ہے۔ اور اگر اس نسبت سے دوسرے شہروں میں بھی مسلمان ملسکتے ہیں۔ تو یہ
نازک وقت اطمینان کے ساتھ گذر سکتا ہے۔ کیا میرے پُرانے دوست اور بھائی امداد
فرمائیں گے + یہ مذہب کا کام ہے۔ اور یہ کچھ زیادہ نہیں۔ اگر ایک مسلمان اپنی آمدنی
میں سے ضروری اخراجات کے بعد جو پس انداز ہو اس کا پانچواں حصہ اس کام کیلئے دیدے
فرداً فرداً خواہ یہ رقم کم ہی ہو۔ لیکن جمع ہو کر بہت بڑی رقم بن سکتی ہے +

ع۔ قطرہ قطرہ بہم شود دریا

اس ایثار سے کام کو بہت تقویت ہوگی۔ اور معطی کو بھی طمانیت ہوگی۔ کہ میں نے اسلام کی

[illegible] پرنٹر و پبلشر ... رحمت اللہ ... اسلامک ریویو و مسلم انڈیا ... لاہور

امداد اور اپنے عقائد کی اشاعت کیلئے اپنی ہمت کے مطابق کچھ کام کر رہا ہے۔ قربانی کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور اس شخص سے زیادہ کوئی قربانی نہیں کر سکتا جس نے عرب کی جلتی ہوئی ریت میں علم توحید نصب فرمایا۔ اور رفتہ رفتہ وہاں پرچم فتح لہرایا +

برادران! تن من دھن اس کام میں لگا دو۔ اور انشاء اللہ اسلام کے سنگ بنیاد پر یہاں پہ ہم وہ معبد تعمیر کرینگے۔ جس کو زمانے کے ہاتھ مسمار نہیں کر سکینگے۔

والسلام

جان یحییٰ النصر پارکنسن

مُسلم مشن ووکنگ

سابقہ نمبر میں اسی عنوان کے ماتحت مسلم مشن ووکنگ کی موجودہ تکالیف ضروریات کا تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ امید ہے کہ بہی خواہان مشن اس آڑے وقت پر اپنی گرامی توجہ اس کار خیر کی طرف مبذول فرما کر عند اللہ ماجور ہونگے۔ مندرجہ ذیل طریقوں سے ناظرین کرام مشن مذکورہ کی اعانت فرما کر مشن فنڈس کو مستحکم فرما سکتے ہیں۔ امید قوی ہے کہ معزز ناظرین میں سے فرداً فرداً مندرجہ ذیل طریقوں میں سے کسی ایک پر عمل پیرا ہو کر مشن کی استعانت و اعانت کے لئے سعی بلیغ فرما کر داخل حسنات ہونگے:-

(۱) جو احباب اہل قلم ہوں۔ وہ اسلام کی حمایت میں اپنی زبان میں مضامین لکھ کر حضرت خواجہ صاحب کو براہ راست ووکنگ ارسال فرمائیں۔ یہ انکی قلمی استمداد ہوگی +

(۲) لسان احباب مسلم مشن کی حمایت میں مجالس میں اور انفرادی طور پر اپنی زبان کو جنبش دیکر اس اہم اسلامی فرض کو ادا کر سکتے ہیں +

(۳) اس مقصد کیلئے کچھ قدمی و بدنی اعانت بھی بکار ہے۔ کچھ متعدد مخلص احباب اپنے اپنے شہروں میں ہی اثر و متمول برادران ملت کی خدمت اقدس میں قدمی صورتیں حاضر ہو کر ان کی گرامی توجہ اس کار خیر کی طرف منعطف کرائیں +

(۴) رسالہ اسلامک ریویو انگریزی و رسالہ اشاعت اسلام اردو ترجمہ کی سابقہ جلدیں

* حضرت خواجہ صاحب کا ایڈریس ایڈیٹر اسلامک ریویو مسلم انڈیا مسجد ووکنگ Surrey انگلینڈ

خریدنے سے بھی آپ مشن کو اس وقت تقویت پہنچا سکتے ہیں +

(۵) رسالہ اسلامک ریویو انگریزی کی انگریزی دان احباب میں اور اردو ترجمہ رسالہ اشاعت اسلام کی اُردو دان احباب میں توسیع اشاعت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں اور یہ طریقۂ اعانت سب سے بڑھ کر ہے +

(۶) اپنے اپنے حلقۂ اثر میں اپنے متمول و ذی ثروت دوستوں کو تحریک فرمائیں کہ رسالہ اسلامک ریویو انگریزی کو اپنی طرف سے بلاد غربیہ میں بطور تبلیغ اسلام مفت تقسیم کرائیں۔ اس صورت میں رسالہ کا سالانہ چندہ مبلغ ے ر ہو گا +

(۷) رسالہ اسلامک ریویو و اشاعت اسلام کا باطنی حسن و جمال تو ایک مسلمہ امر ہے۔ لیکن باطنی حسن کے ساتھ ظاہری آب و تاب کو بھی قائم رکھنا ناظرین کرام کا فرض اولین ہے۔ آغاز جنگ سے اس وقت تک کاغذ کی قلت و گرانی کی چیخ و پکار اخبار دُنیا کے ہر گوشہ سے اُٹھ رہی ہے۔ کہیں کاغذ فنڈ کھل چکے ہیں۔ کہیں رسالوں کے حجم کو تخفیف کرنے کی تجاویز درپیش ہیں کہیں سفید کاغذی لباس کو خیرباد کہی جاچکی ہے۔ اور اسکی جگہ زرد جامہ زیب تن کرکے اخبار و رسائل شائع ہو رہے ہیں۔ کئی ایک معاصر رسائل اسی قلت و گرانی کاغذ کا شکار بھی ہو چکے ہیں لیکن اللہ تعالےٰ کا خاص فضل و احسان ہے۔ کہ ہمارے رسالجات بہت کم آہ و بکا کے آج تک اسی آب و تاب کے ساتھ صاف سُتھرے کاغذ پر شائع ہو رہے ہیں لیکن تا بکے۔ چونکہ گرانی کاغذ کی کوئی انتہا نہیں رہی۔ اسلئے ضروریات اسباب کی متقاضی ہے۔ کہ ہم بھی ناظرین کرام کی خدمت اقدس میں کاغذ فنڈ کے لئے دست سوال دراز کریں۔ معزز ناظرین کو نیز بھی یاد رہے کہ وہ ریم جو کبھی عہ کو قبل از جنگ ہم خریدا کرتے تھے۔ اس وقت عہ پر بھی ملنا دُشوار ہو رہا ہے۔ یورپ میں تبلیغ اسلام کے کام کا حصر بہت حد تک کاغذ پر ہی ہے۔ اِسلئے ناظرین کرام کو خصوصیت سے اسلامک ریویو کے کاغذ فنڈ کی طرف زیادہ تر توجہ مبذول فرمانی چاہئے۔

(۸) اسباب کی بھی اشد ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ کچھ متمول احباب مختلف انگریزی ٹریکٹوں کو

یورپ میں مفت تقسیم کرنے کا ذمہ لیں۔ ان ٹریکٹوں میں ارکان اسلام اُصولہائے اسلام مندرج ہونگے جو کہ معطی صاحبان کی طرف سے بطور تبلیغ بلاد غربیہ میں مفت تقسیم ہونگے اس سے بھی تبلیغ اسلام کے کام میں خاصی امداد ہوسکتی ہے +

(۹) حضرت خواجہ صاحب کی ماسبق تحریرات و رپورٹوں سے ناظرین کرام کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ ہفتہ میں حضرت خواجہ صاحب ایک بار ایٹ ہوم بھی دیتے ہیں یعنی متلاشیان حق کو حضرت خواجہ صاحب اپنے گھر مدعو کرتے ہیں۔ آپ سمجھ سکتے ہیں۔ کہ اس قحط سالی کے زمانہ میں مشن کو کس قدر اخراجات کا متحمل ہونا پڑتا ہوگا۔ اس لنگر خانہ فنڈس کی طرف بھی احباب توجہ فرمائیں +

(۱۰) ووکنگ کے علاوہ لندن کو بھی تبلیغ اسلام کا مرکز قرار دیا گیا ہے جہاں مسلسل پُر رونق اجلاس ہوتے رہتے ہیں۔ اور بعد از تقریر نہایت ہی سرگرم بحث ہوتی ہے اسلئے لندن مرکز کے اخراجات کا بھی ہمیں تہیّہ کرنا ہے +

مدح

ہر کسے اندرِ نمازِ خود دُعائے میکند
یا نبی اللہ فدائے ہر سرِ مُوئے تو ام
اتباع و عشق رویت از رہِ تحقیق حبیب
دل اگر خون نیست از بہرت چہ چیز است آں وے
دل نمی ترسد بہر تو مرا از موت ہم
راغب اندر رحمتت یا رحمت للہ آمدیم
یا نبی اللہ نثارِ رُوئے محبوبِ تو ام
تا بمن نُورِ رسُولِ پاک را بنمودہ اند
آتشِ عشق از دم من ہمچو برقے مے جہد
بر سر و جدست دل تا دیدِ رُوئے او بخواب

من دُعا ہا مے بروبارِ تو اے باغِ بہار
وقفِ راہ تو کنم گر جاں دہندم صد ہزار
کیمیائے ہر دلے اکسیر جانِ ہر فگار
در نثار تو نگردد جاں کجا آید بکار
پائدار یہا ببیں خوش میروم تا پائدار
آنکہ چوں ما بر درِ تو صد ہزار امید وار
وقف راہت کردہ ام این سر کہ بر دوش است بار
عشق او در دل ہمیں شد چو آب از آبشار
یک طرف اے ہمدمانِ خام از گرد و جوار
اے براں رُوئے و سرش جانُ سر و دیم نثار

بیبیوں اور بچوں کے پڑھنے کی دلچسپ کتابوں کا نچوڑ

ان کتابوں کے پڑھنے سے عورتوں میں اخلاق تہذیب اور روشن خیالی کا اضافہ ہوتا ہے

رسُول عربی	رسول اکرم کی سوانح عمری خاص بیبیوں کے مطالعہ کے قابل	۸ر
بنت رسُول	خاتون جنت حضرت فاطمہ زہرہؓ کے متبرک حالات	۵ر
حسنین	حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے ذکر خیر قابل دید	۴ر
جام کوثر	نہایت موثر نعتیہ کلام کا مجموعہ مقبول عام	۴ر
جمیلہ خاتون	ایک ضدی اور ناسمجھ خاتون کا راہ راست اختیار کرنا۔	۳ر
آداب نسوان جدید	زنانہ آداب واخلاق کی نہایت مفید کتاب۔	۶ر
عقیلہ بیگم	بیبیوں کو انتہا درجہ کا کفایت شعار اور دُور اندیش بنانیوالی کتاب	۳ر
زنانہ حساب کتاب مکمل	گھر کا روزانہ حساب لکھنے کی بہتر اور آسان کتاب بہت مدت تک کافی ہے	۱۰ر
نیا باورچیخانہ	قصہ کی صورت میں تمام کھانے پکانے کی ترکیبیں	۶ر
مناجات بیوہ	حالی مرحوم کی مقبول عام نظم نہایت پُر درد	۲ر
زنانہ خطوط	عورتوں کو خطوط نویسی کا طریقہ بتلانے والی کتاب	۵ر
صبر کی دیوی	سوتیا ڈاہ کی دردناک داستان موثر پیرایہ میں بیان کی گئی ہے	۳ر
اصلاح الرسوم	بُری رسموں کے دُور کرنے کیلئے مفید طریقے بڑے کام کی کتاب	۳ر
قومی گیت	بچے اور بچیوں کے یاد کرنے کے قابل دلچسپ قومی گیت ...	۵ر
لیکچر اسلام	مسز اینی بیسنٹ صاحبہ کا لیکچر اسلام کے متعلق	۳ر
راہِ جنت	نیک اور پاکباز مرد و عورتوں کے نتیجہ خیز قصے۔	۳ر
چڑے چڑیا کی کہانی	انسان کی بے مروتی کے قصے دو بے زبانوں کی زبان سے۔	۳ر
چُپ کی داد	نہایت دلچسپ نظم مصنفہ مولانا حالی صاحب	۲ر
لائق ماں کا لائق بیٹا	تعلیم یافتہ اور جاہل ماں کا مقابلہ	۳ر
ناصح مشفق	نصیحت کے پورے اکیسو سچے موتی نہایت قابل دید کتاب ہے۔ ..	۳ر

تاثیر صحبت	نوجوانوں کی اصلاح دلچسپ پیرایہ میں	۱۰/
مجموعۂ وظائف	مجرب و نادر وظائف	۲/
خوش انجام	ایک موثر کہانی بے فکر شوہروں پر بچوں کی بیکسی کا اثر	۲/
رباعیات حالی	مولانا حالی مرحوم کی قابل دید مطبوعہ و غیر مطبوعہ یعنی جدید رباعیات کا خوشنما گلدستہ ہے...	۳/
مناجات بیوہ	ہندوستان کی مجبور بیواؤں کی آہ وزاری بیوہ کے دل کی سچی باتیں پڑھتے جاؤ اور روتے جاؤ نظم کیا ہے تیر ونشتر ہے۔ پُر درد اور سچے عاشق قوم کے دل سے نکلے ہوئے شعر ہیں ٹھیٹھ ہندوستانی اُردو زنانہ محاورات ...	۲/
تربیت النساء	تہذیب و اخلاق حاصل کرنے کیلئے طرز عمل قصہ کے پیرایہ میں	۵/
ایک شریف خاتون کی جمع کی ہوئی نہایت دلچسپ اور مزیدار سو کہانیاں	یہ کہانیاں خاص کر لڑکیوں اور شریف پردہ نشین بیبیوں کے مطالعہ کے واسطے حال ہی میں چھاپی گئی ہیں۔ ہر کہانی اپنے سبق آموز مضمون اور عمدہ نتیجہ کے لحاظ سے لاجواب ہے۔ ان دلچسپ کہانیوں نے زنانہ اُردو کے پاکیزہ لٹریچر میں قابل قدر اضافہ کیا ہے صرف ایک کہانی پڑھ کر پوری سو لہ کہانیوں کی قیمت وصول ہو جاتی ہے۔ فی کہانی ایک آنہ پورا سو کہانیوں کا سٹ	۶/
مُسدس حالی	مسلمانوں کی گذشتہ اور موجودہ حالت کا فوٹو اگر دیکھنا منظور ہو تو اسے دیکھو موجودہ حالت کی پر درد کہانی۔ مولانا حالی کا زندہ جاوید تصنیف۔ مدّ و جزر اسلام جس نے مسلمانوں میں نئی زندگی پیدا کی	۸/
انشائے نسوان	جسمیں مستورات کو لکھنا بتانے کے قواعد۔ طرز تحریر و رسم الخط کی اصلاح زنانہ محاورات کے القاب طریقہ خطوط نویسی معہ خطوط بتائے گئے ہیں۔ قیمت صرف	۴/
ادیب نسوان	اسمیں طبقۂ نسوان کی پردہ نشین مستورات کی قابلیت بڑھانے کیلئے عظمت اتباع خاوند پردہ حیا انتظام خانہ داری تہذیب تعلیم اولاد۔ گھر کے کام وکاج و ہنر آموزی کے تمام مضامین درج ہیں	۴/
اخلاقی کہانیاں	بچے بچیوں کے پاک اور نرم دلوں میں رحم انصاف و دینداری پیدا کرنیوالی نصیحت آمیز دلچسپ کہانیاں	۴/

المشتہر خواجہ عبد الغنی مینیجر اشاعت اسلام بک ڈپو و عزیز منزل نولکھا لاہور

اسلامیہ سٹیم پریس لاہور میں حافظ ظفر الدین کے اہتمام سے چھپوا کر شیخ بلال نور احمد ... عزیز منزل نولکھا ... شائع

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینہون عن المنکر واولئک ہم المفلحون

اشاعتِ اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا مجریہ لندن

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین بی اے ایل ایل بی مسلم مشنری — مولوی صدر الدین بی اے بی ٹی

قیمت تین روپے سالانہ

اس سے بڑھ کر اور کوئی نیکی نہیں کہ آپ رسالہ ہذا کی خریداری بڑھائیں کیونکہ ان رسالوں کی آمد بہت حد تک مسلم ووکنگ مشن کے اخراجات کی کفیل ہے رسالہ ہذا کی دس ہزار اشاعت ووکنگ مشن کے ½ اخراجات کی ذمہ دار ہو سکتی ہے

جلد (۴) | بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۱۸ء | نمبر (۸)

فہرست مضامین

بلادِ غربیہ میں اسلام کا علمبردار

اسلامک ریویو مجریہ لندن قیمت سالانہ ۶ عہ ر

اس کا اردو ترجمہ اشاعت اسلام ۔ قیمت سالانہ ہے ر ۔ ایڈیٹر خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی مولوی صدر الدین صاحب بی اے ۔ بی ٹی مسلم پبلک میں اسلامک ریویو کسی تعریف کرنے کا محتاج نہیں صرف ہم برادران اسلام کو یہ اطلاع دینا چاہتے ہیں ۔ کہ اس وقت اسی کے منافع پر انگلستان میں اسلامی مشن کے اخراجات بہت حد تک چل رہے ہیں ۔ اس کا ہر ایک خریدار گویا بلاد غربیہ میں اشاعت اسلام کا خود متکفل ہو جاتا ہے ۔ اگر برادران ملت کوشش کرکے انگریزی رسالہ کے پانچہزار اور اردو کے دس ہزار خریدار پیدا کردیں تو ان کا منافع ہمارے دوکنگ اسلامی مشن کا کفیل ہو سکتا ہے ۔ ہم چاہتے ہیں کہ انگریزی رسالہ کئی ہزار تک بلاد غربیہ میں مفت تقسیم ہو اگر کوئی تبلیغ اسلام کا شیدائی ہمیں پانچ روپے سالانہ بھیجدے ۔ تو ہم اُن کی جگہ ایک انگریزی رسالہ یورپ میں مفت تقسیم کردینگے ۔ کیا ۔ ملت بیضا کی اشاعت کے عاشق چند ہزار بھی ہندوستان میں نہیں ؟

دوستو اُٹھو ! جاگو !! اور وقت کو غنیمت سمجھو !!! اسلامک ریویو ایک کامیاب ذریعہ اشاعت اسلام کا ثابت ہوا ہے ۔ اور بفضلہ تعالےٰ اس نے اپنی عزت کو یورپ میں نہایت آب وتاب سے قائم کیا ہے ۔ اس کو مضبوط کرنے کی کوشش کرو ۔ اور اللہ تعالےٰ سے اجر جزیل پاؤ گے + والسلام

قیمت جلد اسلامک ریویو سنہ ۱۹۱۳ء ۵ پرچے عہ سنہ ۱۹۱۴ء ۱۱ پرچے عا سنہ ۱۹۱۵ء مکمل و سنہ ۱۹۱۶ء ۱۱ پرچے فی سے ر سنہ ۱۹۱۷ء صہ ر قیمت ترجمہ اردو اشاعت اسلام سنہ ۱۹۱۴ء چھ پرچے عسم ر سنہ ۱۹۱۵ء و سنہ ۱۹۱۶ء فی عا ر سنہ ۱۹۱۷ء تین روپے (۳ ر)

نوٹ نمونہ ار کے ٹکٹ آنے پر رسال ضدمت کیا جائیگا ۔ کل درخواست ہائے خریداری بپتہ ذیل پر آنی چاہئیں

المشتہر خواجہ عبد الغنی مینجر رسالہ اسلامک ریویو و اشاعت اسلام عزیز منزل لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

ترجمۂ اردو اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا مجریہ لنڈن

جلد (۴) — بابت ماہ اگست ۱۹۱۸ء — نمبر (۸)

شذرات

انگلستان میں آرٹ پیپر کے میسّر نہ آنے کی وجہ سے ہمیں کچھ مدت کیلئے رسالہ کے ساتھ تصاویر کے شائع کرنے کا سلسلہ ملتوی کرنا پڑا ہے۔ اُمید ہے کہ ناظرین کرام وقتی مشکلات کو ملحوظ نظر رکھکر ہمیں معذور سمجھینگے +

لنڈن مسلم ہوس میں خاص لیکچروں کا سلسلہ

اسلامک ریویو کے تازہ نمبر سے اُس کوشش اور جد وجہد کا مفصّل حال معلوم ہوتا ہے۔ جو حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری ولایت میں کر رہے ہیں۔ اُن لیکچروں کے علاوہ جو دوسری سوسائٹیوں کے زیر اہتمام ان کی دعوت پر آپ کو دینے پڑتے ہیں خاص لنڈن مسلم ہوس میں اکثر لوگوں کی درخواست پر آپ نے "مطالعۂ اسلام" کے عنوان سے لیکچروں کا ایک سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ ہر پندرہ دن کے بعد آپ ہفتہ کے روز اسلام کے کسی ایک خاص مسئلہ پر کچھ تھوڑا سا بیان کرتے ہیں۔ پھر سوالات شروع ہوتے ہیں جس پر ایک نہایت ہی پُر لطف بحث ہو کر حاضرین کو بہت فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اور

وہ خاص طور پر اس سے مُتاثر ہوتے ہیں۔ اِس غرض سے آپ نے ایک خاص سلسلۂ مضامین شروع کر رکھا ہے۔ چنانچہ ماہ اپریل سنہ ۱۹۱۰ء میں آپ نے اسی سلسلہ میں جن مضامین پر لیکچر دیئے۔ اُن کو ناظرین کرام سابقہ رسالہ ماہ جون سنہ ۱۹۱۸ء اشاعت اسلام میں "ماہ اپریل سنہ ۱۹۱۸ء کے پروگرام" میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ ماہ مئی سنہ ۱۹۱۸ء کی مُفصل رپورٹ اسی رسالہ میں کسی دوسری جگہ قارئین کرام "بلاد غربیہ میں تبلیغ اسلام" کے عنوان سے ملاحظہ فرمائیں گے۔ اس کے علاوہ ہر مہینہ لیکچروں کا یہ سلسلہ اسی کثرت کے ساتھ جاری رہتا ہے۔ چنانچہ ماہ جون سنہ ۱۹۱۸ء کے مہینہ میں جن لیکچروں کے دیئے جانے کا انتظام پیشتر سے ہی ہو چکا تھا۔ ان کی بھی تفصیل ذیل میں درج کیجاتی ہے:۔

پروگرام لیکچر بابت ماہ جون سنہ ۱۹۱۸ء

یکم جون سنہ ۱۹۱۸ء ہفتہ ۵ بجے شام کو لندن مسلم ہوس میں حضرت خواجہ صاحب نے "اسلام میں خیرات"[1] پر لیکچر دیا +

۲ جون سنہ ۱۹۱۸ء اتوار۔ ۳½ بجے شام مسجد ووکنگ میں حضرت خواجہ صاحب نے سرمن دیا۔

۹ جون سنہ ۱۹۱۸ء اتوار۔ ۳½ بجے شام لندن مسلم ہوس میں مسٹر مار ماڈیوک پکتھال نومسلم نے "اسلام" پر لیکچر دیا +

۹ جون سنہ ۱۹۱۸ء اتوار۔ ۳½ بجے شام کو مسجد ووکنگ میں جناب مسٹر عبد القیوم صاحب ملک نے "اسلام میں انسانی ہمدردی" پر لیکچر دیا +

۱۵ جون سنہ ۱۹۱۸ء ہفتہ کو ۶ بجے شام لندن مسلم ہوس میں حضرت خواجہ صاحب نے "اسلام میں روزمرہ کی زندگی"[2] پر لیکچر دیا +

۱۶ جون سنہ ۱۹۱۸ء اتوار کے ۳½ بجے شام کو مسجد ووکنگ میں حضرت خواجہ صاحب نے سرمن شروع کیا

۲۳ جون سنہ ۱۹۱۸ء اتوار کے ۳½ بجے شام کو مسجد ووکنگ میں جناب مسٹر عبد القیوم صاحب ملک نے "حج" پر لیکچر دیا۔ جسمیں ثابت کیا کہ کُل روئے زمین کی اقوام حج کے ذریعے سے ہی متحد ہو سکتی ہیں +

[1] یہ لیکچر مطالعہ اسلام کے سلسلہ میں سے ہیں۔ جو حضرت خواجہ صاحب نہایت ہی اختصار کے ساتھ اسلام کے حسن و جمال و فلسفۂ ارکان کے متعلق بیان فرماتے ہیں جس پر خوب بحث ہوتی ہے اور سامعین بہت مستفید ہوتے ہیں +

۲۳ جون ۱۹۱۸ء۔ اتوار کے ۳ ½ بجے شام کے لندن مسلم ہوس میں سرمن و سروس جناب رائٹ آنریبل لارڈ ہیڈلے الفاروق بالقابہم نے دیا +

۲۹ جون ۱۹۱۸ء ہفتہ کے ۵ بجے شام کو لندن مسلم ہوس میں حضرت خواجہ صاحب نے "اسلام میں ممنوعات" پر لکچر دیا +

۳۰ جون ۱۹۱۸ء اتوار کے ۳ ½ بجے شام مسجد ووکنگ میں جناب مسٹر سلمان شلیج نومسلم نے سرمن و سروس دیا +

مندرجہ بالا لیکچروں کے علاوہ ایک لیکچر حضرت خواجہ صاحب نے بمقام ۲ سکارس ڈیل سٹوڈیو لندن میں مورخہ ۱۳ جون ۱۹۱۸ء کو کوسمک کانشس (ادراک کونیہ) پر دیا +

لندن میں درس قرآن کریم

سب سے بڑھ کر دل خوش کن وہ خبر ہے۔ جو "درس قرآن کریم" کے نام سے خود حضرت خواجہ صاحب اپنی کسی چٹھی میں بھی سنا چکے ہیں۔ یہ درس حضرت خواجہ صاحب ہر جمعہ کے روز لندن مسلم ہوس اور ہر بدھ کو مسجد ووکنگ میں دیتے ہیں۔ اور قرآن کے معارف وحقائق سے سرزمین تثلیث کو توحید کا والا وشیدا بنا رہے ہیں۔ نہ صرف یہی بلکہ ایک جماعت عربی پڑھانے کیلئے بھی آپنے لندن مسلم ہوس میں ہی کھول رکھی ہے۔ جہاں ہر جمعہ کے دن ہی درس قرآن کریم کے بعد ۷ بجے شروع ہو کر آٹھ بجے تک رہتا ہے مسٹر احسان البکری عربی پڑھاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ حضرت خواجہ صاحب اور دیگر تمام مسلمانوں کو جو اس مقدس کام میں آپ کے مُمد ومعاون ہیں خاص طور پر نصرت فرمائے۔ اور آپ کے اس کام کو بار آور کرے۔ آمین ثم آمین

لندن مسلم سوسائٹی

مورخہ ۴۔ اپریل ۱۹۱۸ء کو جناب مسٹر ظہور الدین صاحب نے مشرق ومغرب کے اتحاد پر ایک نہایت ہی دلفریب مضمون پڑھا۔ مضمون نہایت ہی اعلیٰ پایہ کا تھا جو ہر طرح کا طرح دلائل نقلیہ سے مزین تھا اور لیکچرار کی اُس محنت شاقہ کا بین ثبوت تھا۔ جو اُس نے اس مضمون کی تیاری کیلئے صرف کی +

مشرف باسلام۔ الحمد للہ کہ دوادہ سعید روحیں جو ایک معزز عبرانی خاندان سے تعلق رکھتی

ہیں حلقہ بگوش اسلام ہوئی ہیں جس میں ایک مرد ہے اور ایک اسکی لڑکی۔ اللہ تعالےٰ ان نومسلمین کو استقامت کی توفیق عطا فرمائے۔ اللھم زد فزد +

بلادِ غربیہ میں تبلیغ اسلام

ماہ مئی ۱۹۱۸ء میں مسلم مشن کا کام

خدا کرے کہ مسلم بھائیوں میں اس فرض اولین یعنے اشاعت اسلام کا احساس پیدا ہو یہاں پر اس قدر اب کام کرنے کی گنجائش نکلتی آتی ہے۔ کہ مجھے تو سمجھ نہیں آتا کہ میں کیا کروں خدا تعالےٰ نے بعض حالات ہی ایسے پیدا کر دیئے ہیں کہ مختلف سرکلوں میں اسلام کے متعلق خیالات سننے کی خواہش بڑی سرعت سے جوش مار رہی ہے۔ ادھر عیسائیت سے جہاں نفرت بڑھ رہی ہے۔ وہاں جس قدر نئی تحریکات مختلف مذہبی شکلوں میں پیدا ہو رہی ہیں وہ دراصل اسلام کا ہی ایک نہ ایک خط و خال ہے۔ کاش یہاں نصف درجن مشنری ہوں جو میری طرح یا مجھ سے یہاں کے دل و دماغ کو سمجھیں پھر کیا ہے چاروں طرف تبلیغ اسلام کا ہی غلغلہ ہو۔ ہاں ہدایت منجانب اللہ ہے۔ یہاں کے اہل قلم کو مذہبی امور نہ چھوڑ۔ پولیٹیکل حالات قریب یہ مجبور کر رہے ہیں کہ جس نکتہ خیال سے اسلام کی طرف آج سے پہلے انہوں نے توجہ کی تھی اسکو اب چھوڑ دیا جائے۔ اور ضرورت ہے کہ آئندہ اس مذہب حقہ کے متعلق یورپین مصنفین کی قلمیں حمایت میں چلیں جس کا ابتدائی رنگ پیدا ہو رہا ہے۔ یہ وقت ہے کہ اب مسلم اہل قلم اور اہل کلام اٹھیں اور اسلامی معارف و حقائق کو بیان کریں کس قدر ہماری بدقسمتی ہے۔ کہ مسلم تعلیمیافتہ جہاں اس وقت پولیٹیکل امور کو مطمح نگاہ بنائے ہیں وہ یہ بھی سمجھیں کہ اہل اسلام کی اشاعت وہ باتیں جلد پیدا کر سکتی ہے۔ جن کا عشر عشیر ان کی پولیٹیکل جولانیاں حاصل نہیں کر سکتیں

...... اس ماہ کے ابتدا میں بھی ایک خاتون مشرف باسلام ہوئی۔ جمعہ کی نماز کے بعد حسب معمول اس سے اقرار لسانی مفصل طور پر لیا گیا +

نماز جمعہ کے علاوہ لندن مسلم ہوس میں ایسٹ ہوم ہم۔ ۱۸۱۔ اور ۲۸ مئی کو دیئے جو پہلوؤں میں

کامیاب رہے معمولی تواضع اور نماز عصر کے بعد جلسہ تقریر ہوا۔ اوران مواقع پر مطالعہ اسلام کے عنوان کے ماتحت میں نے تین تقریریں نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ اور حج پر کیں۔ اس سے پہلے دو ایٹ ہوم میں جو ماہ اپریل میں ایمانیات اور ارکان اسلام پر مفصل بحث ہوگئی۔ ہر ایک تقریر کے بعد سلسلہ سوال وجواب ایک گھنٹہ یا زیادہ وقت تک رہا اور وہ بہت ہی مفید ثابت ہوا۔ اب چونکہ آئندہ جون میں ماہ رمضان المبارک ہے اسلئے ایٹ ہوم اس ماہ میں نہ ہونگے۔ اس کے علاوہ مسلم ہوس میں ۱۲ مئی کو لارڈ ہیڈلے بالمقابل ہم کا لیکچر بعنوان وارننگ (تنبیہ) پر ہوا۔ اس میں اس مرد مسلمان نے پبلک میں ایک ساٹھ ستر حاضرین کے جلسہ میں اپنی گذشتہ غلطی کا اعتراف کرکے "کردم زشراب ناب توبہ" کا وعظ پڑھا سبحان اللہ یہ ہے احیاے موت اسلام۔ ایک امیرزادہ اور گذشتہ سو پشت سے امیر ابن امیر کس جوانمردی سے اپنے گناہوں کا پبلک میں اعتراف کرتا ہے۔ ۲۶ مئی کو میرا اپنا لیکچر بعنوان سلویشن (گناہوں سے نجات) یا اگزلٹیشن (رفعت روحانی) پر ہوا۔ یہ گویا اسلامی اور عیسوی عقائد متعلقہ نجات کا مقابلہ تھا۔ ووکنگ مسجد کے اتوار کے جلسہ ہر اتوار کو ہوئے۔ وہاں ایک روز مسٹر عبدالقیوم ملک اور دو اتوار ایک نومسلم بھائی مسٹر شمس الدین شمس اور ایک اتوار میں نے تقریر کی۔ ان جلسوں کے علاوہ جو دوسرے مقامات پر میری تقریریں اور لیکچر ہوئے وہ حسب ذیل ہیں۔ ۲ مئی بمقام ۷ پرنس ہنری روم فلیٹ سٹریٹ لندن یہ مجلس انتھو سٹیڈ لو کنسنگٹن مضمون کو سمک کالسٹن (ادراک کونیہ) ۱۲ مئی بمقام کلیب ہم سپر جوال سرکل سٹبرسی مضمون وکلا تموتن وانتم مسلمون۔ ۲۳ مئی۔ یہ مجلس لٹن اینڈ انڈیا بمقام ۲۱ ایجنٹ سٹریٹ ولسیٹ یہ مضمون یونیورسل ازم (اخوت عامہ) کی تعلیم کس طرح شارع اسلام نے تلقین فرمائی اور اس کے نتائج اسکے علاوہ بمقام ایلنگ ہمارے نومسلم بھائی شیخ سلمان شلیخ نے جاکر اسلام پر تقریر کی۔ جماعت قرآن بحمد اللہ قرآن کریم کے اسباق برابر جاری رہے جیسے میں نے پہلے لکھا تھا۔ کہ ہفتہ میں ایک سبق ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ مجھے فرصت نہیں لیکن ہر سبق میں چند رکوع میں پڑھ دیتا ہوں۔ اوران کی تشریح کردیتا ہوں۔ جماعت میں تین چار طالب عیسائی شامل ہوگئے ہیں۔ یہ سبق ایک دن ووکنگ اور ایک دن لندن میں ہفتہ ہیں

ہوتا ہے۔ باہر سے مطالبات دن بدن بڑھتے جاتے ہیں لیکن کام کرنیوالے بہت تھوڑے ہیں اور جو ہیں اول تو اُن کو یہاں کے حالات سمجھنے میں مدت چاہئے اور پھر راہ جو انہوں نے اختیار کی وہ غلط قدم ہے۔ تھوڑے دنوں میں اُن کو خود ہی سمجھ آجاویگی کہ یہاں کس بات کی اس وقت ضرورت ہے۔ آج پانچ سال سے زیادہ عرصہ مجھے یہاں ہؤا اور مجھے یہ امر تسلیم کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں۔ کہ میں نے ابھی تک یہاں کے نکتہ خیال اور انداز فہم (سائیکولوجی) کو کما حقہ نہیں سمجھا پھر یہاں تو ابھی ابتدائی اصُول اسلام اور حقیقت اسلام سے بھی ناواقفیّت ہے۔ کس کا قرآن اور کس کی فرع ابھی گذشتہ ہفتہ میں نے اپنے لیکچر یونیورسلزم میں توحید کے متعلق بیان کرتے ہُوئے انا بشر مثلکم کی طرف اشارہ کیا۔ اور کسی انسان کو خدا چھوڑ کر کسی رنگ میں فوق الانسانیّت اوصاف سے متصف تسلیم کر لینے کی بیہودگی پر زور دیا۔ تو ایک فوجی افسر جو دوران لیکچر میں لبشاش ہو رہا تھا لیکچر کے بعد میرے پاس آیا۔ اور شکریہ ادا کرنے کے بعد کہنے لگا کہ آج میں یہ سُنکر بہت خوش ہؤا۔ کہ آپ اپنی نبی کو انسان سمجھتے ہیں۔ اور خدا نہیں سمجھتے سبحان اللہ سوا تیرہ صدیاں ہمیں توحید کا وعظ کہتے ہوئے گذر گئیں اور کُل دُنیا ہماری توحید کو تسلیم کرتی ہے۔ اور یہ فوجی افسر مجھے آج یہ سناتے ہیں۔ اور خصوصاً وہ سرحدی ضلاع میں مدتوں رہ چکے ہیں جہاں واقفیت کا یہ حال ہے ہاں فرقہ بندی کی ہوس سراسر نادانی نہیں تو اور کیا ہے ؎

دل مسلم ہے اک شگوفہ نو | پھل کدھر پھول کس کے شاخ کہاں
تو طریقت کے ہیر پھیر میں ہے | یہاں شریعت ابھی ہے بے نشاں

اگر کسے ہست یک حرف بس است +

از لندن مُسلم ہوس ۱۱۱ گمڈن ہل روڈ لندن

خواجہ کمال الدین امام مسجد ووکنگ

جملہ خریداران ازراہ کرم خط وکتابت کے وقت نمبر خریداری کا ضروری حوالہ فرمایا کریں و نیز اپنے حلقہ اثر میں رسالہ کی توسیع اشاعت فرماکر داخل حسنات ہوں۔ کیونکہ کاغذ کی گرانی روز افزوں ترقی پر ہے +

مسلم مشن ووکنگ

اس قحط سالی و جنگ - قلت و گرانی کے زمانہ میں مسلم مشن ووکنگ کو بہت سی مالی ضروریات لاحق ہیں - اور اخراجات سابقہ سے کئی گنا زیادہ ہوگئے ہیں - اور روزافزوں ترقی پر ہیں - اگر مسلم برادران ملت متفقہ طور پر کوشش فرمائیں - تو ان مصارف کا تہیہ کرنا ان کیلئے کوئی بڑی بات نہیں - ہمیں شک نہیں کہ مسلم برادران کو آئے دن کسی نہ کسی قومی تحریک میں حصہ لینا پڑتا ہے لیکن قرآن کریم کے احکام کے ماتحت جبکہ اسلام ایک بے بسی بیکسی و غربت کی حالت میں ہے - ہماری سب کی سب قومی تحریکات کے مقابل اشاعت اسلام کا عظیم الشان کام ہماری تمام مالی قربانیوں کا سب سے بڑھکر مستحق ہے صحابہ رضی اللہ عنہم نے تو اس پاک فرض کی ادائیگی میں جانیں تک قربان کرنے میں دریغ نہ کیا لیکن ایک ہم ہیں کہ گھر بیٹھے بھی دعوت الاسلام دینے والے گروہ کی کسی قسم کی امداد بھی نہیں کرسکتے ع ببیں تفاوت از کجاست تا بکجا مسلمانوں کا کس قدر روپیہ ہے - جو اگر درست طور پر جمع ہو - تو اس سے کتنے بڑے بڑے قومی کام چل سکتے ہیں مثلاً زکوٰۃ کا روپیہ - اگر صاحب نصاب آٹھواں حصہ بھی اشاعت اسلام کیلئے دے دیا کریں - تو اس سے بھی مسلم مشن کے بہت سے اخراجات ادا ہوسکتے ہیں - اس کے علاوہ قربانی کی کھالوں کا روپیہ - فطرانہ عید - ہر قسم کی نذر و نیاز ہیبنٹ - خیرات - صدقات یہ سب کا سب روپیہ اشاعت اسلام کے کام پر لگایا جاسکتا ہے - اسلام کی حالت اس وقت ایک ایسی اضطراری حالت ہے - کہ اسکی اشاعت کے لئے سود کا روپیہ بھی جائز ہے - جو مسلمان اپنا روپیہ بنکوں میں رکھتے ہیں اگر وہ صرف اس کا سود اشاعت اسلام کیلئے دیدیا کریں تو اسکے ذریعے سے بھی بہت سے مشن کے کام چل سکتے ہیں - امید قوی ہے کہ بہی خواہان اسلام ان وقتی ضروریات پر غلبہ پانے کیلئے کوشش فرمائیں گے - اور مشن کے ضروری اخراجات کیلئے روپیہ فراہم فرماکر داخل حسنات ہونگے - اس اسلامی خدمت کیلئے تھوڑی سی ہمت درکار ہے - جو شخص اس کار خیر میں کمر ہمت باندھیگا - اللہ تعالے اس کا معاون ہوگا - اس کام کیلئے مانگنے میں کچھ شرم نہیں - کیونکہ یہ خدا کا کام ہے - اللہ کی راہ میں لگانے کیلئے جو شخص دست سوال

دراز کرتا ہے۔ وہ سائل نہیں بلکہ مجاہد ہے سو اشاعت اسلام کے شیدائیوں اس موقعہ پر اپنی ہمت دکھاؤ۔ اٹھو اور کام میں لگ جاؤ +

نوٹ۔ تمام ترسیل زر بنام امین صاحب مسلم مشن ووکنگ۔

(فیض احمد امین صاحب) شیخ رحمت اللہ مینجر اسلامک ریویو و مسلم انڈیا انگلش ویئر ہوس
دی مال لاھور

نعت

در دلم جوشد ثنائے سرورے — آنکہ در خوبی ندارد ہمسرے

آنکہ جانش عاشق یار ازل — آنکہ روحش واصل آں دلبرے

آنکہ مجذوب عنایات حق است — ہمچو طفلے پروریدہ در برے

آنکہ در بر و کرم بحر عظیم — آنکہ در لطف اتم یکتا درے

آنکہ در جود و سخا ابر بہار — آنکہ در فیض و عطا یک خاورے

آں رحیم و رحم حق را آیتے — آں کریم و جود حق را مظہرے

آں رخ فرخ کہ یک دیدار او — زشت رو را میکند خوش منظرے

آں دلے روشن کہ روشن کردہ است — صد درون تیرہ را چوں اخترے

آں مبارک پے کہ آمد ذات او — رحمتے زاں ذات عالم پرورے

احمد آخر زماں کز نور او — شد دل مردم زخور تاباں ترے

از بنی آدم فزوں تر در جمال — وز لآلی پاک تر در گوہرے

بر لبش جاری ز حکمت چشمۂ — در دلش پر از معارف کوثرے

بہر حق داماں ز غیرش بر فشاند — تا نئے او نیست در بحر و برے

آں چراغش داد حق کش تا ابد — نے خطرے نے غم ز باد صرصرے

پہلوان حضرت رب جلیل — بر میاں بستہ ز شوکت خنجرے

حضرت مسیح کے کلام کو کیونکر صحیح طور پر سمجھا جا سکتا ہے

مسٹر ڈین صاحب (ایک انگریز نومسلم) کے قلم سے

اگر بائبل کے مغربی قارئین اس کا مطالعہ کرتے وقت اسبات کو مدنظر رکھ لیا کریں۔ کہ کتب مقدسہ (اناجیل) کے مصنفین مغربی نہیں بلکہ مشرقی تھے۔ اور ان کے اخلاق و اعمال بھی مشرق ہی کے سانچہ میں ڈھلے ہوئے تھے۔ اگر اُن کو اسبات کا احساس ہو۔ کہ یہ لوگ جس زبان میں کلام کرتے اور لکھتے تھے۔ وہ سب مشرقی محاورات ہی کا مجموعہ تھی۔ تو وہ تمام باتیں جو انہیں ناقابل فہم اور غیر معقول نظر آتی ہیں۔ اسی وقت معقول دکھائی دینے لگیں اور فوراً ان کی سمجھ میں آ جائیں۔ حضرت مسیح کے اکثر محاورات بہت لوگوں کیلئے اُن کے مشن کے متعلق ٹھوکر کا موجب ہوئے ہیں۔ جس کی وجہ سوائے اسکے نہیں۔ کہ مغربی لوگوں کا رُجحان مادہ پرستی کی طرف بہت زیادہ ہے۔ اور وہ اِن نظریات کو جو اس سے تعلق نہیں رکھتیں سمجھنے سے قاصر ہیں۔ وہ ہر ایک چیز کی ظاہر شکل وصورت کو ہی دیکھ کر اُسے قبول یا رد کر دیتے ہیں۔ اور ہر ایک لفظ کے لغوی معنوں کو لینا ہی ضروری سمجھتے ہیں۔ مجاز کو وہ حقیقت اور چھلکا کو مغز خیال کر لیتے ہیں۔ اور اسکی تہ کو پہنچ کر اصل مطلب کو سمجھنا نہیں چاہتے یسوع مسیح کو وہ خدا سمجھتے ہیں۔ تو ان الفاظ کے لغوی معنوں کی بنا پر جن کو حضرت مسیح نے ایک اور حقیقت کے اظہار کے لئے بطور مجاز استعمال کیا لیکن جونہی عقل انسانی سامنے آتی اور دلیل کے ساتھ اس ناحق آفرینی کی قلعی کھولتی ہے۔ فوراً انہی پرستاران مسیح کو وہی حلیم شہزادۂ امن ایک خود بین اور خود ستا انسان نظر آنے لگتا ہے لیکن اگر مسیح کے الفاظ کے وہی معنے روا رکھے جاتے۔ جو اِن الفاظ کو استعمال کرتے وقت خود ان کے مدنظر تھے۔ تو اس قسم کی بداعتقادی ان کے متعلق پیدا نہ ہوتی۔ مگر ایک مغرب کا رہنے والا جب جناب مسیح کے مقدس کلام کی صداقت کو ثابت کر رہا ہو۔ اس کھینچا تانی کو دل میں جگہ دینے کے اپنے آپ کو ناقابل پاتا ہے حالانکہ

اسکو سمجھنا چاہئے۔ کہ مسیحؑ مشرق کے رہنے والے تھے۔ مشرق ہی کی زبان وہ بولا کرتے تھے
اور اسی قسم کے محاورات کو وہ استعمال کرتے اور تمثیلوں میں کلام کیا کرتے تھے۔ آپ اپنے
الفاظ کو قطعاً لغوی معنوں میں استعمال نہیں کرتے تھے۔ اگر اور بھی مشرقی معلمین اور بانیان
مذاہب کے کلمات کو مطالعہ کیا جائے تو یہ معاملہ اور بھی صاف ہو جاتا ہے۔ مسیح نے جو کچھ
اپنے متعلق کہا ہے۔ وہ کوئی نرالی اور انوکھی بات نہیں۔ دوسرے انبیاء ہی کی زبان میں وہ
کلام کرتے تھے۔ مثال کے طور پر ہر ایک وہ شخص جو مسیح کی طرح اس پر یقین رکھتا ہو۔ کہ
انسان اللہ تعالےٰ کے نمونہ پر بنایا گیا ہے۔ اور تمام اخلاق فاضلہ اور صفات حسنہ جو اسمیں
ودیعت کیگئی ہیں۔ وہ خدا ہی سے ہیں۔ وہ جب ان صفاتِ الٰہی سے متصف ہونے کا ذکر
کریگا تو سوائے اس کے کہ وہ مسیحؑ کے ہم آواز ہو کر یہ کہدے کہ "باپ مجھ میں ہے" اور کیا یہ کہہ سکتا
ہے "کوئی شخص باپ پاس نہیں آسکتا۔ مگر میرے ذریعہ سے"۔ یہ ایک اور فقرہ ہے۔ جو حضرت
مسیح کے منہ سے نکلا ہے۔ اور صرف آپ ہی نے نہیں بلکہ دوسرے انبیاء نے بھی مختلف
الفاظ اور جداگانہ طرق پر اپنے متعلق اسی حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ اس فقرہ کے سمجھنے کے
لئے ہمیشہ ان حالات کو پیش نظر رکھ لینا چاہئے۔ جو کسی نبی یا مصلح کی بعثت کا اصل موجب
اور سبب ہوتے ہیں۔ انبیا اس وقت آتے ہیں۔ جب نسل انسانی روحانی اور اخلاقی طور پر
اسفل السافلین میں جا گرتی ہے۔ وہ اس وقت بنی نوع انسان کو اس خطرناک گڑھے
سے نکالنے اور انہیں روحانیت کی بلند ترین منازل پر کھڑا کرنے اور ہر ایک پہلو سے ترقی کی
شاہراہ پر چلانے کے لئے آتے ہیں۔ وہ اپنے اردگرد تمام لوگوں کو خدا کے رستہ سے بھٹکے
ہوئے اور سخت ترین ظلمتوں اور تاریکیوں میں مبتلا دیکھتے ہیں۔ اور صرف اسی اکیلے نبی ہی کا ہاتھ روشنی کے
اس بلند مینار کو تھامے ہوئے ہوتا ہے۔ جو راستی اور صداقت کیطرف انسانی کو رہنمائی کرتا ہے۔ پس اگر کوئی شخص
اللہ تعالےٰ کا مطیع ہو کر اس کا اطاعت گذار اور فرمانبردار بنکر اس سے ملنا چاہتا ہے۔ تو اسکے لئے ضروری ہے
کہ اس رہبر حقیقی کے نقش قدم پر گامزن ہو۔ اور ادھر ادھر دوسرے لوگوں کے پیچھے لگنا چھوڑ دے۔ ان حالات کے
اندر کوئی وقت کا نبی آکر یہی کچھ کہدے۔ جو جناب مسیح نے کہا ہے۔ کہ کوئی شخص باپ پاس نہیں آسکتا۔ مگر
میرے ذریعہ سے۔ تو کیا وہ ایسا کہنے میں حق بجانب ہوگا۔ کیونکہ اپنے وقت میں وہی ایک شخص ہوتا ہے جو

اللہ تعالےٰ کی طرف سے مخلوق خدا کو نجات کی راہ دکھانے کیلئے کھڑا کیا جاتا ہے قرآن کریم نے اسی حقیقت کو دہرایا ہے۔ جہاں اس نے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے۔ کہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ کہدے (اے رسول کہ) اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو۔ تو میری پیروی کرو۔ اللہ تعالےٰ تم سے محبت کریگا۔ گناہوں کا محو ہونا اور اللہ تعالیٰ کی محبت یہ دونوں باتیں اسی شخص کو عنایت کیجاتی ہیں جو ایک باشریعت زندگی بسر کرنے کیلئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتا ہے۔ یوحنا ۱۵ باب آیت ۱۰ میں بھی یہی ہم پڑھتے ہیں۔ کہ

"اگر تم میرے حکموں پر عمل کروگے۔ تو میری محبت میں قائم رہوگے"۔ جو صاف طور پر حقیقت کا اعتراف ہے +

پھر جناب مسیح کو بھی ان تمام مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا جو ہر ایک صادق انسان کے حصہ میں آتی ہیں۔ اور اگر اعشائے ربانی کی رسم اسی تازہ تعلیم کیطرف ہی اشارہ کرتی ہے جو جناب مسیح نے اس وقت کی مہذب دنیا کے سامنے پیش کی۔ اور اس صداقت کا اظہار اس سے ہوتا ہے۔ جس کے قائم کرنے کیلئے آپ کو اپنا خون بہانا پڑا۔ تو پھر آپ کا یہ کلام بالکل صحیح ہے۔ اور عین صداقت پر مبنی۔ کہ یہ میرا خون ہے جو بہتوں کے لئے بہایا گیا۔ تاکہ وہ گناہوں سے نجات پائیں۔ آپ ایک گری ہوئی قوم کو سنبھالنے کے لئے آئے۔ وہ قوم جس کو موسیٰ نے بھی آکر اپنے پاؤں پر کھڑا کیا۔ اور نہایت ادنےٰ حالت سے اٹھاکر اعلیٰ حالت تک پہنچایا پس اب پھر داؤد کی نسل سے ایک اور انسان کو کھڑا کیا گیا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے دیگر فرزند مختلف وقتوں میں مبعوث ہوتے رہے۔ وہ آیا تاکہ انسان کو گناہوں کے اس اتھاہ گڑھے میں سے باہر نکالے جسمیں وہ پھر دوبارہ جا گرا تھا۔ لیکن ان ہی تعلیمات کو دیکھ کر شریر آدمیوں نے ناک بھاؤں چڑھائے۔ اور بدکرداروں کو اسکی باتیں پسند نہ آئیں آپنے ربیوں کی اندرونی حالت کو کھولکر رکھدیا۔ اور فریسیوں کی بدعملیوں کو آشکارا کیا جس سے عام طور پر نفرت پھیلنی شروع ہوئی۔ یہود آپ کے دشمن بن گئے۔ اور انہوں نے آپ کو مارنے کی تجاویز شروع کیں۔ بظاہر صرف یہی ایک وجہ ہے۔ جو آپکے صلیب پر چڑھائے

جانے کا موجب ہُوئی۔ اور کونسا وہ شخص ہے۔ جو حق کی حمایت کیلئے آیا ہے۔ اور اس سے اس قسم کا سلوک نہیں ہُوا۔ کیا یہ تکلیف جو مسیح پر آئی انہیں مصائب کا ایک حصہ نہیں جو راستبازوں کے حصہ میں ہمیشہ آتی رہی ہیں۔ آپنے وہی تعلیم دی جو آپ کے نزدیک ایک گنہگار انسان کو اللہ تعالےٰ تک پہنچا سکتی تھی۔ شریعت کی پابندی کی تعلیم کو دیکر آپ نے باطل کو صفحۂ ہستی سے نابُود کر دینا چاہا کیونکہ آپ کے یقین ایمان اور اعتقاد کے مطابق یہی ایک راہ تھی۔ جس کے ذریعہ سے اِنسان خدا کی بادشاہت میں بڑا بن سکتا تھا۔ اپنے پیرؤوں کو اسی ایک راہ پر چلانا انہیں شریعت کا پابند بنانا ہی آپ کا مقصد حقیقی تھا۔ اور اسی نصب العین کو کامیاب بنانے کیلئے آپ نے اپنی جان تک دیدی۔ صداقت اور پرہیزگاری کے اصُولوں کی آپ نے اپنے خُون سے آبیاری کی پس بیشک گنہگاروں کی خاطر آپ نے جان دی۔

آپ کی باتیں

صاف اور کھُلی کھُلی ہیں۔ جو آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہیں۔ لیکن اس کے برخلاف سادہ اور صاف لفظوں کے پیچ در پیچ معنے کر کے انسان کو بالکُل عالم حیرانی اور تعجب میں ڈالدیا جاتا ہے۔ حالانکہ جناب مسیح ہماری روزمرّہ کی گفتگو اور بولچال کے مطابق ہی کلام کرتے اور انہی محاورات کو استعمال کیا کرتے تھے۔ جو کسی نہ کسی شہید صداقت کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے ہم بھی بول ہی دیا کرتے ہیں۔ کوئی اصلاح دُنیا میں مصلحین کے دُکھ اور تکلیف اُٹھائے بغیر نہیں ہُوئی۔ اور نہ ہو سکتی ہے۔ اس پودہ کو نشوونُما دینے اور مثمر بنانے کیلئے ضرورت ہے کہ انسانی خُون سے اسکی آبیاری کی جائے۔ گناہ کا استیصال اور اس استیصال کرنیوالوں کی شہادت دو لازم و ملزُوم باتیں ہیں۔ وہ مصلحین جو وقتاً فوقتاً دُنیا میں اصلاح خلق کیلئے آئے ہیں ہمیشہ انہیں سخت ترین مصائب کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ جو بعض اوقات اس قدر مظالم کا مُوجب بن جاتی ہیں کہ اُن کی جان پر بنتی ہے۔ اسی جدوجہد میں وہ مرتے ہیں لیکن اپنے پیچھے ایک انقلاب پیدا کر جاتے ہیں۔ جو آیندہ نسل کی بہبُودی اور ترقی کا موجب ہوتا ہے۔ یہ نتیجہ ان اصُولوں پر عمل کرنے سے رُونما ہوتا ہے۔ جن کو قائم کرنے اور سکھانے

کے لئے انبیاء اور مصلحین نے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ یہ نہیں کہ اُن کی جان جانے اور تکلیفیں اُن پر وارد ہونے سے گناہوں سے نجات ملجاتی ہو +

غرض نسل انسانی کو وقتاً فوقتاً ان مصائب اور دُکھوں کے ذریعہ سے جو کسی ایک انبیاء پر وارد ہوئے۔ گناہوں سے نجات حاصل ہوئی ہے۔ ایسا ہی جناب مسیح کے خون کے ذریعہ بھی انہوں نے گناہوں سے نجات پائی۔ کیونکہ وہ صداقت جس کے لئے آپ آئے تھے دُنیا میں ان دُکھوں کے ذریعہ سے ہی قائم ہوئی اور ہوتی ہے۔ اور لوگ اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اس لئے محض ان دُکھوں پر ایمان لے آنے سے نجات نہیں ہو سکتی +

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آیت اللہ

(از جناب شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹر ایٹ لاء)

بہ تسلسل صفحہ ۲۸۶ جلد ہذا نمبر ۶

لیکن یہی صاحب جب صفحات ۸۵ و ۸۶ پر پہنچتے ہیں تو اپنی پہلی تحریر کو یکقلم فراموش کرکے فرماتے ہیں "بیسویں صدی عیسوی کے فلاسفر جو اس مضبوط بُنیاد پر پھر نئے سر سے عمارت کھڑی کرنا چاہتے ہیں۔ ان کو آنیوالی نسلوں کے سامنے نہ صرف ارتقائے عالم کی عظیم الشان صداقتیں بیان کرنی پڑینگی۔ بلکہ ان بے انتہا خزانوں کی کنجی بھی جو ہر جگہ پوشیدہ معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے حوالے کرنی ہوگی۔ خواہ ہم ان پہاڑوں کی عظیم الشان چوٹیوں کو نظر حیرت سے دیکھیں اور خواہ اس بحری دنیا کے رازوں کو ایک سحر عظیم سمجھیں۔ خواہ بڑی بڑی دُوربینوں سے اجرام فلکی کے عجائبات کو ملاحظہ کریں۔ اور خواہ خوردبینوں سے بڑے بڑے باریک جانداروں کی ہستی کو دریافت کریں۔ الغرض جس طرح چاہیں اپنی دریافت اور علم کو وسیع کریں۔ ہر جگہ خدا تعالیٰ نے ہمارے رُوحانی سرور کیلئے عجیب عجیب سامان مہیا کر رکھے ہیں۔ بنی نوع انسان کا اکثر حصہ اس دنیا کے عجائبات سے آنکھیں بند کئے ہوئے اور بغیر حظ اُٹھائے ہوئے گذر جاتا ہے۔ اور وہ مذہب بہت ہی مایوس کُن اور خلاف فطرت ہے جو اس گریہ وزاری کی ادنیٰ

کہہ کر اس سے نفرت دلاتا ہے لیکن آخرکار انسان کے بے انتہا ترقی کرنیوالے دل کی آنکھیں کھل گئی ہیں۔ اور یہ بات مسلم ہو چکی ہے۔ کہ قدرت کا صحیح علم دل کو ایک نہ ختم ہونیوالی تسکین اور راحت دیتا ہے۔ نہ صرف اسلئے کہ جذبۂ تحقیق اس سے سیر ہوتا ہے۔ بلکہ اسلئے بھی کہ علم حاصل کرنے کی قدرتی پیاس بھی اس سے بجھ جاتی ہے +

اور یہی صاحب آخر میں اپنے عقائد کا اقرار یوں کرتے ہیں:۔

"خدا جو نیکی۔ حسن اور صداقت کی رُوح ہے ہمارا حامی و مددگار رہو۔ اور میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ کوئی مسلم اس دُعا پر آمین کہنے سے نہ رُکیگا +

اصل بات تو یوں ہے کہ ان فلاسفروں اور سائنسدانوں کو نیچر کی نیرنگیوں سے صفاتِ باریتعالےٰ کے پتہ لگانے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ وہ اس خلق دُنیا کو ایک اچانک واقعہ یا حادثہ خیال کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس دُنیا کا نہ کوئی مدبر۔ نہ کوئی تربیت دہندہ۔ اور نہ کوئی بالارادہ خالق ہے۔ وہ اس ساری دُنیا و مافیہا کو ایک اتفاقیہ امر کا نتیجہ سمجھتے ہیں یا کم از کم اس دُنیا کا آغاز تو ضرور اس طرح مانتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ وہ قوانین بھی جن کا عالمگیر طور پر دُنیا میں حکمران ہونا مانتے ہیں۔ وہ بھی کسی کی مشیئت یا ارادے سے نہیں بلکہ یہ تو ایک اچانک واقعہ تھا۔ جس کا کوئی خاص مقصد یا انجام ضروری طور پر مقرر نہیں کیا گیا۔ اور جب یہ حضرات عقلمند۔ فلسفہ دان۔ زندگی کے حالات سے واقف مادے اور جسمانی دُنیا کے علم میں خوب ماہر ہونے کے باوجود بھی ایک مکھی یا مچھر بھی نہیں بنا سکتے۔ تو معلوم نہیں کہ انکی سمجھ پر کونسا پردہ پڑ جاتا ہے۔ جب وہ بڑے زور شور سے اپنی حماقت کا اظہار یہ کہکر کرتے ہیں کہ اس دُنیا و مافیہا کے بنانیوالے اور تربیت کرنیوالے یہ ناچیز بیجان بیعقل ذراتِ مادہ ہیں۔ اور نیز ان کو یہ کہنے کا بھی کوئی حق نہیں کہ زندگی کے قائم کرنے کے لئے جو جنگ حیوانات میں ہوتا ہے۔ وہ یہ ثابت کرتا ہے کہ خدا یا تو اچھا خدا نہیں اور یا وہ قادر مطلق نہیں۔ یا تو ان کو اس مقصد اور مدّعا کا علم نہیں جو اس قیام حیات کے جھگڑے کا ہے اور یا وہ عمداً لوگوں کو قعر جہالت و ضلالت میں گرانا چاہتے ہیں محض ہلاکت و دہشت

سنگدلی اور ظلم کا کوئی ثبوت نہیں۔ اور ہم کسی تباہ کرنیوالے کو ضروری طور پر نیکی سے خالی اور قسی القلب نہیں کہہ سکتے۔ اگر ایک جراح ہمارے جسم کا کوئی ناسور شدہ حصہ اپنے نشتر سے کاٹ ڈالے تو کیا ہم اس کو کوئی الزام دے سکتے ہیں۔ ہر ایک ذی فہم انسان یہی کہیگا کہ ڈاکٹر صاحب نے جو ایذا رسانی کی وہ نیک نیتی سے مریض کی بہتری کے لئے کی اس واسطے وہ بری الذمہ ہیں +

قیام حیات کا ظاہرا جنگ جو اس دُنیا میں نظر آتا ہے کیا یہ ایک خیر خواہ خدا کی ہستی کا منافی ہے یا نہیں۔ اس مضمون پر اسلامک ریویو اپریل ۱۹۱۵ء میں لعنوان "جنگ اور خدا" خوب بحث ہو چکی ہے۔ میرے خیال میں یہ کہہ دینا کافی ہو گا۔ کہ جب سائنسدان اسباب کا اقرار کرتے ہیں کہ وہ خلقت دُنیا کی علت غائی سمجھنے یا سمجھانے سے عاجز ہیں تو پھر ان کا کوئی حق نہیں۔ کہ وہ اس ظاہرا ہلاکت سے خالق کے خیر خواہ خلق ہونے یا قادر مطلق ہونے سے انکار کر دیں۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اس میں بھی انہی کی کچھ بہتری ہو۔ لسان الغیب جناب حافظ شیراز علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معمہ را

انسان کو ایسے قوٰے دیئے گئے ہیں جن کا پتہ سائنس نہیں لگا سکتی۔ بلکہ صرف جن کو ۔۔ نور رُوحانیت دکھا سکتا ہے۔ ان کی مدد سے انسان موت پر بھی فتح پا سکتا ہے اُن کے ہوتے ہوئے سب رنج خوشی اور سب تکلیفیں راحتیں ہو جاتی ہیں۔ تو پھر کس سائنس دان کا حق ہے کہ وہ موت یا ہلاکت کو ظلم کہے خصوصاً جبکہ ان کو کوئی پتہ نہیں کہ موت کے بعد کیا پیش آنے والا ہے۔ اگر تو ان کا ایمان یہ ہے کہ زندگی بعد الموت کوئی چیز نہیں۔ اور ان کا خاتمہ اس زندگی کے ساتھ ہمیشہ کیلئے ہو جائیگا تو پھر کسی صُورت میں بھی وہ موت کو ظلم قرار نہیں دے سکتے۔ موت سے تو انسان کے سارے تفکرات۔ الام۔ رنج سب دُور ہو جاتے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا جسم مرنے کے بعد لاکھوں کیڑوں مکوڑوں کی خوراک بن کر مفید ثابت ہوتا ہے۔ تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ سائنسدان اصحاب کونسی منطق کے ماتحت موت کو ظلم اور موت بھیجنے والے کو ظالم کہتے ہیں علم الہیات کے جاننے والے موت سے بالکل نہیں ڈرتے۔

ان کے نزدیک تو یہ دُنیا ایک سرائے فانی ہے۔ اسی واسطے انکو نہ راحت بھلی اور تکلیف بُری معلوم ہوتی ہے۔ وہ ایک ایسے طریق سے زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ کہ وہ تمام مصائب اور دُکھ جن کا مقابلہ ان کو اس دُنیا میں کرنا پڑتا ہے۔ اگلی زندگی میں جزا اور ثواب کا باعث ہوں ان کا ایمان ہے کہ یہ دُنیا تو بیج بونے کی جگہ ہے۔ خواہ اس زندگی میں انکی قسمت کچھ ہی ہو وہ ہمیشہ اسی دُھن میں لگے رہتے ہیں۔ کہ کسی طرح وہ ابدی خوشی کے گوہر مقصود سے دامن بھر لیں۔ اُنکو بڑی بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ قادر مطلق اور انصاف پسند خدا نے ان کو اُن مصائب پر فتح پانے کی طاقت ضرور عطا کی ہے۔ اور اگر وہ مستقل المزاج اور صابر ہوں۔ اور صراط مستقیم پر قائم رہیں تو وہ ضرور کامیاب ہو جاتے ہیں اور اکثر دفعہ تو اسی دُنیا میں سُرخرو اور خوش ہو جاتے ہیں۔ اور بفرض محال اگر اس دُنیا میں ناکامیاب بھی رہیں تو بھی ان کی قناعت اور رضا ان کو مایوس نہیں ہونے دیتی۔ اور اُن کا ایمان اُن کے پاؤں کو ڈگمگانے نہیں دیتا۔ ممکن ہے کہ اس چندروزہ زندگی میں ناکام رکھے جانے کے عوض میں ان کو آئندہ زندگی میں ہمیشہ کی کامیابی نصیب ہو۔ انسان کے اعمال صالحہ اس کے مذہبی عقائد کے مطابق وسیع ہوتے ہیں۔ اس کا معیار اور بھی بلند اور اعلیٰ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور ترقی آسان ہو جاتی ہے۔ وقتی تکالیف اور تفکرات چنداں تکلیف نہیں دیتے اور ہمدردئی خلق کے خیال میں اپنے دُکھ درد باعثِ تسکین قلب ہو جاتے ہیں +

جناب شیخ فریدالدینؒ صاحب عطار جو ایک مشہور مسلم ولی اللہ گذرے ہیں اور جن پر حضرت مولوی رومیؒ کو ناز تھا ایک دفعہ فرمانے لگے۔ "کہ کاش تمام انسانوں کے غم میرے دل پر ڈال دیئے جاتے۔ تاکہ وہ سب ہر قسم کے رنج سے نجات پا جاتے" +

اسی مضمون کو کسی شاعر نے اُردو میں بڑی خوبصورتی سے باندھا ہے ؎

اے مشیر اچھا ہؤا اتر تیرا داماں ہو گیا خشک اَوروں کے لئے تو بحرِ عصیاں ہو گیا

وہ لوگ جو کائنات کے باطنیات پر غور کرتے ہیں جو دُنیا کی علت غائی کو سمجھنے کے لئے خوب کوشش کرتے ہیں۔ اور جو نہ صرف ظاہری مادی جسم بلکہ رُوحانی اُمور کا بھی مطالعہ کرتے

ہیں۔ وہ کبھی اسباب میں شک نہیں کرتے۔ کہ خالقِ روزگار نہ صرف قادرِ مطلق بلکہ بڑا ہی خیر خواہِ خلق اور ودود خدا ہے۔

ہیگل جیسے ظاہر بین فلاسفر کیلئے انسان کی حقیقت ایک معمولی دودھ پلانیوالے حیوان سے زیادہ نہیں۔ اور وہ اکثر مندرجہ ذیل حوالہ دیا کرتے ہیں۔

شہنشاہ سیزر مرنے کے بعد ایک تودہ خاک بنگیا۔ اور اسکی مٹی کے ڈھیلوں کو جو نیچے ہیں آنیوالی ہوا کو روکنے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ کیسا عبرتناک نظارہ ہے کہ وہ انسان جس کے نام سے دُنیا کانپتی تھی اُسی کے جسم کی مٹی ایک معمولی دیوار کی مرمت کیلئے استعمال ہوتی ہے۔" لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک انسان کا رُتبہ بہت بلند ہے وہ خلیفہ نائب خدا ہے۔ زمین اور آسمان اس کے ماتحت کر دیئے گئے ہیں۔ الغرض تمام دُنیا اُسی کیلئے پیدا کی گئی ہے۔ اور جناب حافظ علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں ؎

ہرگز نہ میرد آنکہ دِلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

محمد صلے اللہ علیہ وسلم ایک اکمل انسان تھے۔ آپ نے خدا کی خیر خواہی اور نیکی کا ثبوت اپنے عملی نمونہ سے دیا۔ آپ خدا کی بھلائی کی ایک کامل مثال بن گئے۔ آپنے بدی کو اپنے نزدیک تک نہیں آنے دیا۔ آپنے لوگوں کے اخلاق کو بہت بلند کر دیا۔ گویا کہ آپ نے بنی نوع انسان کی فطرت کو بالاتر کر دیا۔ کمزور کو ظلم و تعدی سے بچایا۔ عورتوں اور غلاموں کو حقوق دلوائے۔ آپ نے لکھوکھا انسانوں کو شراب تعصب مطلق العنانی توہم پرستی وغیرہ کی لعنتوں سے بچالیا۔

آپ نے تو مذہب کی ہیئت ہی بدل دی۔ آپکے آنے سے پہلے مذہب کو ایک قسم کا فلسفہ سمجھا جاتا ہے۔ اور اگر شاذونادر کسی مذہب نے کوئی قانون زندگی بتایا بھی تو وہ ایسا کہ اس پر عمل کرنا بالکل ناممکن تھا۔ اور اگر اخلاق کو سُدھارنے والی کوئی بات سکھائی تو ایسی کہ جس سے صرف انفرادی ترقی ہو سکتی تھی۔ اور کوئی قوم بحیثیتِ قوم کوئی ترقی نہ کرسکتی تھی۔

جناب بُدھ نے نروان حاصل کرنے کی تعلیم جو دی وہ اکیلا آدمی انفرادی طور ہی سے حاصل کر سکتا تھا۔ اور جناب مسیح نے بھی خدا کی بادشاہت میں داخل ہونے کا یہی راز بتایا۔

لیکن محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بادشاہت کو آسمان سے اُتار کر زمین پر لا دکھایا۔ آپ نے لوگوں کو ترقی کے وہ راز بتائے جن سے نہ صرف ایک قوم یا ملک بلکہ ساری دُنیا معراجِ ترقی پر پُہنچ جائے +

اُمّی۔ بے یار و مددگار۔ نم دیدہ آنحضرت صلعم کی آواز محض انسانی آواز ہی نہ تھی۔ بلکہ یہ ایک رعد تھی جو آسمان سے نازل ہوئی۔ وہ ایک کڑک تھی جس نے لوگوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کر دیا۔ وہ ایک چمک تھی جس نے ان کی بداخلاقی اور گناہ کے خرمن کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ اور ساتھ ہی خدا کی بادشاہت زمین پر پیدا کر دی جس کے باشندہ فرشتہ خصلت۔ صادق القول ملائکہ صفت شجاع۔ بےغرض فیاض۔ محبِ وطن۔ فراخ دل۔ مہربان وحشیوں اور حیوانوں تک سے نیک سلوک کرنیوالے ہمسایوں سے محبت کرنیوالے یتیموں مسکینوں کی حفاظت کرنیوالے۔ الغرض تمام مخلوق کے حامی اور خیرخواہ تھے +

تاریخ کی کتابوں میں جو واقعات نبی کریم کی اصلاحِ قوم کے لکھے ہیں۔ اُن کا اندازہ مندرجہ ذیل اقتباس سے ہوسکتا ہے۔ لکھا ہے کہ جعفر طیار جو مسلمانوں کے اُس گروہ کا سردار تھا جو طرح طرح کی جفائیں سہنے کے بعد بموجب حکم رسول اللہ صلعم حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ اور اس نے بادشاہ حبشہ کے سامنے نبی کریم کے مشن اور اپنے کام کی سابقہ حالت کا نقشہ یوں کھینچا۔ اس نے کہا ہم ایک جاہل اور گمراہ قوم تھے بُتوں کی پرستش کرتے تھے۔ زنا اور دیگر فسق و فجور میں مبتلا ہونا باعث عار یا ننگ نہ سمجھتے تھے ہمسایوں سے بدسلوکی اور ظلم ہمارا شیوہ تھا۔ اور کسی جابر طاقتور کا معصوم کمزور انسان سے مال چھین لینا ایک معمولی بات تھی۔ سالہا سال سے ہم اس گھری ہُوئی حالت میں پڑے ہوئے تھے کہ اللہ کا رسُول ہم میں آیا وہ ہماری ہی قوم کے ایک نامی گرامی خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ اور ہم اسکی شرافت۔ صداقت امانت اور نیکی سے خوب واقف ہیں۔ اس نے ہم کو خدائے واحد کی طرف دعوت دی اور کہا کہ قابل پرستش صرف ایک ہی خدا ہے۔ اور باقی سب معبود باطل ہیں۔ اور یہ پتھر جن کو تمہارے باپ دادا پُوجتے چلے آئے ہیں بالکل بے سُود بلکہ تمہارے ہی محتاج ہیں۔ آپ نے ہم کو توحید کامل

کی ہدایت کی۔ اور فرمایا۔ کہ ہرگز کسی کو اسکی ذات یا صفات میں شریک نہ کرو۔ آپ نے ہم پر پانچ وقت کی نماز فرض کی۔ زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا۔ اور سفر یا بیماری کی حالت کے سوائے رمضان کے مہینے میں روزے رکھنے کی تاکید فرمائی۔ ہم کو سچ بولنے امانت کو صحیح سالم واپس کرنے صلہ رحمی کرنے پڑوسیوں سے نیک سلوک افعال شنیعہ سے اعراض اور ہر قسم کے لڑائی جھگڑے فسق و فجور سے پرہیز کرنے کی سخت تاکید فرمائی۔ آپ نے ہم کو یہ سکھایا کہ جھوٹی گواہی کبھی مت دینا یتیم کے مال میں کوئی خورد برد نہ کرنا اور عورتوں کو تہمت لگانے یا اُن کو بدنیتی سے دیکھنے سے ہمیشہ بچنا۔ ہم نے آپ کی سب نصیحتوں اور احکام کو خوب سمجھا۔ اور اُن کو دل میں جگہ دی ہمارا ایمان ہے کہ یہ سب احکام آپ نے خداتعالےٰ سے وحی پاکر ہم کو سنائے اور اب ہم توحید کے سچے پرستار ہیں۔ ہم ممنوع اشیا کے نزدیک نہیں بھٹکتے۔ اور صرف حلال اور طیب چیزوں پر گذارہ کرتے ہیں۔ یہ تبدیلی دیکھ کر ہماری قوم (کفار مکہ) کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اور جب اُنہوں نے پرانے باطل عقائد خیالات اور افعال کو بدلتے پایا۔ تو اُن کے غصے کی کوئی انتہا نہ رہی اُنہوں نے ہم کو ہر طرح ایذائیں پہنچائیں۔ اور بت پرستی اور دیگر افعال قبیحہ جن کو ہم ترک کر چکے تھے اُن کی طرف ہمیں واپس لانے کے لیئے اُنہوں نے جان تک لڑا دی۔ اور اب اُن کے مظالم اور جفائیں اِس حد تک پہنچ گئی ہیں کہ ان کے ساتھ رہنا بالکل ناممکن ہو گیا۔ اور اسی واسطے ہم اپنے آبائی وطن کو ہمیشہ کے لیئے خیرباد کہ کر آپ کی سلطنت میں اس اُمید پر پناہ لینے آئے ہیں۔ کہ آپ اِن ظالموں کے ظلم سے ہم کو محفوظ رکھیں گے +

ولیم میور جیسا متعصب مصنف بھی اقرار کرتا ہے کہ اس وقت تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے احکام بالکل سادہ اور قلیل تھے۔ اور آپ کی تعلیم نے حیرت انگیز عظیم الشان نتائج پیدا کیئے تھے۔ اور جس طرح عیسائیت نے اپنے ابتدائی زمانہ میں روحانی دنیا کو خواب غفلت سے بیدار کیا۔ اور شرک و کفر سے جنگ کیا۔ اِسی طرح محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم نے لوگوں کے دلوں میں ایک رُوح پھونک دی۔ اور آپ کے صحابہ نے بڑی بڑی قابل قدر قربانیاں کیں اور صرف ایمان کی خاطر اپنے بہترین مال اور اسباب خوشی سے اللہ کی راہ میں دے ڈالے۔ کئی صدیوں سے مکہ بلکہ تمام جزیرہ نمائے عرب جہالت اور ضلالت کی نیند میں سو یا پڑا تھا۔ اور یہود یوں

عیسائیوں یا بعض فلاسفروں نے ان کو بیدار کرنے کی جو کوشش کی۔ تو اس کا نتیجہ چند کروٹوں کے سوا کچھ نہ ہُوا۔ یہ ایک بحرِ ذخار تھا جس پر ان ہواؤں نے معمولی سطحی لہروں کے سوا کچھ اثر نہ کیا۔ یہ لوگ توہم پرستی ظلم اور فسق کے دریا میں بالکل غرق تھے۔ ایک بڑے بیٹے کا اپنے باپ کی بیوہ کو ورثہ کی چیزوں میں سے ایک چیز سمجھ کر اس سے شادی کر لینا ایک معمولی بات تھی۔ نخوت اور افلاس کی وجہ سے دُختر کُشی عام طور پر رائج تھی اس رسم بد کی وجہ عموماً افلاس اور تکبرّ ہی ہوتی ہے۔ اور ہندوستان میں بھی اسی وجہ سے یہ بات پائی جاتی تھی۔ عربوں کا اعتقاد ایک عجیب توہم پرستی کا مجموعہ تھا بن دیکھی چیزوں سے وہ ڈرتے تھے۔ اور ان خیالی خداؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہر طرح کے گناہوں میں آلودہ ہونا ثواب سمجھتے تھے۔ روز جزا سزا سے انکار یا زندگی بعد الموت کی بہتری کے خیال سے کوئی نیک عمل کرنا ان کے لئے بالکل نئے خیالات تھے +

ہجرت سے صرف ۱۳ سال قبل مکہ کی حالت بالکل ناگفتہ بہ اور گری ہوئی تھی۔ لیکن معلوم نہیں کہ ان تیرہ سالوں میں کیا جادو چل گیا۔ اور وہ کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ انہی پکے بُت پرستوں میں سے کئی سو آدمیوں نے کفر و شرک سے ہاتھ دھو کر خدا پرستی کا طریق اختیار کر لیا۔ اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی وحی اور الہام یعنی (قرآن) کے کامل فرمانبردار بنا دیا۔ یہی عرب جو نماز کے نام تک سے واقف نہ تھے پانچ وقت اللہ اکبر کے نعرہ مارتے ہوئے جمع ہوتے۔ اور خدا تعالےٰ سے مغفرت اور رحمت کے لئے رو رو کر دعائیں مانگتے جنہوں نے کبھی خوابِ غفلت میں بھی مُروت کا نام نہ سُنا تھا وہی اعمال صالحہ میں اسقدر بڑھے کہ صدق دینے میں عفت اور انصاف میں تمام جہان کے لئے نمونہ بن گئے۔ وہ خدا کو قادر مطلق اور حاضر و ناظر مانتے یعنی گناہ کو ترک کرنے کے بہترین ذریعہ کو اختیار کرنے سے بڑے بڑے زاہدوں سے بھی گوئے سبقت لیجاتے تھے۔ قدرت کے منظر۔ زندگی کے تعلقات۔ واقعات کا پھیر۔ الغرض جو کچھ وہ دیکھتے ان کو خدا کا زبردست ہاتھ ہر ایک بات میں کام کرتا ہُوا نظر آنے لگا۔ اور یہی نیا ایمان جس کو وہ اس قدر بُرا سمجھتے تھے یہی ان میں معیار مراتب ہو گیا۔ اور ہر فرد بشر شرک اور کفر کو ذلیل و زبون سمجھنے لگ گیا۔ نبی کریم اُن کے لئے ایک بہترین نمونہ تھے۔ اور خدا کے حبیب

آپ ہی ان کی تمام اُمیدوں کے والی تھے۔ اور اسی واسطے اُنہوں نے آپ کی اطاعت سے سرِمو فرق نہیں کیا۔ اس قلیل عرصے میں اس نئی تعلیم کی وجہ سے مکّہ میں دو بڑے گروہ پیدا ہو گئے تھے دونوں قبیلہ اور قوم وغیرہ کی قیود کو بالکل توڑ کر ایک دوسرے کی مخالفت پر کمر باندھے کھڑے تھے مسلمانوں نے ہر قسم کے ظلم وستم صبر وتحمل سے برداشت کیئے۔ کفّار نے طرح طرح کی اذیتیں دیں مگر مسلمانوں نے کبھی اُف تک نہیں۔ انہی میں سے قریباً ایک سو مرد وعورت نے بجائے اس کے کہ اپنے جان سے پیارے ایمان کو ترک کریں۔ انہوں نے ہجرت قبول کی۔ اور حبشہ میں چلے گئے۔ اور اسکے بعد اس سے بھی زیادہ تعداد خود نبی کریم کے ساتھ اپنے مادری وطن اور بیت اللہ کو جو اُن کو سب سے عزیز تھا چھوڑ کر مدینہ بھاگ جانے کی فکر کرنے لگے۔ لیکن کیا کہنے اُس پاک تعلیم کے جو نبی کریمؐ نے خدا سے پاکر لوگوں کو پہنچائی کہ ان مہاجروں کے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی اہل مدینہ کے دل محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے گرویدہ ہو رہے تھے۔ اور یہ دینی بھائی اور نبی کریمؐ اور ان کے صحابہؓ کی جان ومال سے حفاظت کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ یہودی مذہب بہت دیر سے مدینہ میں پہنچ چکا تھا لیکن وہ بھی نبی کریمؐ ہی کا نعرہ توحید سنکر خواب غفلت سے بیدار ہوئے اور ایک نئی اور بہتر زندگی میں قدم رکھ دیا +

خود قرآن شریف میں نبی کریم کے اُن کارناموں کا ذکر موجود ہے۔ اور مندرجہ ذیل آیات میں نبی کریم کے صحابہؓ کی چند صفات بیان کی گئی ہیں۔ سورہ مومنوں کی ابتدائی آیتوں میں فرمایا۔ قد افلح المومنون ۙ الذین ھم فی صلاتھم خاشعون ۙ والذین ھم عن اللغو معرضون ۙ والذین ھم للزکوٰۃ فاعلون ۙ والذین ھم لفروجھم حفظون ۙ الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین۔ فمن ابتغی وراء ذٰلک فاولٰئک ھم العٰدون ۚ والذین ھم لامٰنتھم وعھدھم راعون ۙ والذین ھم علی صلوٰتھم یحافظون ۘ اولٰئک ھم الوارثون ۙ الذین یرثون الفردوس ۭ ھم فیھا خلدون۔ (ترجمہ۔ ایمان والے (اپنی) مُراد کو پہنچ گئے۔ یہ (وہ لوگ ہیں) جو اپنی نماز میں عاجزی کرتے۔ نکمّی باتوں کی طرف رُخ نہ کرتے۔ زکوٰۃ دیا کرتے۔ شرمگاہوں کی حفاظت

کرتے (سوائے اپنی بیبیوں یا اپنے ہاتھ کے مال (یعنی لونڈیوں) سے کہ ان پر کچھ الزام نہیں لیکن جو اس کے علاوہ طلبگار ہوں تو وہی لوگ حد (شرع) سے باہر نکلے ہوئے ہیں) اور جو اپنی امانتوں اور عہد کو ملحوظ رکھتے نمازوں کے پابند ہوتے یہی لوگ وارث ہیں۔ اور یہی بہشت بریں کی میراث پائیں گے۔ اور اسمیں ہمیشہ رہینگے" انہی مسلمانوں کا ذکر کرتے سورۂ الفرقان میں فرمایا۔

وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونا واذا خاطبھم الجٰھلون قالوا سلماً ۝ والذین یبیتون لربھم سجدا وقیاما ۝ والذین یقولون ربنا اصرف عنا عذاب جھنم ان عذابھا کان غراما ۝ انھا سآءت مستقرا ومقاما ۝ والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذالک قواما ۝ والذین لا یدعون مع اللہ الٰھا اٰخر ولا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق ولا یزنون ومن یفعل ذالک یلق اثاما۔ ترجمہ۔ رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلیں۔ اور جب جاہل ان سے (جہالت کی بات کرنے لگیں تو اُن کو سلام کریں اور الگ ہو جاویں) اور جو راتوں کو اپنے پروردگار کے آگے سجدے کریں اور کھڑے رہیں۔ وہ جو دُعائیں مانگا کریں۔ کہ اے ہمارے رب عذاب دوزخ کو ہم سے پرے رکھیو دوزخ کا عذاب بڑی مصیبت ہے۔ اور خواہ تھوڑی دیر ٹھیرنا ہو یا ہمیشہ رہنا ہو (دونوں حالتوں میں) بُری جگہ ہے۔ اور جو خرچ کرنے لگیں تو فضول خرچی نہ کریں اور نہ بہت تنگی کریں بلکہ انکا خرچ افراط تفریط سے بچ کر درمیان بیچ کی راس کا ہو۔ اور جو خدا کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکاریں اور ناحق کسی شخص کو جان سے نہ ماریں کہ اسکو خدا نے حرام کیا ہے۔ اور نہ زنا کے مرتکب ہوں اور جو کل کوئی مذکورہ بالا (شرک وغیرہ) کریگا۔ وہ اپنے گناہوں کا خمیازہ بھگتیگا

پھر سورۂ رعد میں مومنین کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

الذین یوفون بعھد اللہ ولا ینقضون المیثاق۔ والذین یصلون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویخشون ربھم ویخافون سوء الحساب۔ والذین

صبروا ابتغاء وجہ ربھم واقاموا الصلوٰۃ وانفقوا مما رزقنٰھم سرًّا وعلانیۃً ویدرءون بالحسنۃ السیئۃ اولٰئک لھم عقبی الدار ٭ جنّٰت عدنٍ یدخلونھا ومن صلح من اٰبائھم وازواجھم وذرّیّٰتھم والملٰئکۃ یدخلون علیھم من کل باب ٭ سلٰم علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار (ترجمہ - وہ لوگ جو اللہ کے عہد پورا کرتے ہیں - اور اقرار نہیں توڑتے اور جو تعلقات اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے جوڑتے ہیں - اور اپنے پروردگار سے ڈرتے اور قیامت کے حساب کا اندیشہ رکھتے ہیں جنہوں نے اللہ کی رضا کیلئے تکالیف پر صبر کیا نمازیں پڑھیں اور جو ہم نے اُن کو رزق دیا اسمیں سے ظاہرا اور پوشیدہ خرچ کیا - جو بُرائی کے مقابلہ میں نیکی کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کا انجام اچھا ہوگا ہمیشگی کے باغوں میں جائیں گے - اور ان کے بڑوں اور بیویوں اور اولاد میں سے جو نیک ہونگے (وہ اُن کے ساتھ جائیں گے) اور جنت کے دروازے سے فرشتہ اُن کے پاس آکر سلام وعلیک کریں گے - اور کہیں گے دنیا میں جو تم نے صبر کیا یہ اس کا اجر ہے تمہاری دُنیا کا انجام کیا اچھا ہوا) +

عوام کو نبی کریم کا تلوار کا استعمال کرنا بڑا ہی عجیب معلوم ہوتا ہے - ان کم عقلوں کو چاہئے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے مشن کا صحیح اندازہ لگائیں تو ان کو معلوم ہوگا - کہ محمد صلعم آیت اللہ تھے - وہ خدا کی صفات کے کامل مظہر تھے - اور بدیں وجہ آپ کو دکھانا تھا کہ لڑائی اور جنگ ہر حالت میں گناہ اور قابل ترک نہیں اور قانون ہلاکت جو دنیا میں چاروں طرف نظر آتا ہے اس سے خالق کی خیر خواہی یا قادر مطلق ہونے پر حرف نہیں آسکتا - اور اگر محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی جنگوں میں جن کی غرض حق اور انصاف کا قائم کرنا اور دنیا کے لئے نمونہ قائم کرنا تھا - اگر ان جنگوں میں چند سو آدمی مر گئے - تو کیا ہوا ان چند جانوں کی قربانی کے عوض میں لکھو کھا آدمی اور تمام آنیوالی نسلوں کے لئے نیکی اور اعلیٰ اخلاق کے نمونے قائم کئے - اور نسل انسانی اپنی گری ہوئی حالت سے نکلکر ایک اعلیٰ مقام پر متمکن ہوگئی - جناب بدھ نے سوائے نفس کشی کے کچھ نہ بتایا - اور جناب مسیح نے بھی ترک دنیا ہی کا راگ سُنایا حتےٰ کہ خدا کی راہ میں مخنث تک بننے کی نصیحت کی - اور برخلاف ان کے محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو انسان بلکہ کامل انسان بنانے کی کوشش

کی اور بنا کر دکھا دیا۔ جناب بدھ نے طرح طرح کے جگ اور تپ سکھائے اور خود بھی تارک الدنیا ہو گیا۔ اور جناب مسیح قربانی کی تعلیم دیتے دیتے خود قربان ہو گئے لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فطرت انسانی کی اصلاح کی۔ خدا کی بڑائی اور انسان کی ہمسری کی تعلیم دی۔ اور جو کہا اس کو اپنے عمل سے ثابت کر کے دکھا دیا۔ کسی مقصد اعلیٰ کے لئے جان دیدینا اور صداقت کی تبلیغ میں مر جانا تو کچھ مشکل کام نہیں۔ ہاں منزل مقصود پا کر پھر اپنی تعلیم پر عمل کر کے دکھانا اور اپنے رویہ کو نہ بدلنا یہ بات ذرا کارے دارد اور بڑی ہی مشکل ہے +

نبی کریم سے پہلے لوگ مذہب کو ایک خواب و خیال سمجھتے تھے۔ آپ نے ثابت کر کے دکھایا کہ مذہب ایک حقیقت اور قابل عمل اصلیت ہے۔ آپ نے یہ بات لوگوں کے دلوں میں مضبوط کر دی۔ کہ خدا انسانوں سے بیحد پیار کرتا ہے۔ بشرطیکہ انسان اس کے بنائے ہوئے رستوں پر عمل کرے۔ آپ نے دکھا دیا۔ کہ خیر خواہی اور بھلائی کا وعدہ جو خدائے خالق نے تمام الہامی کتابوں میں دیا۔ اس کے پورے ہونے کیلئے بعد الموت زندگی کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اگر کوئی فرد بشر یا قوم صراط مستقیم پر چلے تو اسی دُنیا میں فلاح اور ابدی خوشی حاصل کر لیگا نبی کریم نے زندگی بسر کرنے کے قانون ہی نہیں بتائے۔ بلکہ ایک مفید اور کارآمد زندگی بسر کر کے دکھا دی اور آپ کا اسوہ حسنہ دیکھ کر آپ کی ساری قوم دُنیا کے لئے نمونہ بن گئی۔ آپ نے خوشی فلاح اور نجات ڈھونڈنے کیلئے لوگوں کو سلطنت چھوڑنے بچوں اور بیوی سے قطع تعلق کرنے والدین اور رشتہ داروں کو خیر باد کہنے یا دیگر انسانوں سے بالکل الگ ہو کر غاروں اور پہاڑوں کی خلوت ڈھونڈھنے کی راہ ہرگز نہیں بتائی۔ برخلاف اسکے آپ ہمیشہ اپنے پیروؤں کو ایکدوسرے کی مدد کرنے والدین کی عزت کرنے بڑھاپے میں اُن کے ناز اُٹھانے۔ بیوی بچوں کی راحت کے سامان مہیا کرنے۔ دوستوں سے وفا کرنے۔ ایک امن پسند اور قابل باشندہ ہونے اور نسل انسانی کی اصلاح کے لئے ملکر کوشش کرنے کی وعظ و نصیحت کرتے رہے +

باقی آیندہ

ہستی باریتعالےٰ

ذیل میں ہم اُس کامیاب لیکچر مندرجہ اسلامک ریویو مجریہ ماہ مئی کا ترجمہ ہدیہ قارئین کرتے ہیں جو خواجہ صاحب نے ایک دہریہ انجمن کے سامنے ان کی استدعا پر دیا۔ یہ لیکچر ۳ مارچ ۱۹۱۸ء کو بمقام ۱۴۱ ۲ میریلی بون لنڈن ہؤا۔ ماہ فروری میں خواجہ صاحب اور چند نومسلم دوست ایکدفعہ انجمن مذکور میں گئے جہاں انجمن ہٰذا کا پریزیڈنٹ حسب معمول ہستی باریتعالیٰ کے مُتعلق عیسائی نکتہ خیال پر نکتہ چینی کر رہا تھا۔ اسکی تقریر کے بعد جب حاضرین کو رائے زنی کا موقعہ دیا گیا تو خواجہ صاحب نے مختلف وجوہ سے پریزیڈنٹ مذکور سے اتفاق کرکے اخیر میں یہ بیان کیا کہ اگر عیسائی نکتہ خیال کے ماتحت انسان ہستی باریتعالیٰ سے اِنکار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ خدا کا وجود ہی کوئی نہیں ۔میں مسلم ہوں۔ اور میں خدا کی ہستی کا قایل ہوں۔ اور مجھے علم جدید کا مطالعہ اس خدا کی ہستی پر ایمان لانے کے لئے مجبور ہے۔ جس کا نقشہ مختلف رنگوں میں قرآن کریم نے کھینچا ہے۔ خواجہ صاحب کے اس بیان پر وہ انجمن چوکنی ہو گئی اور انہوں نے بیک زبان خواجہ صاحب کو کہا۔ کہ ہم حیران ہیں کہ آپ جیسا پڑھا لکھا انسان جیسے کہ آپ کی آج کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے کس طرح خدا کی ہستی کا قائل ہو سکتا ہے۔ ہم آپ کو چیلنج کرتے ہیں۔ کہ آپ اس پلیٹ فارم پر آئیں۔ اور ہمیں اپنے قایل ہونے کے وجوہ بتلائیں چنانچہ اس امر کے لئے دو تاریخیں مقرر ہوئیں ۔۳ مارچ اور ۲۸ مارچ کو یہ لیکچر ہؤا۔ اور یہ دندان شکن ثابت ہؤا اوّل تو لیکچر کے بعد جو سوالات ہوئے ان میں لیکچر پر مطلق جرح نہیں کی گئی پھر اس کے بعد دوسرے ہفتوں انھوں نے کہلا بھیجا کہ ہم کسی اور ضروری بحث کی وجہ سے آپ کو یہ تاریخ دینے سے قاصر ہیں۔ اصل بات جیسا کہ ہمیں خواجہ صاحب کی چٹھی سے معلوم ہوا یہ ہے کہ اس لیکچر نے حاضرین پر دہریت کے خلاف بہت عمدہ اثر کیا جس سے منتظمینِ انجمن مذکور بہت گھبرا گئے اور اس طرح ٹال دیا +

اب ہم ذیل میں اِس لیکچر کا ترجمہ دیتے ہیں :-

ومن یؤمن باللہ ویکفر بالطاغوت

اگر تھی ازم (خدا پرستی) سے مراد کسی معبود کی ہستی کو تسلیم کر لینا اور ایتھی ازم (دہریت) سے مراد اس معبود کی ہستی سے انکار ہے۔ اور اگر ایسے معبود کے متعلق ایک معقول علم دراصل ہمارا وہ علم ہے جو مختلف مذاہب و ملل نے ہمیں اس معبود کی صفات کے دے رکھا ہے (یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا کے متعلق اسکی ذات کے سوا ہم اور کچھ نہیں سمجھ سکتے) تو پھر ایک مسلم ہونے کی حیثیت میں ایک معبود کا قائل بھی ہوں۔ اور اس سے منکر بھی۔ میں تھی ازم کا حامی بھی ہوں۔ اور ایتھی ازم کا معترف بھی۔ اگر خدا وہ ہے جس کی بہترین صفات کا ظہور صلیب پر ہوا اگر خدا وہ ہے جس کی پدرانہ محبت نے اپنے اکلوتے بیٹے کو انسان کی نجات کے لئے سُولی پر کھینچا اگر خدا وہ ہے جس نے میری فطرت ایسی نا مکمل بنائی کہ اسمیں جبلّاً گناہ رکھ دیا اور پھر جب میں اس فطرتی تقاضے کے ماتحت گناہ کا مرتکب ہوا تو مجھے مجرم ٹھیرا کر سزا دینے کیلئے تیار ہو گیا۔ اگر خدا وہ ذات ہے کہ جس کی کسی خاص صفت کے ظہور پر ایمان لانے سے انسان میں ایک ایسی معجزنما تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے اس کے سارے بُرے اعمال مُبدّل بحسنات ہو جاتے ہیں۔ اور اگر وہ اس امر پر ایمان نہ لائے (کفارے پر) تو اُسکے نیک اعمال بالکل رائیگاں ہو جاتے ہیں۔ ہاں اگر خدا وہ ہے جو نہ خود قانون پر چلتا ہے۔ اور نہ قانون پر چلنے والوں کی عزت اور قدر کرتا ہے۔ بلکہ جس نے انسان کو فطرتاً گناہگار بنایا اور جس کے ہاں نجات کا گر کسی مفروضہ بات پر ایمان لانے سے حاصل ہوتا ہے۔ اگر خدا وہ ہے جس نے ایک دفعہ انسان کو شریعت دی جس پر انسان نہ چل سکا (یعنی خدا کو انسانوں کی استعداد کی خبر ہی نہ تھی) پھر ایک مدت کے بعد سے کسی اور طریقہ نجات کی فکر پڑی۔ ایسا ہی اگر خدا وہ ہستی ہے جو پرسنل ہے۔ جو انسانی جذبات اور کمزوریوں سے خالی نہیں۔ اگر اس نے خود ہی بدی کو پیدا کیا۔ اور پھر خود ہی اس کا مقابلہ نہ کیا اور اس پُتلہ یہ کہ بدی کے آگے سر تسلیم خم کرنے میں اپنی فتح سمجھی۔ جو اپنی ہستی منوانے کیلئے معجزات کا محتاج ہے۔ اور مجھ کو عقل و درک دیکر مجھے ایسے عقائد منوانا چاہتا ہے۔ جس سے میری عقل کا نقصان ہو تو میں ایسے معبود اور

اسکی معرفت سے بیزار۔ میں خوش ہوں اگر کوئی مجھے ایسے معبود کا منکر اور کافر کہے۔ قرآن کریم بھی مجھے ایسا کرنے کی اجازت دیتا ہے بلکہ کے پرستار بننے سے تو کفر ہزار درجہ بہتر ہے فرماتا ہے ومن یومن باللہ ویکفر بالطاغوت +

لیکن اگر خدا وہ پاک ہستی ہے جس کے وجود اور کام کی شہادت صحیفہ قدرت کا پتہ پتہ دیتا ہے۔ جو ان تمام قوانین کا سرچشمہ ہے۔ جو کائنات پر حکمران ہیں۔ اور جن کے توڑنے کا نام ہی گناہ اور بدی ہے۔ جس نے ہر ایک چیز کی فطرت میں کمال تک پہنچنے کے جوہر رکھ دیئے جس نے ہر ایک چیز میں نمو کی خاصیت اور اس کو معراج ترقی پر پہنچانے کا راستہ مقرر کر دیا ہے۔ جس نے ان ضروریات اسباب بھی پہلے ہی سے پیدا کر دیئے ہیں جو ہر ایک چیز کو کمال تک پہنچانے کے لئے لاحق ہوتی ہیں۔ جس نے ایک طرف اگر چیزوں میں مختلف استعدادیں اور انفعالی طاقتیں رکھ دیں تو دوسری طرف دوسری چیزوں میں فاعلی قوے پیدا کر دیئے۔ جس نے ایک ہی مادے اور قوت کے صحیح اندازے کو مفید اور غلط اندازے کو غیر مفید بنا کر ہر ایک چیز میں اول الذکر کے قبول کرنے اور آخر الذکر سے بچنے کی استعداد جبلاً ڈال دی۔ جس نے میری فطرت کو مکمل بنایا مجھے اعلےٰ درجے کے روحانی اور جسمانی قوے دیئے۔ اور قوانین پر چلنا میری خلقت میں ڈال کے مجھے بالطبع معصوم بنایا۔ جس نے مجھ کو لامحدود ترقیات کی استعداد عطا کی۔ اور ان ترقیات کو چند مقررہ قوانین کی پیروی سے وابستہ کیا۔ پھر ان قوانین کا مجھے علم دیا یا انکو دریافت کرنیکا راستہ بتایا۔ وہ خدا جو انسانی جذبات اور انسانی نقائص سے پاک ہے جسکی خوشنودی کے معنے یہ ہیں۔ کہ میں اپنی استعدادی قوتوں اور طاقتونکو فعل میں لاؤں۔ اور جس کے قہر و غضب سے مراد میرا قوانین کو توڑنا جسکے عوض سے ثواب یعنی میری استعدادوں کی تکمیل اور جس کا عذاب میرے اپنے نقائص یا مخالفت قانون کا نتیجہ ہوتا ہے یہ ہے وہ خدا اور یہ ہے میرا معبود اُس کی ذات پر ایمان لانا میرے لئے باعث فخر و ناز ہے۔ اور اس کا پتہ مجھے قرآن نے اپنی پہلی سطر میں بتایا۔ اور جس کی تشریح مختلف طرزوں میں ایک طرف قرآن نے اور دوسری طرف صحیفۂ قدرت کے ذرہ ذرہ نے کی +

آج جو کچھ میں آپ صاحبان کے سامنے پیش کرونگا۔ اس کا ماخذ قرآن ہی ہوگا۔ اگر ایک کتاب خدا کی طرف سے ہونے کا دعویٰ کرتی ہے تو اس کا فرض ہے کہ پہلے خدا کی ہستی کو ثابت کرے۔ اسکو سمجھنے کیلئے میری عقل یا منطق کی ضرورت نہیں ہونی چاہئے۔ اسکو خود اپنا پیرو کار بن کر مخالفوں کو قائل کرنا چاہئے۔ اور یہ صفت میں نے صرف قرآن ہی میں پائی جو کچھ بھی قرآن سکھاتا ہے۔ اور جتنے اصول باندھتا ہے۔ ان سب کا ثبوت خود دیتا ہے۔ وہ اپنے احکام کو ٹھیک اور مفید ثابت کرنے کیلئے اپنے پیرؤں کا محتاج اور وعظوں کا دست نگر نہیں ✦

اس وقت اگر آپ صاحبان اپنے دل کو ان تمام خیالات سے یکدم پاک کرلیں جو آپنے بچپن سے خدا کے متعلق عیسائی دُنیا سے سیکھے اور جن پر آپ کا ایک مُدت تک ایمان رہا اور جن خیالات کی تردید صحیفۂ قُدرت اور سائنس نے کردی۔ اور جن کو آپ نے مجبور ہوکر ترک کیا۔ اور یہی نہیں بلکہ یہ نفرت اور بیزاری اس حد تک بڑھی کہ آج آپنے خود خدا سے بھی انکار کردیا۔ بہرحال میں چاہتا ہوں کہ آپ خالی الذہن ہوکر اور تعصب سے دل کو پاک کرکے ٹھنڈے دل کے ساتھ مجھ سے اس خدا کا حال سُنیں جس کا ذکر قرآن کرتا ہے ✦

وہ خدا جس کی ہستی قرآن منواتا ہے اس کا پتہ قرآن کریم اپنی پہلی آیت میں چار صفات بیان کرکے دیتا ہے۔ یہ چار صفات دیگر ننانویں صفات باریتعالیٰ کیلئے جن کا ذکر قرآن نے جابجا کیا ہے۔ بطور ام الصفات ہیں۔ وہ چار صفات رب العلمین۔ رحمٰن رحیم۔ مالک یوم الدین ہیں سب سے پہلے میں صفت رب العالمین لیتا ہے۔ عالمین سے مُراد یہاں نہ صرف مختلف طبقات ہیں۔ بلکہ ہر ایک چیز بذات خود ایک دُنیا ہے۔ اور رب کے معنی صرف پیدا کرنیوالا ہی نہیں۔ بلکہ وہ ذات جو ہر چیز میں کمال تک پہنچنے کی طاقت ڈالتا ہے۔ اور اسکو کمال تک پہنچانے کے اسباب بھی مُہیا کرتا ہے۔ اس لفظ کی تشریح میں ذیل کی عبارت قرآن کی ایک لغت مفردات راغب میں سے نقل کرتا ہوں اور جس کا مؤلف امام راغب اصفہانی آج سے صدیوں پہلے گذرا ہے جبکہ ارتقاء للنسان کا وہم وگمان بھی کسی کے دماغ میں نہ گذرا تھا۔ ربوبیت کے معنے کسی چیز کا

ان تمام مدارج میں پرورش دینا ہے۔ جن میں سے یکے بعد دیگرے ہوکر وہ اپنے اصلی نمو اور کمال تک پہنچ جائے۔ ان جلی الفاظ کو آنکھیں کھولکر دیکھو کیا یہ تمام مسئلہ ارتقا (تھیوری آف ایولیوشن) کی حقیقت اپنے اندر لئے ہوئے نہیں۔ اور آج یورپ نے اس کو اپنے تمام علوم کی جان قرار دیا۔ لفظ ربوبیت کے معنوں میں نہ صرف پیدائش اور پرورش ہی شامل ہے بلکہ ان تمام قواعد اور طریقوں کا تجویز کرنا اور پھر ان میں سے کسی چیز کا کمال تک پہنچانے کیلئے گذارنا بھی شامل ہے۔ یہ معنی بھی آپ لفظ ربّ کی ذیل میں ایک عربی لغت تاج العروس میں پائیں گے۔ لہٰذا لفظ رب کے معنی پیدا کرنے والا۔ پرورش کرنیوالا۔ کمال حقیقی تک پہنچانیوالا۔ اس امر کے لئے قوانین مرتب کرنے اور ان قوانین پر چیزوں کو چلانیوالا +

جب ہم صحیفۂ قدرت اور نشاء عالم کو علمی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور ان تمام مراحل پر غور کرتے ہیں۔ جن میں سے ذرات عالم ایتھر سے چلکر انسانی قالب تک پہنچتے ہیں۔ تو ہم حیران رہ جاتے ہیں۔ کہ کس طرح ہر ایک منزل اور مرحلہ پر مختلف صورتیں شکلیں اور مقررہ ترکیبیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ذرات مقررہ قواعد اور طریق کے ماتحت مختلف لیکن مقررہ اندازوں میں ترکیب پاکر مختلف عناصر پیدا کردیتے ہیں۔ پھر یہ عناصر از سر نو مختلف لیکن مقررہ اندازوں پر نئی ترکیبیں پاکر مادہ کی مختلف شکلیں پیدا کرتے ہیں۔ اور ہوتے ہوتے انسان کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ اور تعجب کی بات یہ ہے۔ کہ تمام حالات اور مدارج میں یہ قوانین اور قواعد مقررہ اور اٹل ہیں۔ یہ سب باتیں گویا پہلے ہی سے مقرر شدہ ہیں۔ جہاں جاؤ مادہ کو اسکی ہر حالت میں قوانین کی زنجیر سے جکڑا ہوا پاؤ گے۔ فرمایا وللہ یسجد ما فی السموات والارض طوعاً وکرھاً۔ یعنی جو کچھ آسمان زمین میں ہے وہ سب اللہ کے آگے سربسجود ہے۔ انکار تو کیا دم تک نہیں مار سکتا +

اس قسم کی بہت سی آیتیں قرآن کریم میں ہیں۔ جو اس حکومت قانون کی طرف اشارہ

کرتی ہیں۔ جن کی اطاعت مادہ ہر ایک شکل میں بلا حیل و حجت کر رہا ہے۔ جدید سائنس کی معلومات جنہوں نے ہم لوگوں کو اس قدر حیرت میں ڈال رکھا ہے۔ یہ کوئی چیز خود پیدا نہیں کرتے۔ . . . . یہ تو ان قوانین کی دریافت کا نام ہے۔ جو پہلے ہی سے موجود ہیں اور جن کے ماتحت فضائے عالم میں مادہ مختلف ہیولے بدل رہا ہے بہرحال جسقدر سائنٹیفک تحقیق ہو رہی ہے اس سے یہی ثابت ہو رہا ہے۔ کہ ہر ایک عنصر اور ذرے کا نشو و نما حرکت سکون سب کسی نہ کسی قانون کے ماتحت ہو رہا ہے۔ جس بات کو کل اتفاق حوادث و نیچر کے شعبدے سمجھا جاتا تھا۔ وہی آج مقررہ اور معین قوانین کا نتیجہ ثابت ہو رہی ہیں۔ اور گذشتہ نسل کے محققین کی تھیوریوں کو بدلکر موجودہ نسل کے محققین کو ماننا پڑا ہے کہ قانون اور مادہ دو الگ الگ چیزیں نہیں۔ بلکہ اُن کی ترقی ایکدوسرے کے ساتھ وابستہ اور پیوستہ ہے۔ یا یوں کہیئے کہ تمام دُنیا نے قانون کی حکومت کا جُوا تسلیم کر لیا ہے۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ آیا یہ سب کا سب محض ایک اتفاق ہے۔ یہ کائنات کسی ارادہ کے ماتحت پیدا ہوئی۔ آیا سلسلۂ علت و معلول عمل میں آیا۔ یہ مادہ خود ہی سب کچھ ہے۔ خود ہی علت خود ہی معلول +

تم نے اس کا نام ایک مشین (میکنزم) قرار دیا ہے۔ لیکن کیا تم کسی مشین کو دماغ سے الگ قیاس میں لا سکتے ہو۔ آہ ہم کس قدر متضاد باتیں مُنہ سے نکالتے ہیں۔ اور کس طرح معمولی سے معمولی بات میں غلطیاں کر جاتے ہیں۔ جہاں کہیں ہم کسی انسان کے ہاتھ کی بنی ہُوئی مشین کا تصوّر کرتے ہیں۔ ہم اسکی بناوٹ کو قوانین اور اصُول جرِّ ثقیل کے ماتحت سمجھ کر فوراً ایک دل و دماغ کے وجود کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ جس نے ایسے اصول اور قوانین تجویز کیئے جو اس مشین کو وجود میں لائے۔ لیکن جب ہم قدرت کے زبردست ہاتھ کے کارناموں کو دیکھتے ہیں تو ہم باوجود اُن لکھا قوانین کے جاننے کے جو کائنات کے مختلف پہلوؤں اور حصّوں پر حکومت کرتے اور انکو وجود میں لاتے نظر آتے ہیں۔ اور طرفہ یہ کہ ان قوانین مختلفہ کو ایکدوسرے سے تمیز کرنے کیلئے ہم نے ان کے مختلف نام بھی تجویز کر رکھے ہیں مثلاً قانون انجماد (لاء آف کنڈینسیشن) قانون ثقل (لاء آف گریویٹیشن)

قانون مواصلت (لاء آف افینٹی) قانون تغیر (لاء آف ریور سیبلٹی) قانون مماثلت (لاء آف ہارمنی) وغیرہ وغیرہ۔ ہم نے اس طرح قوانین تو تسلیم کر لیئے لیکن ہم قانون کو مادے سے جدا کرتے ہوئے یا مادہ پر قانون کی تقدیم تسلیم کرتے ہوئے سخت گھبراتے ہیں۔ اسی لئے ہیکل وغیرہ نے مجبوراً یہ کہا کہ قانون اور مادہ ایک چیز ہیں۔ اور یہ گھبراہٹ ہمیں اسلئے ہے کہ ایک دفعہ ہم نے قانون کو مادے سے جدا کیا تو ہمیں قانون کو مادہ پر مقدم ماننا پڑیگا۔ اور جب قانون مادے سے جدا اور مقدم ہوا تو ضرور تاً قانون کے ساتھ ہمیں مادہ پر ایک دماغ ایک ارادہ کی تقدیم تسلیم کرنی ہوگی۔ اور ساتھ ہی ایک مقنن کی ہستی کو چاہتا ہے +

آج سے پچاس سال پہلے تمام سائنس کی تحقیق کی انتہا مسئلہ (اٹامک تھیوری) تھی۔ یعنی پیدائش عالم کا ظہور ذرات سے ہوا۔ گویا ذرہ ہی ہمارا بڑا خدا تھا۔ اور اسی ذرہ کی بلا ارادہ اور اتفاقیہ حرکت کا نام قانون ہے۔ یا بہ الفاظ دیگر بلا کسی تدبیر و تجویز ذرات عالم نے مختلف ہیولے بدلے اور جو جو طریق ان ہیولوں میں اختیار کیئے وہی آیندہ کیلئے قانون بن گئے۔ لیکن بعد کی تحقیقات نے آج یہ ثابت کر دیا۔ کہ یہ ذرات بھی قانون کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ یہ قانون کے موجد نہیں۔ بلکہ قانون کے غلام ہیں ان ذرات کی ابتدا ذرات برقی (الیکٹرن) ثابت ہوئے۔ یہ الیکٹرن مقررہ قوانین کے ماتحت مقررہ اندازوں پر ایک دوسرے سے ترکیب پاکر یہی ذرات ایتھر پیدا کر دیتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ یہ ذرات برقی بذات خود موجود ہیں۔ اور ان کے مولد ذرات ایتھر ہیں جن کا انجماد خاص طریقوں پر جو مقررہ اور لا تبدیل ہیں ہر وقت ہوتا رہتا ہے لیکن کیا یہ ایتھر جو اس وقت کل کائنات کا مبداء قرار دیا گیا ہے بذات خود قانون کی اطاعت سے باہر ہے۔ اگرچہ ایتھر اس وقت عام طور پر ناقابل وزن قرار دیا گیا ہے۔ لیکن پھر بھی اس کا حجم اور وزن دریافت کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ روشنی کے اصول اور برقی رو کی امداد سے یہ قرار دیا گیا ہے کہ ایتھر کرہ ہمارے کرہ ہوا سے ایک کھرب پچاس ارب حجم میں زیادہ ہے۔ اور اگر ایتھر کا ایک کرہ ارضی کرہ کے حجم جتنا بنایا جائے تو اس کا وزن دو صد پچاس پونڈ ہوگا۔ اس قسم کی تحقیقات اور تجربوں نے آخر اس ایتھر کو بھی ابدی قوانین

سے جکڑا ہوا ثابت کیا۔ لہذا یہ کہنا غلط ہے کہ قانون اس راستہ اور طریق کا نام ہے جو مادہ نے نشاءِ عالم میں مختلف ہیولے بدلتے ہوئے خود اختیار کر لیا۔ بلکہ قانون تو شروع سے مادہ سے جدا در مادہ پر حکومت کرتا نظر آ رہا ہے۔ میں نے ابھی اوپر کہا ہے کہ کیوں ایک محقق سائنٹسٹ جو ہستئ باریتعالی سے منکر ہے قانون کی اس تقدیم کو تسلیم کرنے سے گھبراتا ہے کیونکہ اس تسلیم سے ایک ارادہ اور عقل کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اب یہ سائنسدان ایک اور حیلے میں لگ گئے ہیں۔ پروفیسر ہیکل اور دیگر ماہران سائنس اب مادہ اور قوت کو الگ الگ نہیں سمجھتے۔ اور ان کے کام کا نام وہ قانون تجویز کرتے ہیں۔ اب مادہ اور قوت ایکدوسرے کے جُزو ہیں۔ قانون اُن کی فطرت میں ہے اور اس سے جدا نہیں گویا قانون انکی رُوح ہے۔ اِس طرح اس جدید توحید مادہ پرستی (فزیکو مونوازم) کے ماتحت کائنات کا مبداء ایک ایسی چیز کو قرار دیا گیا ہے۔ جس کا نام پروفیسر ہیکل لاءِ سبٹنس سیئت قانونیہ قرار دیتا ہے۔ بس صرف ایک ہی قدم آگے چلنے کی ضرورت ہے اور یہ ہمارے دوست یعنی ماہران سائنس اس خدائے قدوس کے آگے سر جھکاتے نظر آئیں گے جس کا ذکر قرآن نے کیا ہے۔ سائنسدان علت العلل کو یعنی جس سے تمام چیزیں نکلیں اسکو بذاتِ خود پیدا شدہ اور دوسروں کا خالق مانتے ہیں اسے قائم بالذات اور دوسروں کو قائم کرنیوالا تجویز کرتے ہیں۔ اس کا ہر جگہ ہونا اور ہر چیز پر حاوی ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ اس کا غیر فانی اور ابدی و ازلی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اب ذرا ان صفات کے ساتھ۔ جو سائنس نے اِس خیالی علت العلل کو دے رکھی ہیں ذیل کی صفات ملا دو یعنی اسکو علیم قدیر مدبر بالارادہ اور متقنن ازلی مان لو تو گویا تم نے قرآن اور اسلام کے خدا کو تسلیم کر لیا۔ اِس لاسبٹنس کی جگہ مبداءِ عالم کا نام لاسپرٹ (یعنی وہ رُوح جس نے قانون دئیے) رکھ لو تو پھر ہم اور تم ایک ہی کے توحید کے قائل ہو جاتے ہیں۔ اور ایک ہی رب العالمین کے آگے سر جُھکانے والے بن جاتے ہیں۔ جس نے مادہ کو مختلف سولوں میں جانے اور مختلف سکون کو پیدا کرنے کی استعداد دی۔ اور پھر اس استعداد کے نشو ونما پانے کے قانون اور اندازہ مقرر کر دیئے اور مادے کو قانُون کے ماتحت رکھ کر اسمیں قانون پر چلنے کی استعداد رکھ دی +

(باقی آئندہ)

باطنیاتِ اسلام

ذیل کا لیکچر جو اسلامک ریویو کے اپریل نمبر میں طبع ہوا خواجہ صاحب نے نیو لایٹ منسٹر چرچ میں بمقام ۶ گیلری اولڈ بونڈ سٹریٹ میں دیا۔ یہ ایک نئی مذہبی تحریک ان تحریکات جدیدہ میں سے ہیں جو اس وقت مغربی دل کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں۔ یہ لوگ درحصل مذاہب کی موجودہ شکل سے بیزار ہو کر نئے سبیلوں میں تسلی اور روحانی جذبات کو پورا کر رہے ہیں۔ ان کا تکلف خیال ابھی تک عیسائیت ہے لیکن مسیح اب خدا نہیں رہا۔ بلکہ جس خدا کا اظہار اسمیں ہوا اب وہ ان کے خیال میں سب انسانوں کیلئے ممکن الحصول ہے۔ یہ لیکچر بطور سرمن اتوار کی شام کو [illegible] دلچسپ بات اس لیکچر کے خاتمہ پر یہ ہوئی کہ اس گرجا کے بانی نے جو ایک امریکن صاحب ہیں۔ اور جن کا نام ڈاکٹر ملنر ہے سرمن کے بعد یہ کہا کہ یہ عجیب بات ہے کہ جس بات کو ہم نئی سمجھ رہے تھے۔ وہ اس سرمن کے سننے کے بعد نئی نہ رہی جس بات کو ہم نہایت مشکل سے یہاں کے لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں کیسے سادے طور پر اور واضح الفاظ میں اسلام کے مقدس بانی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے آج سے تیرہ سو برس پہلے بیان کر دی۔ اور کس طرح عام فہم الفاظ میں یہ روحانی حقیقت ہمارے سامنے آج رکھ دی گئی ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے یہ بھی کہا کہ اگر میں کُل جزیرہ برطانیہ کی تلاش اس نگاہ سے کرتا کہ کوئی ایسا شخص ملجائے۔ جو ہمارے مقصد کی بوجہ احسن وکالت کرے تو شاید اس بات سے بہتر نہ کرسکتا جو اتفاق سے میں نے آج اپنے معزز دوست امام مسجد ووکنگ کو بذریعہ تار بلانے میں کی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایڈیٹر

"خدا فرماتا ہے جب میں کسی انسان سے پیار کرتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے میں اسکی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ میں اس کے ہاتھ اور پاؤں ہو جاتا ہوں جن سے وہ چیزوں کو پکڑتا اور چلتا ہے +

خدا فرماتا ہے۔ اے انسان تو میری اور میرے احکام کی پیروی کر تو مجھ جیسا ہو جائیگا

اور تب تو کہیگا کُن اور وہ چیز (فیکون) ہو جاویگی" (از احادیث محمد صلے اللہ علیہ وسلم)
تیرہ صد برس ہوئے جب ایک اولو العزم پیغمبر حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ معنی خیز الفاظ اپنے دہن مبارک سے نکالے۔ روحانیت کی بابت آپ سے پہلے جو جو اشارات کنایات استعارےں تشبیہوں اور معمات میں حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ و دیگر انبیاء علیہما السلام علے نبینا نے کہا۔ اپنے اس راز سربستہ کو ان سادے لیکن جامع الفاظ میں کھول دیا۔ در اصل ان الفاظ نے نہایت بیّن طور پر ربانی مذہب کی غرض و غایت کو مخلوق الٰہی کے سامنے رکھدیا۔ اور یاد رکھو کہ تمام مذاہب اپنی اصلی شکل و صورت میں خدا کی طرف سے ہی آئے۔ انسانی آمیزش نے ان مذاہب میں اختلاف ڈالدیئے مذہب اگر اس روحانی کمال کا پتہ بتاتا ہے۔ جو ہر قسم کی معرفت اور تقویٰ کا انجام ہوتا ہے اس قسم کے ہادی دنیا میں وقتاً فوقتاً بشکل انسانی آتے رہے۔ آنحضرت صلعم جناب عیسیٰ جناب موسیٰ اور ایسا ہی دیگر انبیائے کرام اپنی زندگیوں سے اس شاہ راہ کو بتلا گئے جن پر انسان چلکر اس حقیقت کو پہنچ جائے۔ یہ بزرگ تو اپنا فرض منصبی بوجہ احسن ادا کر گئے لیکن افسوس ان پیچھے آنیوالوں پر جنہوں نے یہ راہ بھلادی اور گمراہی کی طرف چل دیئے اور بعض معلمان ربانی خدا بنا دیئے گئے۔ حالانکہ یہ معلّم ان جسمانی کمزوریوں سے خالی نہ تھے جو کُل بنی نوع انسان کو لاحق ہوتی ہیں۔ اور حق تو یہ ہے کہ اگر آنحضرت صلعم صاف صاف الفاظ میں بار بار مسئلہ توحید کو صاف نہ کرجاتے تو وہ پاکیزہ زندگی جو آپ نے بسر کی وہ معجزات جو آپ سے سرزد ہوئے۔ اور وہ فوق الارادہ کامیابی جو آپ کو اپنی زندگی میں حاصل ہوئی؟ اور جس کی نظیر انسانوں میں کوئی نظر نہیں آتی۔ یہ تمام باتیں اس قابل تھیں کہ اگر کوئی انسان دنیا میں خدا کا بیٹا کہلانے کا حقدار تھا۔ تو نبی کریم خود خدا سمجھے جانے کے شایاں تھے لیکن آنحضرت صلعم نے خود کلمۂ اسلام (تشہد) میں خدا کے نام کے ساتھ اپنے نام پر رسول اللہ اور عبد کا لفظ بڑھا دیا اور مسلم دنیا کو انسان پرستی کی ذلت سے بچایا +

یہ نہ سمجھنا کہ قرآن کریم میں جو بار بار وحدانیت الٰہی پر زور دیا گیا تو وہ اسلئے نہیں کہ ہمارا خدا کوئی حاسد خدا ہے۔ جیسا کہ توریت بیان کرتی ہے۔ اور اُسے یہ گھبراہٹ ہے کہ کوئی اور خدا

نہ بن جاوے۔ وہ تو ان باتوں سے غنی ہے توحید پر ایمان لانے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان ہر انسان کو اپنے برابر اور اپنا ہمرنگ سمجھے جس انسان کو تم آج خدا مان رہے ہو وہ کل تمہارے مواحد بننے پر تمہارے برابر نظر آویگا۔ جن کمالات نے تمہاری نگاہ میں اُسے خدا بنا رکھا تھا۔ انہی استعدادوں کا تم اپنے اندر موجود ہونا تسلیم کرلوگے تمہارا خدا پھر تمہارے لئے ایک نمونہ بن جاویگا اور تمہارے سامنے ان رُوحانی ترقیات کی ایک شاہراہ کھل جاوے گی۔ لیکن اگر تم نے اُسے خدا سمجھ لیا۔ اور اپنے آپ کو انسان تو اسکے کمالات کا تمہارے حدِ امکان سے باہر ہونا تم یقین کرلوگے۔ مسیح کے معجزات تو تم بھی کرسکتے ہو۔ ہاں ایمان عمل صالح نماز روزہ سے یہ بات حاصل ہو جاتی ہے۔ قربان جاؤں اس توحیدِ الٰہی کے حقیقی پیغامبر محمد صلعم پر جس نے یہ خوشخبری سُنا کر کہ انا بشر مثلکم میں تم جیسا بشر ہوں ہماری اُمیدوں کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا۔ جس کمال کے معراج پر آپ کھڑے ہیں وہاں تو ہم پہنچ نہ سکے لیکن آپ کے بیسیوں خیز الفاظ ہماری استعداد کو کس قدر بلند کر دیتے ہیں۔ اور ہر قسم کے شائبہ اور شکوک ایک طلسمات سے نکالکر امید کے دروازے پر لا کھڑا کرتے ہیں۔ آنحضرت صلعم مجھے یقین دلاتے ہیں کہ استعداد بشری میں میں اور آپ یکساں ہیں۔ میرا اور آپ کا نصب العین ایک ہے۔ اور ایک ہی قسم کی تکالیف اور جسمانی نقصائص ہمارے شامل حال ہیں*۔ اور یہی بات مسیح نے بھی کہی۔ لیکن جہالت اور

* یہاں کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ جب انسان انسان برابر ہیں تو کیوں نبوت کا سلسلہ یا نبوت ختم کیوں ہوگئی۔ جس قرآن کی آیت (انا البشر مثلکم) نے اس بیگانگت انسانی کی خوشخبری دی اُسی میں یہ ذکر ہے کہ نبوت اکتسابِ انسانی نہیں جو ہر ایک کیلئے کھلی ہو۔ بلکہ یہ ایک وہبی عطیہ ہے۔ فرمایا۔ قل انما انا بشر مثلکم یوحی الیّ انما الٰھکم الٰہ واحد لوگونکو کہدے کہ میں تم جیسا بشر ہوں لیکن خدا تعالےٰ نے مجھ پر وحی کی ہے کہ تمہارا خدا ایک خدا ہے +

رسالت ربّی۔ جو نبوت کے اصطلاحی معنے ہیں یعنی خدا کی طرف سے انسان کی طرف ہدایت لانا یہ امر انتخاب ربانی سے وابستہ ہیں۔ اسلئے کہ یہ امر کسبی نہیں بلکہ وہبی ہے۔ یہ ایک نہایت

خوش اعتقادی کا بڑا اہم ہے۔ جس نے اس کے سر پر وہ مڑھ دیا جس سے اسکو ہمیشہ انکار رہا
مسیح خدا ہو یا نہ ہو لیکن اس کا خدا ہونا میرے لئے تو کسی رنگ میں مفید نہیں۔ میں تو خدا بننے
سے رہا۔ پھر اس کا خدا بن کر بطور نمونہ میرے سامنے آنا میرے لئے محض بیکار اور فضول ہے
القصہ یہ سب انبیاء علیہم السلام خدا کی تصویر تھے۔ اور دوسروں کے لئے بطور اسوہ تھے
ان میں خدا کا رنگ تو پیدا ہو گیا لیکن وہ انسان کے انسان ہی رہے۔ یہی حقیقت مذہب ہے۔ اور
اسی کمال تک پہنچانے کے لئے انسان آیا۔ جیسا کہ آنحضرت صلعم نے اس حدیث میں فرمایا۔
جو میں اوپر بیان کر آیا ہوں۔ کہ خدا تعالے جب ہم کو پیار کرتا ہے تو ہمارے ہاتھ پاؤں اور
جوارح ہو جاتا ہے۔ ایک اور بھی روایت ہے۔ جس کے رُو سے خدا تعالے نے فرمایا مجھے یہ امر
محبوب تھا کہ میں اپنا اظہار کروں اسلئے انسان کو بنایا۔ لہذا انسان یا یوں کہو کہ کامل انسان
کا خدا کی تصویر پر پیدا ہونا خدا کی محبت اور الفت کا اظہار ہے۔ یہ صفت الٰہی کُل باطنیات
اسلام کی بنیاد ہے +

اب بڑے سے بڑا سوال یہ ہے کہ میں کس طرح اس مقام روحانیت پر پہنچوں کہ میں خدا کا
پیارا بن جاؤں۔ کیا میں زبانی تسبیح و حمد سے یا حلقوں میں بیٹھ کر* چند الفاظ دھرا لینے
سے یا خدا کا نام تسبیح کے دانوں پر رٹنے سے اس مقام پر پہنچ سکتا ہوں۔ یہ باتیں جو فائدہ

بقیہ حاشیہ

تک حاصل کرنے والی چیز اس کا دروازہ ہر ایک پر کھلا ہو جیسا کہ خدا تعالے نے فرمایا۔ ان اللہ یعلم
حیث یجعل رسالتہ ۔ سورہ الانعام آیت ۱۲۵ اللہ تعالے ہی بہتر جانتا ہے کہ کون رسالت کے قابل ہے
اب اگر دین مکمل ہو چکی ہے اور پیغام آچکا ہے جیسے کہ مسلمانوں کا عقیدہ قرآن کے متعلق ہے تو پھر باب
نبوت بھی بند ہو چکا ہے۔ لیکن نبوت کو اب ہم پانے کی قوت سے مخدوش کرنا چاہئے مکالمۂ الٰہی کا دروازہ
اسلامی عقائد کے بموجب ہمیشہ کھلا ہے۔ انسان خدا سے بات کر سکتا ہے۔ اور ہر انسان ایسے ہو سکتا ہے۔
ہاں قرآن نے وہ راہ بتلائے ہیں۔ جن سے انسان اس قابل ہو سکتا ہے +

* یہ اشارہ اس نئے طریق کی طرف ہے جو مشرق میں تو قدیم سے ہے لیکن مغرب میں اب شروع ہوا ہے۔
مثلاً یہ کیا جاتا ہے۔ کہ چند آدمی ایک حلقے میں بیٹھ جاتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ لیتے

سے خالی نہیں۔ یہ ایک قسم کی دلجمعی کی عادت ڈال دیتے ہیں لیکن اس سے آگے چلکر تو ان حلقوں اور تسبیح کے دانوں کا کوئی فائدہ نہیں۔ بلکہ ایک مدت کے بعد ان کا یہ نائٹ بھی جاتا رہتا ہے۔ یہ ایک قسم کی عادت میں داخل ہو جاتے ہیں جو کیفیت یہ پیدا کرتے تھے۔ اب وہ زائل ہو جاتی ہے۔ ہمارا حلقوں میں بیٹھنا یا تسبیح کے دانے شمار کرنا مجھے تبت کے لامہ ربنوں کا وہ پرخہ یاد دلاتا ہے جس پر وہ چند اسماء ربانی اپنے عقیدہ کے مطابق کسی کاغذ پر لکھ کر باندھ دیتے ہیں پھر چرخے کی دستی پھیرتے ہیں۔ اور اس طرح ایک دورہ میں کئی ہزار نام پڑھے ہوئے سمجھے جاتے ہیں۔ اور جتنی دفعہ انہوں نے کوئی مقدس نام لینا ہوتا ہے بہت تھوڑے وقت میں لیا جاتا ہے۔ یہ تسبیح کرنا یا کوئی الٰہی نام لینا دراصل ایک قسم کی طیاری ہے لیکن اس سے ایک انسان محبت الٰہی کا در نہیں پا سکتا۔ محبوب الٰہی بننے کیلئے کچھ اور بھی ضروری ہے۔ آؤ صحیفۂ قدرت کو دیکھیں کس طرح قانون کشش کے ماتحت ہمارے پاس اردگرد متجانس چیزیں ایک دوسرے کی طرف کھچی چلی آرہی ہیں۔ اور دنیا میں عجیب وغریب نتائج پیدا کرتی ہیں۔ دیکھو تمام کرۂ ہوائی بارش کے قطروں سے معمور موجود ہے۔ لیکن قطرات بارش اسی سرزمین کی طرف کھچے جاتے ہیں۔ جہاں کثرت سے درخت ہوں یہی نتیجہ [illegible] جو ذرات برقی کی طرح ہر جگہ خلا میں موجود ہیں۔ ہاں اس ربانی بجلی کے جذب کرنے کیلئے ایک کنڈکٹر (خاردار ساخ آہن جو بجلی کو جذب کر لیتی ہے) کی ضرورت ہے۔ جو ہمیں دل میں پیدا کرنی چاہئیے محبت سے جذب کرنے کیلئے ہمیں گوشۂ دل میں خود محبت پیدا کرنی ہے۔ محبت ہی محبت کو کھینچتی ہے۔ خدا کا محبوب وہی بنتا ہے جو خدا کا عاشق صادق ہو۔ پہلے خدا کو دل وجان سے چاہو پھر خدا کی محبت کا نام منہ سے لو۔ نبی کریمؐ نے اسی حقیقت کو مندرجہ ذیل الفاظ میں سنایا۔ فرمایا جو شخص ایک بالشت میری طرف آتا ہے۔ میں ایک گز اسکی طرف آتا ہوں جو ایک گز آتا ہے۔ میں اس کی طرف ایک فرلانگ آتا ہوں اور جو میری طرف آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا آتا ہے میں اسکی طرف دوڑتا ہوا آتا ہوں۔ یہ ہے اسلامی خدا کا نقشہ

بقیہ حاشیہ میں آنکھیں بند کر لیتے ہیں پھر انہیں کا مرشد یہ کہتا ہے اے خدا ہماری آنکھ ہو جا اے خدا ہماری زبان ہاتھ ہو جا اور یہی خیال کیا جاتا ہے کہ اس طرح وہ اس مقام کو پہنچ جاویگا۔ جس کی طرف خطیب اشارہ کرتا ہے +

اس کے برکات اور فضائل تو ضرور اس کی طرف آتے ہیں لیکن یہ میری حرکت اور کوشش کے بعد شروع ہوتے ہیں۔ خدا کا محبوب بننے کیلئے پہلے خود اسکی محبت سے سرشار ہو کر تن من دھن کو خیر باد کہو +

(باقی آیندہ)

سادگی ایمان

ذیل میں ہم وہ مکمل خیز لیکچر ہدیہ ناظرین کرتے ہیں جو جناب شیخ رحمت اللہ سیف الرحمان لارڈ ہیڈ الفاروق صاحب نے ۱۷ مارچ بروز اتوار کو لندن مسلم ہوس میں دیا:۔

چند روز کا ذکر ہے کہ میرے معزز مکرم بھائی جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے مجھے کہا کہ میں سادگی ایمان پر ایک مختصر سی تقریر کروں اپنے خیالات کے اظہار کرنے کا یہ موقع پا کر مجھے خوشی تو بہت ہوئی۔ لیکن ساتھ ہی مجھے یہ خیال بھی آگیا۔ کہ اس مضمون پر اچھی طرح بحث کرنے کیلئے میرے پاس کافی وقت نہیں۔ نیز یہ کوئی آسان امر نہیں کہ کسی خاص مذہب کی سادگی پر اس طرح رائے زنی کی جائے۔ کہ دیگر مذاہب پر کوئی زد نہ ہو اور نہ ہی ان لوگوں کو کوئی تکلیف ہو جن کا دل دکھانا میں ہرگز نہیں چاہتا۔ تاہم اس پُر آشوب زمانہ میں جب کہ ہم میں سے ہر ایک کو خوفناک خطروں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مذہبی خیالات کو ظاہر کرنے کی کوئی روک ٹوک ہونی چاہیئے اور اظہار رائے پر کوئی سختی بھی نہ ہونی چاہیئے۔ کیونکہ کون جانتا ہے کہ اظہار حق کی طاقت کب تک اس کے پاس رہیگی۔ اور اسی واسطے اب جبکہ اعلان حق کی طاقت ہم کو حاصل ہے ہمکو اس سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے اور ڈنکے کی چوٹ صداقت کو پھیلانا چاہیئے۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک آدمی کو مقدور بھی ہے۔ اور موقع بھی ہے کہ وہ نسل انسانی کی ترقی میں مدد دے۔ اور کوئی نیک کام کرے لیکن صرف لوگوں کی نقطہ چینی اور مخالفت سے ڈر کر وہ اس موقع کو کھو دیتا ہے۔ اور بعد میں دست تاسف ملتا رہجاتا ہے۔ اگر ہم کو یقین ہے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں۔ وہ ٹھیک اور خدا کی مرضی کے موافق ہے تو

میرے خیال میں یہی شہادت ہمارے لئے کافی دلیری اور جرأت کا سبب ہونی چاہئیے اور ہم کو تبلیغ حق سے نہ رُکنا چاہئیے +

بہت دن نہیں ہوئے کہ میں نے بڑی جُرات سے کام لیکر ایک لیڈی صاحب کو اسلامک ریویو کے چند مضامین پڑھنے اور ان پر غور کرنے کا مشورہ دیا۔ لیکن بدقسمتی سے یہ لیڈی صاحبہ مذہبی معاملات میں اس قدر متعصب اور تنگدل تھیں کہ سوائے اپنے بچپن کے مذہب کے کسی اور مذہب کی واقفیت حاصل کرنا وہ کُفر سمجھتی تھیں۔ اور ابھی تک اس بات پر تلی ہیں۔ کہ ہم مسلمان ہمیشہ ایک سے زیادہ بیویاں رکھتے ہیں۔ اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی پرستش کرتے ہیں۔ اور جب میں نے ذرا زیادہ جُرات کرکے ان کی غلط فہمی دُور کرنے کی کوشش کی تو انہوں نے فوراً کانوں میں اُنگلیاں رکھ لیں۔ اور کہنے لگیں کہ خدارا اس گفتگو کو بند کرو مجھے اس قسم کی کلام سُننے سے سخت تکلیف ہو رہی ہے۔ اس قسم کے تعصب اور اندھی تقلید کے مقابل میں ہر ایک انسان کی عقل چکرا جاتی ہے۔ اور میں نے اپنی زبان روک لی۔ مذہب یا بالفاظ دیگر اُن اعتقاد کا مجموعہ جو ہمارے تمام تعلقات زندگی میں ہمارے افعال کیلئے رہنما ہے۔ وہ سادہ اور عام فہم بھی ہوسکتا ہے لیکن ساتھ ہی بعض خود غرضانہ خلاف حکم خدا اور رسول اغراض کو مدنظر رکھ کر اسمیں ایسی پیچیدگیاں ڈالی جاسکتی ہیں جو انسانی عقل کے احاطے سے باہر ہوں +

بہت قدیم زمانے سے جبکہ انسانوں کو قربان کردینا کوئی ظلم نہ سمجھا جاتا تھا۔ آج تک بعض اصحاب جو اپنے آپ کو مستقبل اور غیب کا علم جاننے والے پیش کرتے ہیں ان سب کی پیش نظر ہمیشہ سے دُنیاوی اغراض ہی رہتے ہیں +

بہت ہی اوائل زمانے میں جبکہ مذہب کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ ان دنوں عوام کا یہ خیال تھا کہ خدا کی خفگی اور غضب کے دُور کرنے کا طریقہ کسی انسان یا جانور کو قربان کرنا ہے۔ اور یہ خونی قربانی مندرجہ ذیل طریقہ سے کیجاتی تھی۔ ایک بہت ہی ہونہار اور خوبصورت جوان کو چن کر اسکی خوب پرورش کیجاتی تھی۔ اور ہفتوں کے لئے اعلےٰ اعلےٰ کھانے اور نعمتیں اس کیلئے مُہیّا کی جاتی تھیں۔ پھر اسکو ایک پہاڑ کی چوٹی پر لیجا کر ایک پتھر کی سل پر باندھ دیا جاتا تھا

پھر ایک پجاری آگے بڑھ کر اپنے چقماقی چاقو سے اس کا سینہ چاک کر دیتا تھا +

پھر اس کے خون آلودہ دل کو آسمان کی طرف بلند کر کے تمام لوگ بڑی بلند آواز سے کہتے تھے "اب خدا کا غضب ٹھنڈا ہو گیا ہے"۔ ان سادہ لوحوں کو کبھی یہ خیال نہ آتا تھا کہ وہ خدا جو ایک خوفناک قتل کے واقع ہونے سے خوش ہوتا ہے۔ وہ ہرگز پرستش یا محبت کے قابل نہیں۔ اور ایسا خیال آبھی کیسے سکتا تھا جبکہ ظالم پجاری خفیہ ذرائع سے ان سادہ لوحوں کو ان قابل نفرت بتوں اور خداؤں کی پرستش پر مجبور کرتے تھے جو ان کے اپنے طبع آزمائی کا نتیجہ ہوتے تھے +

ہم بڑی آسانی سے ان ابتدائی انسانوں کو سورج چاند ستاروں۔ خوبصورت پھول اور سایہ دار درختوں کی پرستش کرتے ہوئے تصور کر سکتے ہیں۔ کیونکہ خدا کی لاانتہا قدرت اور طاقت کو اس کے مختلف کاموں میں دیکھنے میں بھی ایک خاص لذت اور مزہ ہے۔ فطرت انسانی کی خاصیت ہے کہ جو چیز اسکی سمجھ میں نہ آئے وہ اسکو اپنے سے بالا اور قابل پرستش خیال کرنے لگتی ہے۔ اور اسی میلان نے پجاری صاحب کو اپنے غیبی معبود کے منوانے میں خوب مدد دی۔ کیونکہ یہ خدا صاحب سوائے اپنے خاص پجاری کے کسی پر ظاہر نہیں ہوتے +

تاریخ میں بہت سی ایسی مثالیں موجود ہیں جن میں ایک ناراض اور غضب میں آئے ہوئے خدا کی آڑ میں گنتی مکار انسانوں کو بڑے بڑے حیلوں اور مکروں کا تختہ مشق بنایا گیا۔ پجاریوں کی چالاکیاں اور انکے راز ایک خاصہ علم بن گیا۔ اور چونکہ انسان غلط راہ کیطرف آسانی سے چلا جاتا ہے۔ اس واسطے چالاک انسان ہمیشہ خداداد طاقت اور حکومت کے بہانے سے لوگوں کو اُلّو بناتے رہے ہیں۔ اور سینہ چاک کرنے کے دنوں سے لیکر آج تک یہ چالاک گروہ لوگوں کو قعر ضلالت میں گراتا رہا ہے۔ لیکن کتنا افسوس ہے۔ کہ اس تہذیب یافتہ زمانے میں بھی مذہب عیسائیت ان تمام نیکوکار انسانوں کو جو مسیح کے خون کفارے یا تثلیث وغیرہ پر ایمان نہیں لائے ابدی جہنم میں ڈال دینے کا فتوے دیتا ہے۔ اور یہ ناانصافی اور ظلم سینہ چاک کرنے سے کم نہیں۔ میرے خیال میں اب یہ بات آپ صاحبان پر بخوبی روشن ہو گئی ہو گی کہ کس طرح تھوڑی سی چالاکی برتنے سے ایک پیچیدہ اور ناقابل فہم اعتقادوں کا

مجموعہ بنا دیا گیا ہے۔ پُجاری صاحب ہمیشہ اپنے آپ کو معافی دینے اور گناہ بخشنے کے کامل اختیار رکھنے والا مشہور کر کے اپنی بھیڑوں کو مندرجہ ذیل منطق سُناتے ہیں :-

" اے میرے بدنصیب اصحاب - تمہاری فطرت میں گناہ رکھ دیا گیا ہے۔ عنقریب تم ایک غضبناک خدا کے آگے پیش کئے جاؤ گے - جو تم کو جہنم کی آگ میں جھونک دیگا۔ اور تم اسی کے لائق ہو - کیونکہ تم نے دُنیا میں آنے کی جُرأت کی - تم تو حشرات الارض سے بھی بدتر ہو - تم میں کوئی خوبی نہیں - اور اسی واسطے تم ابدی سزا کے مستحق ہو - لیکن ہاں اگر میرے کہنے پر عمل کرو گے جو میں حکم کروں اس پر ایمان لاؤ تو میں تم کو بچا سکتا ہوں - لیکن اسمیں بہت سی شرائط ہیں۔ تمہارے لئے ضروری ہے کہ بغیر کسی چُون وچرا کے تمام ناقابل فہم اصُول مان لو - اور خصوصاً اُلوہیت مسیح پر ایمان لانا تو از حد ضروری اور لابد ہے - اگر تمہارے اس ایمان میں شک کی لغزش آئی تو تمہاری خیر نہیں - اس حالت میں میری کوشش بھی رائیگان جاویگی - تم کو ماننا ہے کہ مسیح خدا تھا یا ہے - اور خود خدا ہی نے اسکو ایک دردناک موت مارا تا کہ نسل انسانی نے جو گناہ اور کمزوریاں اپنے خالق کی بنائی ہُوئی فطرت کے تقاضے سے کیں ان کی سزا پوری ہو جائے اور یہ سزا دہندہ - اور خالق دونوں ایک ہی خدا . تم کو اس کے سمجھنے کی کچھ ضرورت نہیں بس ایمان لے آؤ - اگر میں اس وقت تم کو کہوں کہ زمین بالکل چوڑی اور ہموار سطح ہے تو تم کو شک نہیں کرنا چاہئے - کیونکہ مجھے خدا نے اپنے ہاتھ سے پادری بنایا - اور میرے احکام پر نقطہ چینی کرنے کا تم کو کوئی حق نہیں - ہاں میں یہ اعلان کرنا بھی مصلحت سمجھتا ہوں کہ باوجودیکہ مجھے تو آپ کی رُوحانی اصلاح کا فرض تفویض ہُوا ہے - لیکن ساتھ ہی مجھے آپ صاحبان کے دُنیوی معاملات کا بھی بڑا فکر ہے - آپ صاحبان کو ایمان رکھنا چاہئے کہ نجات کیلئے پادری صاحب کے سامنے اعتراف گُناہ کرنا ضروری ہے - اور کلیسیا کے عمائدین نے بحث مباحثہ میں اس قدر ترقی کی ہے - کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے منطق کے زور تمہارے ہر ایک فعل وقول کو باطل ثابت کر سکتے ہیں " کیا سادگی اسی کا نام ہے - انسانی دماغ مذہبی منطق کے سمجھنے سے عاجز ہے - میرا ہمیشہ سے یہ خیال رہا ہے - کہ ان غیر ضروری اور فضول باتوں پر اسقدر زور دینے اور ان کو صداقت الہامی کے نام سے نامزد کرنے کی غرض محض پادری صاحبان

کے اِس نام نہاد کے مشرکانہ اختیار کو سامنے کرنا ہے میرا مطلب نہیں کہ نصاریٰ میں کوئی مواحد نیکوکار انسان نہیں نعوذ باللہ من ذالک ہر مذہب و ملت میں نیک اور راستباز مصلح گزرے ہیں اور کلیسیا کے عمائدین میں بھی بڑے بڑے خیر خواہان خلق ہوئے ہیں لیکن زیادہ تر یہی مشاہدے میں آیا ہے کہ پُجاری وغیرہ کو زیادہ طاقت اور اختیار ملنے کا نتیجہ بُرا ہی ہوا ہے۔ اور دنیوی مفاد کو دینی مقاصد پر ترجیح ہوگئی ہے ۔

وہ مشرکانہ رسُومات جو زمانہ جاہلیت میں مُلک عرب میں رائج تھیں۔ جن کے سُننے سے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں لیکن محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو یا تو جڑ سے اُکھاڑ دیا یا اُنکی ترمیم اور اصلاح کر دی۔ اور ایسے اعلیٰ اخلاق سے ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا آپ نے ان تمام دشمنوں کو بالکل معاف کر دیا جو آپ کے سامنے پابہ زنجیر لائے گئے۔ اور اس طرح ان سب کو اپنا گرویدہ اور فریفتہ بنا لیا۔ آپ نے مکّہ کی سرزمین کو تمام قسم کے بُتوں اور شرک سے بالکل پاک کر دیا۔ دُختر کُشی کی قبیح رسم کی آپ نے خوب بیخ کنی کی۔ اور آپ نے اجازت طلاق کے ناجائز استعمال کی اصلاح فرمائی۔ آپ نے اس کے قواعد اور شرائط باندھ دیئے۔ الغرض زندگی کے ہر پہلو کے لئے اپنی ذاتی مثال یا احکام نافذ فرما دیئے۔ تا کہ وہ لوگ جو جہالت اور ضلالت کے اسفل السافلین میں گرے ہُوئے تھے۔ اُن کو اُٹھا کر معراج ترقی اور رُوحانی عرش پر بٹھا دیں۔ اور تمام قوانین کو اس قدر سادہ بنایا۔ کہ ایک بچہ بھی انکو بخوبی سمجھ لے اور اور عمل کر سکے۔ اس واسطے میں نے کہا کہ تمام مذاہب میں سے اسلام ہی سادگی کا مذہب کہلانے کا حق رکھتا ہے ۔

پندرھویں اور سولھویں صدی عیسوی میں مصلح یورپ مارٹن لوتھر نے وہ راہ اختیار کی جو اس سے نو سو سال پہلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو دکھائی تھی۔ یعنی تمام ان عقاید کو دور کر دیا جن کی بُنیاد توہمات اور تعصب پر تھی۔ اور ان کی جگہ خدا کی ذات پر کامل اعتقاد اور بھروسے کا سادہ قانون سکھایا ۔

اِس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ کلیسیا مسیح کے بڑے حصّے (رومن کیتھولک) میں بہت پیچیدگیاں ہیں اور اسکی وجہ یہی نظر آتی ہے کہ ان میں خدا کے حضور پہنچنے کیلئے بہت سے وسائط

کی ضرورت مانی جاتی ہے۔ ولیوں کی وساطت پجاریوں کے وسیلے اور مریم صدیقہ کی شفاعت
ان وسائط و ذرائع کے بغیر کوئی رومن کیتھولک عیسائی اپنے خدا کے حضور نہیں
پہنچ سکتا۔ اور چرچ آف انگلینڈ کا ایک حصہ بھی جو ہائی چرچ پارٹی کے نام سے موسوم ہے
وہ بھی رومن کیتھولک کلیسا کے نقش قدم پر چل رہا ہے +

ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ عیسائیت کے ماننے والوں نے کسی زمانہ میں اپنے مذہب سے بڑا اجالا کیا اور
اشاعت تہذیب و علوم کو خوب ترقی دی۔ لیکن یہ نتیجہ کوئی کس طرح نکال سکتا ہے۔ کہ وہ اس
سے بھی زیادہ ترقی نہ کرتے۔ اگر ان کے مذہبی پیشوا ان کے راستے میں حائل نہ ہو جاتے اب
تو ہر ایک مذہب حقوق اللہ و حقوق العباد پر بڑا زور دیتا ہے۔ اور میں کہہ سکتا ہوں کہ جو کوئی
ان دو باتوں کو مدنظر رکھیگا وہ خواہ کسی مذہب کا ہو ضرور نجات پائیگا۔ مثلاً ہم ایک بچے
کو بچپن ہی سے احکام کی پیروی سکھائیں۔ خدا کی ذات پر اس کا ایمان مضبوط کردیں
نیکی اور اعمال صالحہ کا عادی بنادیں۔ اور ساتھ ہی یہ بات بھی اس کے ذہن نشین
کرادیں کہ اسکی نجات اور نیکی چاند کو سبز پنیر سے بنا ہوا ماننے پر بھی ہے۔ تو نتیجہ کیا ہوگا +
یہی کہ ہم نے اسکو اصولہائے حقہ پر چلا کر اسکو ایک نیکوکار انسان تو بنا دیا لیکن ساتھ ہی
اسکی عقل و فہم کو ہم نے ضعیف کردیا۔ اور اس کی قوت ایمان کو ہلاکت کے حد تک پہنچا دیا
اسکو یہ بات منوا کر کہ نجات کا دارومدار چاند کو پنیر سے بنا ہوا ماننے پر ہے۔ ہم اس کے
دل میں ان شکوک اور وساوس کا باعث بنینگے۔ جن کا نتیجہ یہی ہوگا کہ وہ اس مذہب کو ترک
کردے جو نجات کا دارمدار ایک ایسے لغو اعتقاد پر رکھے۔ اسی واسطے میں بڑے زور سے
پھر آپ صاحبان کو یاد دلاتا ہوں۔ کہ تمام طالبان حق کے لئے از حد ضروری ہے کہ وہ
ایک ایسے مذہب کی تلاش کریں جو ناممکنات سے پاک ہو۔ جو خدا کے رحم اور شفقت کی امید
دلائے جو خدائے واحد کے پرستاروں اور احکام کے ماننے والوں کی مدد کرے +

جب مجھکو کہا جاتا ہے کہ میں ایک بدنصیب سیاہکار گنہگار ہوں تو میں اس الزام سے
اپنے آپ کو بکلی بری نہیں سمجھتا۔ لیکن جب مجھ کو یہ سنایا جاتا ہے۔ کہ جس خدا کی میں حمد
اور پرستش کرتا ہوں وہ مجھے اسوقت تک اپنی سلطنت میں داخل نہیں کریگا۔ جب تک

میں بعض ناقابل فہم باتوں پر پورا ایمان نہ لے آؤں تو اسبات کے ماننے سے طبیعت ہچکچاتی ہے کیونکہ ایک رحیم کریم خدا کی طرف یہ ظلم منسوب کرنا گویا اجتماع ضدین کرنا ہے۔ بیشک ہمکو ہمارے گناہوں کی سزا ملیگی۔ اور دُور کیوں جاتے ہو اسی دُنیا میں ہمارے گناہونکی پاداش ہرنگ افسوس ہمکو ملجاتی ہے۔ لیکن سادہ لوح انسانوں کو یہ سنانا کہ چونکہ وہ چند ناممکن الوجود کہانیوں پر جو مختلف طرز عبادت کے بنانیوالوں کی اختراع ہیں ایمان نہیں لاسکتے اس واسطے وہ ابدی جہنم میں پھینکدیئے جاوینگے۔ اور اس قسم کے اور فتوے دینا گویا انسانی فہم وادراک کی صریح ہتک اور مخالفت کرنا ہے +

جب میں نے اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کیا تو پہلی چٹھی جو مجھے موصول ہوئی اسکے لکھنے والے نے بڑے اطمینان قلب سے مجھے یہ یقین دلایا۔ کہ اگر میں مسیح کی الوہیت پر ایمان نہیں لاسکتا۔ تو میری نجات بالکل ناممکن ہے۔ خدا اس بے انصافی تعصب اور ظلم تو تو دیکھو عدی کر دی ہے۔ ذرا الوہیت مسیح کے جوئے سے گردن سرکی تو ادھر ابدی لعنت اور دوزخ کی آگ ہماری قسمت میں لکھی گئی۔ میں ایک ذرہ بیمقدار ہوں جس کو علیم خبیر رحیم اور قادر مطلق ہستی نے اپنی مشیت کے ماتحت نیستی سے ہستی میں لاکر دُنیا میں بھیجدیا لیکن جب میں دُنیا میں آگیا تو ابتہ ہی سے مجھے یہ دردناک حکم سُنایا کہ گناہ کا نتیجہ اور گناہ سے آلودہ ہونے کی وجہ سے میں قابل الزام ہوں اور سوائے اسکے کہ ایک دوسرے معصوم انسان کو قتل کردیا جاوے میرے بچاؤ کی کوئی صُورت نہیں۔ اس کے بعد مجھ کو کہا جاتا ہے کہ میرے گناہ بہت سخت اور زیادہ ہیں لیکن خدائے خالق (جو میری فطرت اور میلان گناہ کو خوب جانتا ہے) نے رحم کرکے تاوان لینے کا فیصلہ کیا ہے۔ اور خدا کی خفگی اور ناراضگی کو دُور کرنے اور اسکی صفت انصاف کو پورا کرنے کیلئے لازمی ہے۔ کہ وہ تاوان موت خوب زبردستی سے لیا جائے یعنی اسکو صلیب جیسی سخت اور تکلیف دہ موت سے مارا جائے۔ سامعین یہ بات بھی مدنظر رکھئیے کہ یہ سزا اور تاوان اُن عذابوں اور تکلیفوں کے علاوہ ہے جو عمائدین کلیسیا کفارہ گناہ کیلئے تجویز فرماتیں۔ مثلاً چکر پر باندھ کر اسکو بڑی تیزی سے پھرانا۔ آنکھیں نکال دینا جسم کا جھلسنا اور یہ بات بھی قابل غور ہے۔ کہ تاوان کے طور پر جو انسان چنا گیا وہ

کوئی معمولی انسان نہ تھا بلکہ خود خدا ہی کا بیٹا اور بیٹا بھی اکلوتا لیکن اس کے آگے پھر ہمکو یہ سنایا جاتا ہے کہ یہ بیٹا خود خدا تھا یا خدا بنگیا۔ اور اس واسطے اس صلیبی موت سے اس کو کوئی تکلیف نہ ہوئی +

اس ساری منطق کا لب لباب میں پھر عرض کئے دیتا ہوں :-

(۱) میرا ایمان ہونا چاہئے کہ خدا تعالے کو مجھ پر مہربانی کرنے کے معاوضہ میں ایک پُر جفا قربانی کی اجازت دینی پڑی لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا خدا ہمیشہ ہی سے جفا کار اور نا انصاف تھا۔ کیا انسان کی خلقت سے پہلے بھی وہ ایسا ہی ظالم تھا +

(۲) تمام مذاہب کا مقصد لوگوں کے دلوں میں شکوک شبہات اور مخالفت پیدا کرنا معلوم ہوتا ہے۔ ان میں سے بہت سے اچھے ہیں لیکن کیوں ہم انمیں سے بہترین نہ اختیار کریں۔ کیوں ہم اس سادگی کے مذہب کی پیروی نہ کریں جو اللہ کو تمام مخلوق کا مالک منوائے۔ اور ایک بہترین شہری بنانے کے طریقے بتائے +

جب ایک امیر نوجوان نے جناب مسیح کو "اے نیک استاد" کہہ کر خطاب کیا اور پوچھا کہ نیک بننے کیلئے وہ کونسا اچھا عمل کرے۔ تو آپ نے حد درجے کی انکساری سے فرمایا "تم مجھے کیوں نیک کہتے ہو سوائے ایک یعنے خدا کے کوئی نیک نہیں لیکن اگر اچھی زندگی بسر کرنا چاہتے ہو تو موسیٰ کے دس احکام کی اطاعت کرو۔

وہ مذہب جو جناب مسیح کی اصلی تعلیم کا پیش کرنیوالا ہے وہ ہم سے کچھ دور نہیں وہ ہر ایک انسان کو اپیل کرتا ہے۔ اسمیں کوئی ناقابل فہم اصول نہیں۔ اسمیں مذہبی پیشواؤں کو کوئی فوق العادت اختیار نہیں دیئے گئے۔ اور وہ اپنے مخالفوں کو بلا شرط ابدی جہنم میں نہیں جھونکتا + اس مذہب کا نام **اسلام** یعنی خالص خدا کی ذات پر ایمان لانا ہے۔ اور ہم سب کو دعا کرنی چاہئے کہ تمام دنیا اس عالمگیر اور قابل فہم مذہب کو اختیار کر کے فلاح اور بہبودی حاصل کرے +

الفاروق

عیسائیت کی ناکامی

سینٹ ٹیمپل کا معرکۃ الآرا لیکچر

"مسیح سے بڑھ کر کسی آدمی کی تاریخ میں ہتک نہیں کی گئی۔ اور سب سے زیادہ ہتک کرنیوالے وہ خیر خواہان مسیح ہیں جو اس کو مسند الوہیت پر بٹھا کر رتبہ عبودیت کے لائق بھی نہیں رکھتے"

"کلیسیائی عیسائیت کا ماننا گویا جناب مسیح کو بار بار صلیب پر چڑھانا ہے"

مندرجہ بالا فقرات اس مسیحی خیر وعظ کا لب لباب ہیں جو ریورنڈ ڈی پی مورس آف بریڈ فورڈ نے سینٹ ٹیمپل میں دیا۔ دوران وعظ میں پادری صاحب نے کہا کہ مدت سے اہل فہم کا خیال تھا کہ عیسائی کلیسیا کی تکمیل میں ضرور کچھ نہ کچھ کمی رہ گئی ہے لیکن اب اس جنگ نے تو ساری حقیقت کھول دی کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ اور کسر باقی ہے۔ اب یہ بات بخوبی واضح ہو گئی ہے۔ کہ موجودہ عیسائیت جو کہ پادری صاحبان پیش کرتے ہیں وہ ہرگز ضروریات زمانہ کی کفیل نہیں۔ اور ترقی کی راہ میں بجائے ممد و معاون ہونے کے ایک روک ثابت ہوئی ہے"

پادری صاحب کے ایک فوجی دوست نے ان کو لکھا "چند دن سے میرے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہو رہا تھا۔ کہ دنیا کا خدا مر چکا ہے۔ کہ انہی دنوں میں روس کی عظیم الشان خبر موصول ہوئی۔ لیکن میں پوچھتا ہوں۔ کہ اس عظیم الشان انقلاب میں کلیسیا نے کونسی مدد کی تھی۔ اور ان لکھو کھا مظلوموں کی دادرسی کے لئے کلیسیا نے کونسے ذرائع اختیار کئے۔ اور میں بوجہ ... سمجھتا ہوں کہ ان سوالوں کا جواب سوائے نفی کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

مندرجہ بالا اقتباس لنڈن کے ایک مشہور اخبار سے لیا گیا ہے۔ اور جن اقوال کا حوالہ دیا گیا ہے وہ ایک عیسائی انگریز پادری صاحب کے دہن سے نکلے ہوئے ہیں مجھے انکی توضیح یا تشریح کی چنداں ضرورت نہیں۔ وہ اپنے معنے خود بتا رہے ہیں۔ کئی ایک دفعہ اسلامک ریویو مجریہ ووکنگ انگلینڈ اور اس کے ترجمہ اشاعت اسلام مجریہ لاہور کے صفحوں میں یہ بات مجھے دندان شکن دلائل سے ثابت کی جا چکی ہے کہ کلیسیا کی عیسائیت ایک بازیچہ اطفال سے

زیادہ نہیں حقیقت کا توکیا ذکر معمولی منطق اور فصاحت سے بھی بہرہ ور نہیں۔ اور اس پر عمل کرکے کوئی انسان خلق خدا کے لئے فائدہ مند ثابت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے۔ کہ الٹا نقصان ہوتا ہے۔ مذہبی نقطہ خیال سے تو یہ تعلیم مشرکانہ ہے۔ کیونکہ ہمیں موسیٰ کے خدائے واحد کی جگہ تین خداؤں کی پرستش کا حکم ہے۔ اور اس پر طرہ یہ کہ اس تثلیث کو واحدانیت کے رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یا یوں کہیئے کہ کلیسیا نے قدیم مشرکانہ توہمات اور باطل عقاید کو ایک نئے رنگ میں پیش کر دیا ہے۔ اور حجر پرستی کے بدلے انسان پرستی سکھائی ہے +

اخلاقی نقطۂ خیال سے بھی یہ تمام تاتل ہے۔ کیونکہ اسمیں تو ان باتوں پر ایمان لانا مشتمل ہے۔ جس سے انسان تمام ذمہ داریوں سے بری ہو کر سارا بوجھ ایک فرد واحد کے سر تھوپتا ہے۔ اس تمام دنیا کا بوجھ اٹھانیوالا ایک معصوم نبی کو خیال کیا جاتا ہے۔ نجات کی راہ اعمال صالحہ نہیں بلکہ ایک بیگناہ انسان کے خون ناحق پر ایمان سمجھا جاتا ہے تمدن کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو کیا ہی ... کی اس قدر بیحرمتی کی ہے۔ کہ اسکو شیطان کی خالہ گناہ کی جڑ بچھو سانپ سے زیادہ قابل نفرت قرار دیا ہے۔ اور سیاسی نظریہ سے دیکھا جائے تو سیزر جیسی مطلق العنانی کے سوا یہ کچھ نہیں سکھاتی +

بڑے بڑے خوفناک قتل۔ رنگارنگ کے عذاب اور ہر طرح کے دغا فریب اس مذہب کی آڑ میں ہوئے ہیں۔ اور اپنے عروج کے دنوں میں تمام علوم کی ترقی اور ہر ایک سیاسی یا تمدنی اصلاح کی مخالفت مذہب کلیسیا نے حد سے زیادہ کی ہے +

چند ہی دنوں کا ذکر ہے کہ جب ہمارے شہنشاہ جارج پنجم نے شرابخوری کے خلاف حکم نافذ فرمائے تو بعض کلیسیا کے عمائدین نے صدائے احتجاج بلند کی اور کہا کہ موجب انجیل شریف شراب کا پینا جناب مسیح نے روا رکھا ہے تو کسی کو کیا حق ہے کہ اس کے خلاف پیروان مسیح کو تعلیم دے۔ انگلینڈ میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو اس جنگ کو مسیح کی تعلیم کے خلاف سمجھ کر اسکو برا سمجھتے ہیں۔ اور ان کے خلاف کثرت سے وہ لوگ بھی ہیں جو پہاڑی والے وعظ کو پس پشت ڈالکر خون سے ہاتھ رنگنا فخر سمجھ رہے ہیں۔ خود عیسائیوں نے مسیح کی تعلیم کا بطلان

کیا ہے۔ اور اپنے باطل عقاید سے مسیح کی بعثت کے مدعا کو بالکل مفقود کر دیا ہے۔ نادانوں نے اسکو خدا بنا کر انسانوں سے دور پھینک دیا۔ اور اتنا نہ سمجھا کہ نبیوں کے آنے کی غرض انسانوں ہی کی اصلاح ہوتی ہے۔ اور انسانوں کیلئے انسان ہی نمونہ بن سکتا ہے۔ کوئی ایک عیسائی بھی آپ ایسا نہ پائیں گے۔ جو مسیح کو خدا کا بیٹا مان کر اس کے نقش قدم پر چلنے یا اس کے نمونہ پر عمل کرنے کا خیال بھی دل میں لاتا ہو۔ اور ان کا قصور بھی کیا ہے۔ بھلا وہ انسان اور مسیح کا خدا کس طرح ایک عاجز انسان خدا کے نمونہ پر عمل کر سکتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ مسیح کو صرف اس واسطے پیدا کیا گیا کہ وہ صلیب پر چڑھ کر ایک بے شرمی اور لعنت کی موت مرے (بقول توریت) ان کا اعتقاد ہے کہ مسیح ابن آدم کے لئے جس کی فطرت میں گناہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہے نمونہ بنکر ہرگز نہیں آیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ اسکی زندگی کے حالات پر کبھی غور نہیں کرتے۔ ان چار انجیلوں کے لکھنے والوں نے اتنا بھی نہ سوچا کہ ایکدوسرے کے مخالف واقعات تو نہ لکھیں۔ اور اگر اس باہمی اختلاف سے قطع نظر کر کے ہم فرداً فرداً ایک ایک انجیل کو لیں تو بھی ہمکو کسی میں بھی کوئی ایسے احکام نظر نہیں آتے جن پر چلکر انسان ایک بہتر شہری یا نفع رساں حاکم بن سکے۔ نہ ہی کوئی ایسے قابل عمل قواعد نظر آتے ہیں کہ جن پر عمل پیرا ہو کر کوئی انسان آزادی۔ زہد یا قومی ترقی حاصل کرے۔ اسمیں شک نہیں کہ نئے عہد نامہ میں چند خوبصورت اخلاقی باتیں درج ہیں۔ لیکن یہ کوئی عجیب یا انوکھی بات نہیں جناب مسیح سے پہلے جو انبیا یا رسول آئے۔ ان کی کتابوں میں بھی بڑے بڑے اعلےٰ اخلاق کی تعلیم موجود ہے۔ عیسائیت میں ایک بھی ایسی بات نہیں جس سے ہم یہ کہہ سکیں کہ عیسائیت جمہوریت قائم کرنا چاہتی تھی۔ کوئی ایک ہی ایسا فقرہ دکھا دو جسمیں غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ کوئی حکم ایسا پیش کرو جس سے انسانوں کے حقوق اور آزادی کی نگاہداشت فرض کی گئی ہو۔ بقول سینٹ پال (بانی کلیسیائے موجودہ) عورت کیا ہے۔ ایک مہلک مرض اور مردود عورت اول درجہ کی گناہگار اور سیاہ کار۔ جب یہ حال ہے تو عیسائیت اسقدر ناکام رہی۔ اور اسمیں ابن مریم یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کیا قصور۔ یہ افراط کی راہ تو ان کے بعد میں اختیار کی گئی ہے +

(الفتح ائی)

(رجسٹرڈ ایل نمبر ۱

فہرست کتب اشاعت اسلام بکڈپو

تربیت النسا	۵ر	سوانحعمری حضرت امام حسن	۱۲ر	سوانحعمری حضرت امام حسین	۲ر
انمول موتی	۱ر	انیس الواثقین	۸ر	تعلیم الصبیان	۲ر
لاڈلا بیٹا	۳ر	حوران [illegible]	۴ر	چڑیا پڑے کی کہانی	۳ر
ناصح مشفق	۳ر	علم کی دوبی	۵ر	جمیلہ خاتون	۳ر
آداب النسوان	۶ر	رسول عربی	۱ر	تاثیر صحبت	۸ر
خوش انجام	۳ر	جہاد کبیر	۲ر	اتالیق طلبا یعنی بی بی تمیزی کتاب کا حل	۶ر
علی کی چوتھی کتاب کا حل	۱۲ر	[illegible]	۲ر	جام عرفان (نظم)	۱ر
میرا خواب (نظم)	۲ر	[illegible] نظم (اقبال)	۴ر	مسلم مشنری کے ولائتی لکچر حصہ اول	۱ر
صحیفہ آصفیہ	۲ر	[illegible]	۱ر	کرشن افسانہ	۱ر
لندن میں جلسہ مولود النبی	۳ر	[illegible]	۱ر	لکچر اسلام در الہ آباد	۱ر
نکات القرآن حصہ اول	۶ر	سیرۃ النعمان	۸ر	النساء النسوان	۴ر
" " حصہ دوئم	۲ر	الفاروق	۲ر	فیملی ڈائری	۹ر
" " حصہ سوئم	۸ر	المامون	عصہ	ادیب النسوان	۴ر
" " حصہ چہارم	۶ر	الغزالی	عہ	انتظام خانہ داری	۴ر
جمع قرآن	۱۰ر	تائید حق	۴ر	سبزی آموزی	۴ر
حدوث مادہ	۲ر	اسرار سلیمانی مجلد	۴ر	کھانا پکانا	۴ر
التوحید	۱ر	طریق فلاح	۱ر	اخلاقی کہانیاں	۴ر
مادہ فانی	۱ر	مجموعۂ وظائف	۳ر	خورشید جہاں	۴ر

[illegible] فی درجن [illegible] عکسی تصویر آنحضرت صلعم [illegible] تبلیغی خط جو آپ نے مقوقس شاہ مصر کو لکھا [illegible] فی درجن [illegible] تو فی درجن [illegible]

[illegible] جس کی دم کی ایک طرف ماشاء اللہ اور دوسری طرف کلمہ تو حید لکھا ہوا [illegible] فی درجن [illegible]

المشتہر۔ خواجہ عبد الغنی مینیجر اشاعت اسلام بکڈپو عزیز منزل لاہور

سلاجیت (مومیائی) [illegible] مفرد دوائی [illegible] اعصاب معدہ [illegible] [illegible] جوڑ یا جوڑ کے باعث [illegible] استعمال [illegible] بچہ بوڑھا ہر موسم میں بلا تمیز استعمال کر سکتے ہیں [illegible] استعمال کریں +

المشتہر مینیجر کارخانہ سلاجیت عزیز منزل [illegible] لاہور

[illegible] انجمن اشاعت اسلام لاہور نے شائع کیا

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویأمرون بالمعروف وینہون عن المنکر واولئک ہم المفلحون

رسالہ

اشاعتِ اسلام

اُردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا مجریہ لنڈن

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین بی اے ایل ایل بی مسلم مشنری و مولوی صدر الدین بی اے بی ٹی

قیمت تین روپے سالانہ

اس سے بڑھ کر اور کوئی نیکی نہیں کہ آپ رسالہ ہذا کی خریداری بڑھائیں کیونکہ انہیں رسالوں کی آمد بہت حد تک مسلم ووکنگ مشن کے اخراجات کی کفیل ہے۔ رسالہ ہذا کی دس ہزار اشاعت ووکنگ مشن کے کل اخراجات کی ذمہ وار ہو سکتی ہے

جلد (۴) | بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۱۸ء | نمبر (۵)

فہرست مضامین

یونین سٹیم پریس لاہور میں لالہ ابو الحسن منشی کے اہتمام سے چھپوا کر مرزا یعقوب بیگ سکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے شائع کیا

ووکنگ مسلم مشن

ناظرین کرام ووکنگ مسلم مشن کے کارہائے نمایاں سے خوب واقف ہیں اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ ہمکو گذشتہ سالوں میں ہر قسم کی نصرت و کامیابی ہوئی اس مشن کو قائم ہوئے اب چھٹا سال گذر رہا ہے اس چھ سال کے عرصہ میں صرف اسلام کی تبلیغ کی راہ ہی صاف ہو گئی ہے کہ جس کیلئے کام پر اگر تیس سال بھی لگجاتے تو بہت تھے بلکہ ایک خاصی بڑی قابل و اہل قلم نو مسلمین کی جماعت پیدا ہو گئی ہے لیکن ہمیں افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ **اسلامک ریویو** انگریزی جس کے ذریعہ سے یہ تبلیغ اس وقت ہو رہی ہے اس کا حلقہ اشاعت دن بدن تنگ ہو رہا ہے اس طرف موجودہ حالات کے ماتحت یورپ میں ہر ایک چیز کی قلت و گرانی ہے اخراجات طبع و کاغذ میں بھی قیمت کا کئی گنا زیادہ اضافہ ہو گیا ہے اسلئے اشاعت اسلام کے پاک مقصد سے جو ہمدردی رکھتے ہیں وہ اس وقت مشن کی امداد کیلئے کھڑے ہو جائیں ورنہ اُن کی عدم توجہ سے مشن مذکور کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے +

بہی خواہان مسلم مشن ووکنگ مندرجہ ذیل طریقوں سے اس وقت مشن مذکورہ کی اعانت فرما سکتے ہیں:-

۱ - رسالہ اسلامک ریویو انگریزی کی انگریزی دان احباب میں اور اردو دان احباب میں اردو ترجمہ اشاعت اسلام کی توسیع اشاعت فرمائیں - کیونکہ انہیں رسالوں کا منافع بہت حد تک مسلم مشن ووکنگ کے اخراجات عظیم کا کفیل ہے اور کم از کم از راہ کرم تین جدید خریدار ہر ایک خریدار عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں +

۲ - اپنے اپنے شہر کے معزز و ذی اثر مسلم احباب کی خدمت میں اس مشن کی مالی اعانت کیلئے تحریک فرمائیں +

۳ - اپنے حلقۂ اثر میں یورپ میں مفت رسالہ اسلامک ریویو کی تقسیم کرانے کیلئے تحریک فرمائیں - اور جو تبلیغ اسلام کا شیدائی صرف صاحب مرحمت فرمائیں تو ہم اُن کی جگہ ایک انگریزی رسالہ یورپ میں مفت بطور تبلیغ تقسیم کر دینگے +

کسقدر افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ رسالانہ وی پی پر رسالہ اشاعت اسلام کے پانچ صد کے قریب خریداران نے وی پی لینے سے انکار کر دیا ہے بعض وقت بالضرور ایسا ہوتا ہے کہ ڈاکیہ کی غلطی سے رسالہ واپس ہو جاتا ہے - آپ سمجھ سکتے ہیں - کہ اس طرح رسالہ کا انکار کس قدر عظیم اثر اشاعت اسلام کے کام پر ڈالتا ہے بہر حال اشاعت اسلام کے خریداران کا اس وقت فرض ہے کہ اس کمی کو پورا کرنے کیلئے کم از کم ۲ جدید خریدار فراہم فرما کر عند اللہ ماجور ہوں +

خاکسار خواجہ عبد الغنی منیجر رسالہ اشاعت اسلام عزیز منزل نولکھا لاہور



MR. PEACH (ABDUL AZIZ).

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

ترجمہ اردو اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا مجریہ لندن

جلد (۴) ——— بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۱۸ء ——— نمبر (۵)

شذرات

اس ماہ کے رسالہ کے ساتھ ایک نوجوان نومسلم کی تصویر شائع ہوتی ہے۔ جو کہ لندن میں سوداگر ہیں۔ ان کا پہلا نام مسٹر ہیچ ہے۔ اب اسلامی نام عبدالعزیز ہے +

لندن مسلم ہوس میں اور لندن کے دیگر مقامات پر بھی تاریخہائے مقررہ پر لیکچر دیئے گئے۔ اور ان کی مفصل روئیداد انشاء اللہ تعالےٰ ووکنگ ہیڈ آفس سے موصول ہونے پر رسالہ اشاعت اسلام میں درج کی جائیگی +

ذیل میں ہم مختصر طور پر لٹریری سوسائٹی کی روئیداد درج کرتے ہیں۔ اسکے نئے دور کا پہلا اجلاس کرسمس کے بعد جنوری سنہ ۱۹۱۸ء کو منعقد ہوا جسمیں کہ جناب مسٹر اے ایم احمد صاحب آف آکسفورڈ گذشتہ اور موجودہ مسلمانوں کے اقتصادی حالات پر جناب مسٹر مامیدیوک پکتھال کی صدارت میں ایک لیکچر دیا۔ اس لیکچر کی اہمیت ان واقعات سے بخوبی ظاہر ہوتی تھی۔ جو مسلمانوں کی گذشتہ اقتصادیات کے متعلق جناب مسٹر احمد صاحب نے اپنے اس لیکچر کی تیاری کیلئے محنت شاقہ برداشت کر کے جمع کئے تھے

اس کے بعد آپ نے سود کے مسئلہ پر کچھ ریمارکس کئے جس پر ایک طویل بحث کا سلسلہ چھڑ گیا۔ اور جس میں مسٹر شیلیج مسٹر شیلڈرک اور ریورنڈ دی کوکس نے خصوصیت سے حصہ لیا۔ اس موقع پر حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری کی خدمت میں بھی استدعا کی گئی۔ کہ وہ بھی سود کے مسئلہ پر کچھ قرآنی روشنی ڈالیں۔ چنانچہ انہوں نے اس استدعا کی تعمیل میں مسئلہ سود پر مختصراً بیان فرمایا۔ جو پوری تقریر انشاء اللہ کسی آئندہ اشاعت میں درج کی جائیگی +

جنوری ۱۹۱۸ء کے مہینے میں تین اور سعید روحیں محض فضل ایزدی سے حلقہ بگوش اسلام ہوئیں جن کا تذکرہ غالباً اشاعت اسلام کے سابقہ نمبروں میں نہیں ہوا۔ ان میں دو لیڈیاں ہیں۔ اور ایک یونیورسٹی گریجویٹ ہیں۔ اور اسکے علاوہ ایک اور رپورٹ اس ماہ میں ہمیں ووکنگ ہیڈ آفس سے موصول ہوئی ہے جسمیں ایک جنٹلمین اور ایک خاتون کے مشرف باسلام ہونے کی نوید جانفزا ہے۔ جس کا مفصل تذکرہ اسی رسالہ میں کسی دوسری جگہ ناظرین کرام بلاد غربیہ میں تبلیغ اسلام کے عنوان کے نیچے پائیں گے۔ درگاہ الٰہی میں دعا ہے کہ اللہ تعالے ان سب نومسلمین کو اسلام پر قائم رہنے کی استقامت و استقلال بخشے اور ان کا قبول اسلام ان کے دوسرے خویش و اقارب و متعلقین کیلئے نور ہدایت کا کام دے آمین

جلسہ میلاد النبی صلعم

جلسہ میلاد النبی کی مفصل روئیداد گذشتہ اشاعت ماہ مارچ ۱۹۱۸ء میں درج ہو چکی ہے تازہ خبروں سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس جلسہ میں سامعین کی تعداد مسجد ووکنگ کے نماز عیدین کے مجمع سے کچھ بڑھ گئی تھی۔ اور قریباً تمام مذاہب و اقوام اور مختلف رنگوں کے انسان ملے جلے اس عظیم الشان جلسہ میں موجود تھے۔ عوام الناس کا اس طرح پر جوق در جوق اسلامی جلسوں میں بڑے ذوق و شوق سے حصہ لینا اسبات کی بین و نمایاں دلیل ہے۔ کہ مغرب میں فہیم طبقہ ذکور و اناث میں اسلام کے متعلق ایک عام بیداری ہو چکی ہے۔ اگرچہ یہ سب لوگ ابھی سب اسکے لئے تو طیار نہیں۔ کہ اسلامی تعلیمات جن سے اسلام کی عالمگیر شان و شوکت ٹپکتی ہے۔ اس کا کھلے الفاظ میں اظہار کریں یا اسکی علانیہ تصدیق کریں۔ لیکن نبی کریم صلعم کو دنیا بھر کی روحانی و اخلاقی ترقیات کا موجب سمجھتے ہیں۔ اور آپ کو بحیثیت ایک

اخلاقی و روحانی معلم کے ایک نہایت ہی عظیم الشان مرتبہ دیتے ہیں۔ اسلام کی اخوت کا عملی منظر اس موقع پر دیکھنے میں آیا۔ وہ بھی مرعوب کرنیوالا تھا۔ دور دراز افریقہ کے رہنے والے اس کے دلدادہ کا ایک دوسرے انگریزی نژاد مسلم بھائی کے پہلو بہ پہلو بیٹھا ہؤا ہونا اور نبی کریم صلعم جیسے سادہ مزاج لیکن نہایت ہی عظیم الشان انسان کے کارناموں کو پورے ادب و احترام کے ساتھ سُننا اسلامی اخوت برادری کا عملی اور نمایاں ثبوت تھا۔ اور یہی وہ دلکش منظر ہے جو اہل مغرب کو جوق در جوق اسلام کی طرف کھینچ رہا ہے +

بلادِ غربیہ میں تبلیغ اسلام

ووکنگ مُسلم مشن اہل قلم و اہل علم سے استمداد

ایک جنٹلمین اور ایک خاتون کا مشرف بہ اسلام ہونا

برادران السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گذشتہ ماہ میں بھی دو رُوحیں زمرہ اسلام میں شامل ہوئیں ایک خاتون مس وائلٹ لاکیر جو مدت سے اسلامک ریویو کے قارئین میں سے تھیں۔ دوسرے ایک فوجی ایک افسر جو اس وقت فرانس میں ہیں۔ اُن کو رغبت پہلے ہی سے اسلام سے تھی بذات خود بھی انہوں نے مطالعہ کیا۔ ان کے خاندان کے اور ممبر بھی اسلام سے ویسی ہی رغبت رکھتے ہیں۔ ان کا نام مسٹر لائمد ہیں خیر اس قسم کا اظہار و قبولیت اسلام بفضلہ تعالیٰ ہوتا ہی رہیگا۔ لیکن ہمارے لندن مسلم ہؤس کے کھلنے پر جس کو اب ایکسال ہو گیا ہے جو ہمیں فوائد ہوئے ہیں۔ اور جس قدر کام بڑھ گیا ہے وہ اب اس مشن کے کارندوں کی ہمت و طاقت سے بہت بالاتر ہے۔ یہ تو ہمیں پہلے ہی سے علم تھا۔ کہ کل مغرب میں لوگ اپنے جدی عقائد سے بیزار ہو کر مختلف شکلوں میں اسلام کے عقائد کے پابند ہونے جاتے ہیں۔ لیکن جس قدر گذشتہ چھ ماہ میں مجھے کام کرنے کا موقعہ ملا تھا۔ اور جسقدر مطالبات اغرض واقفیت اسلام چاروں طرف سے ہوتے ہیں وہ نہایت ہی اُمید افزا ہیں۔ مثلاً گذشتہ دو ماہ میں

مجھے اور میرے رفقا کو ذیل کے مقامات پر لیکچر و خطبات دینے کا موقع ملا ہے بمقام کلیپہم دو لیکچر۔ مضمون "اسلام اور باطنیات" بمقام ایلنگ "عالمگیر اخوت اسلام" یسکا رسڈیل اسٹریٹ و لیڈی ارلز کورٹ دو لیکچر۔ ذراتِ عالم کا مذہب (اسلام) بمقام ومبلڈون۔ دو لیکچر اسلام اور سپچوالازم نیو لائیٹ سنٹر چرچ بانڈ اسٹریٹ میں اتوار کا سرمن تھا جس کے مضمون کا مطلب اس شعر سے نکلتا ہے

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اس کے علاوہ مسٹر حبیب اللہ لوگرد نے ایک لیکچر بمقام ایلنگ دیا۔ اور ایک لیکچر بمقام پیٹرسی دیا مضمون "اسلام" تھا۔ اور ایک لیکچر سلمان نے ایلنگ میں دیا مضمون "عالمگیر مذہب" یہ تقریریں اور خطبات ان کے علاوہ ہیں۔ جو ہر اتوار کو ووکنگ میں اور ہر جمعہ لندن میں اور ہر دوسرے اتوار لندن مسلم ہوس میں دیئے جاتے ہیں۔ اِسطرح مجھے دو ماہ کے عرصہ میں ۲۳ لیکچر مختلف مقامات پر اور مختلف مضامین پر دینے پڑے یہی حالت آیندہ ماہ میں نظر آ رہی ہے اس وقت میرے ذمہ علاوہ لندن مسلم ہوس اور ووکنگ کے ۶ لیکچر ہیں جو آیندہ ۶ ہفتوں میں مجھے دینے ہیں۔ آیندہ ۳ مارچ کو ایک معرکتہ الآرا لیکچر ہستی باریتعالی کے ثبوت میں ہریوں کی مجلس میں ہونیوالا ہے لیکچر کے بعد بحث ہوگی۔ اس چٹھی کے محرک میری صحت ہے جو اچھی حالت میں نہیں۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس بار گراں کا میں کب تک مقابلہ کر سکونگا۔ یہ کام بذاتِ خود ایک انسان کی طاقتوں کو سلب کرنے کیلئے کافی ہے۔ چہ جائیکہ ہر مہینے مجھے اسلامک ریویو بھی تیار کرنا پڑتا ہے۔ جس کے مضامین جس قسم کے ہیں وہ ظاہر ہے جو اپنے بمپایۂ علمی اور حکمت اور فلسفہ کے لحاظ سے اکناف عالم سے خراج تحسین لیتے رہے ہیں خصوصاً اس جنوری سے مضامین کا ایک خاص سلسلہ جو سائنس کی بنیاد پر لکھا گیا ہے شروع کیا گیا ہے۔ اور جسمیں یہ طریق اختیار نہیں کیا گیا۔ کہ قرآن کی سائنس کے ماتحت تشریح کیجائے۔ بلکہ رسالے کے سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں۔ کہ سائنس کو قرآن کا خوشہ چین دکھلایا گیا ہے۔ اِن مضامین کے لکھنے سے مجھ پر یہ حقیقت کھلی ہے کہ ع سخن گفتن بلکہ جان سفتن است۔ پھر ان تکالیف کے مقابلہ میں مصارف کا تہیہ بھی کرنا پڑتا ہے۔ تو اس جنگ میں تین گنا ہو گئے ہیں اگر مشن واقعی خادمِ اسلام تھا تو مسلمان بھائیوں کو چاہئے تھا کہ مجھے ایک ایک بوجھ سے آزاد کر دیتے لیکن خدا کی

مصلحت ہے کہ ان کی اس فرض اولین کی طرف توجہ نہیں۔ خود ہندوستان کے مسلمان بھائی فرداً فرداً سمجھ سکتے ہیں کہ انہوں نے کہاں تک اس فرض اولین کو ادا کیا ہے۔ اگر یہ لوگ صرف رسالے کے خریدا بن جاتے تو یہ عظیم الشان کام مفت میں چل نکلتا۔ خیر مصلحت ربی ایسی ہی تھی۔ میں یہ سب معاملات خدا کے ہاتھ چھوڑتا ہوں۔ اب میں مسلم اہل قلم اور اہل علم اصحاب سے استمداد علمی کرتا ہوں۔ وہ اگر مالی امداد نہیں کرتے تو قلمی امداد کریں۔ مختلف اسلامی مضامین مجھے لکھ کر بھیجیں یا ہندوستان کے اخباروں میں شائع کر دیں۔ اور ایک کاپی مجھے بھیج دیں۔ اور اگر انگریزی زبان میں لکھ سکیں تو ان کا خاص احسان ہے۔ کثیر الازدواجی۔ غلامی۔ جہاد وغیرہ سب تقویم پارینہ ہے۔ یہ مسائل طے ہو چکے اور اسلام ان میں جیت چکا ہے۔ عیسائیت کے خلاف بھی مضامین لکھنے کی ضرورت نہیں یہ میدان بھی ختم ہو چکا۔ مضامین باطنیات پر ہوں جنمیں علمی جھلک ہو۔ انسان کی روح کی کیفیات پر جو اسلام نے روشنی ڈالی ہے دوسری قوموں کے مجاہدات کے مقابلے میں اسلام نے جو آسان طریق سلوک کے تجویز کیے ہیں علوم اشراقیہ اور کشف قلوب کی کیا کیفیات ہیں۔ اور اسلام نے کس طرح انہیں لہو و لعب میں رکھ کر سالک کو کس منزل اعلیٰ کا پتہ دیا ہے۔ الغرض وہ مضامین جو صوفیانہ رنگ اپنے اندر رکھتے ہیں ان کی اس وقت ضرورت ہے۔ جن مضامین پر میں نے مندرجہ بالا لیکچر دیئے ہیں ان سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس وقت ہوا کا رخ کس طرف ہے۔ میں خدا تعالیٰ کے فضل سے اس قسم کے لٹریچر سے ناآشنا نہیں۔ میں ان مضامین پر لکھتا بھی ہوں اور بولتا بھی ہوں۔ لیکن ہم دو تین آدمی کیا کر سکتے ہیں۔ اگر ہمارے ہندوستانی دوست ان مضامین پر قلم اٹھائیں تو ہمیں بہت سی دماغ سوزی اور جانکاہی سے نجات مل سکتی ہے۔ والا اس کام کے مقابلے میں میری صحت کی حالت جو ہوتی جاتی ہے وہ مجھے بہت خوف دلا رہی ہے۔ پچھلے سال انہیں دنوں میں بستر بیماری پر نہیں بلکہ بستر مرگ پر تھا۔ جس بیماری کا اثر گذشتہ اکتوبر کی ابتدا تک رہا۔ مجھے امید ہے کہ مسلمان ابھی مر نہیں گئے۔ ابھی بہت سے دل ہیں جو میری اس اپیل پر دردمند ہونگے۔ اور کچھ فکر کرینگے۔ خدا حافظ +

خادم

خواجہ کمال الدین از ووکنگ

اِنسان کامل

از قلم جے۔ یحییٰ النصر پارکنسن (نومسلم)

تہذیب انسانی کے طلوع آفتاب سے لیکر اس وقت نسل انسانی میں ہم بعض ایسے لوگوں کے نام پاتے ہیں جو اپنے دوسرے معاصرین سے ہمیشہ ممتاز چلے آئے ہیں۔ اور یہ وہ اعلیٰ پایہ کے لوگ ہیں جو اپنے اپنے زمانہ میں معاملات حرب وسیاست ۔سائنس اور مختلف علوم وفنون یا مذہب میں لیڈر ہو گزرے ہیں۔ انہی میں بعض وہ لوگ بھی ہیں جن کے شاندار کارنامے قوموں کی تاریخ میں روشن ہیں اور جن کی زبردست آراء اور جدوجہد نے اپنے اپنے عہد کے خیالات کی رو کو بدلکر ایک انقلاب پیدا کر دیا اور آنیوالی نسلوں کی فلاح کیلئے انہوں نے بہترین شاہراہ زندگی تجویز کیئے۔ انسانی زندگی کے طریق قواعد انہوں نے تجویز کئے اور لوگوں کے اوضاع واطوار کو آہستہ آہستہ انہی کے مطابق کر لیا۔ انہی لوگوں میں چند ایک وہ مذہبی لیڈر ہیں۔ جو اپنی اعلیٰ شخصیت اور شاندار کارناموں کے لحاظ سے باقی سب سے سبقت لے گئے ہیں۔ اور یہ وہ مذہبی علوم واعمال کے بانی ہیں جن کی تعلیمات قوموں کیلئے بطور ایک مشعل راہ کے کام دیتی ہیں جن کے ذریعہ سے قوموں کی عادات اور رسوم ورواجات واخلاق سدھرتے اور سدھرتے رہتے ہیں۔ اور درحقیقت یہی وہ چیزیں ہیں جو مجموع انسانی کا ایک جزو لاینفک اور انسانی اوضاع واطوار کو بدلنے اور سدھارنے کے کام آسکتی ہیں +

جب یہ رہنمایانِ مذہب لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ اور تمام لوگوں کی نگاہیں ان پر پڑنے لگتی ہیں تو یہ امید کرنا کچھ بیجا نہیں ہوتا۔ کہ ان کی یاد حافظہ سے کبھی بھی مٹ نہیں سکتی۔ اور نہ ہی انکی باتیں کبھی فراموش ہو سکتی ہیں وہ ہر ایک جگہ اہمیت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ ہر ایک سننے اور دیکھنے والوں کی عقل اور ہوش کو اپیل کرتی ہیں۔ اور اس طرح قوموں کی تاریخ میں ایک نہ مٹنے والی یادگار اُن کی باقی رہجاتی ہے۔ اور اس طرح ان کا شاندار نمونہ جو سب کی ترغیب کا موجب ہوتا ہے ذرا بھی دُھندلا ہوئے بغیر قرناً بعد قرنٍ آنیوالی نسلوں کے سامنے آتا رہتا ہے۔

اِن سب رہنمایان مذہب میں کسی نہ کسی ایک کی زندگی کی تفصیلات بھی اس قدر روشن اور تواتر کے ساتھ معلوم نہیں جتنی کہ پیغمبر عرب حضرت محمد صلعم کے حالات کا ہمیں علم ہے جو مکہ میں اُونٹ چرایا کرتے

اور قوم قریش ہی سے تھے۔ اور یہ وہ عظیم الشان انسان ہے جس نے عشق الٰہی کے جذبہ سے معمور ہو کر حق کو غالب اور باطل کو ملیا میٹ کر کے دکھا دیا صرف یہی ایک انسان ہے جسکے متعلق ہمیں یہ خوب معلوم ہے۔ کہ اس نے کیا کچھ کہا اور خود کیا کچھ کیا۔ ہر ایک شخص کو اس بات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ کہ آپ ان معقول باتوں کو لیکر کھڑے ہوئے۔ جو وحی الٰہی سے آپ کو حاصل ہوئیں۔ جس وقت آپ منصب نبوت پر ہوئے اور آپ نے بت پرستی کی تردید شروع کی۔ اسی وقت سے ایک ایک حرکت و سکون آپکا ایک ایک لفظ اور آپکی وہ عادات و ذاتی خصوصیات کا ہمیں بخوبی علم ہے۔ آپ کے سب کے سب حالات زندگی ہمارے سامنے ہیں۔ اور تاریخ کے صفحات کو مزین کر رہے ہیں۔ جن میں آپ کو دنیا کے معزز ترین انسانوں میں شمار کیا گیا ہے۔ نہ صرف اس ہی کا بادشاہ ہونے کی حیثیت سے بلکہ ایک مذہبی پیشوا کی حیثیت سے تمام لوگوں کی حکومت کی باگ ہاتھ میں لینے کے سبب سے بھی آپ کو ایک نہایت ہی جلیل القدر انسان سمجھا گیا ہے۔ چنانچہ ایک مصنف آپ کے متعلق لکھتا ہے۔ کہ

"آپ کسی قدر طویل القامت اور شکل و صورت سے از حد رعب دار انسان تھے۔ چوڑہ سینہ اور فراخ شانوں کے اوپر ایک لمبی لیکن نہایت خوبصورت صراحی دار گردن تھی۔ اس کے اوپر ایک بڑا بھاری سر تھا جسمیں صاف بیضوی چہرہ اور ابھری ترچھی ناک تھی۔ اور تیز چمکدار اور بڑی بڑی آنکھیں تھیں اور ریش مبارک سینہ مبارک پر پڑتی تھی۔ آپ ہر وقت غوض و تدبر میں رہتے۔ اور ضرورت کے سوا کبھی گفتگو نہ کیا کرتے تھے۔ اور اگر کسی معاملہ پر کچھ کہنا ہوتا۔ تو بہت ہی تھوڑے اور وزنی الفاظ میں اپنا مطلب بیان کر دیتے تھے۔ آپ کی بناوٹ نہایت ہی سریع الحس تھی۔ اور بہت تیز لیکن عقلمندانہ جذبات کے آپ مالک تھے۔ آپ کی عادات نہایت ہی سادہ تھیں۔ اور آپ نے اعمال میں حلم انکساری اور عفت کی وجہ سے وہ شہرت حاصل کی۔ جس کے آگے تمام ان لوگوں نے جو آپ کو جانتے تھے متفقہ طور پر سر تسلیم خم کیا" +

یہ ایک مغربی پروفیسر کی قلم سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں۔ جو مشرقی معاملات پر رائے زنی کرنے میں بڑا ہی اعتدال پسند اور میانہ رو ہے۔ اور یہی کچھ متقدمین مسلمانوں کی تصانیف بھی ہمیں بتاتی ہیں +

یہ اس عظیم الشان انسان کا حال ہے۔ اور یہ اس ظاہر شکل و صورت کا نقشہ ہے جس سے

اہل عرب خوب واقف تھے جن کے اندر آپ پیدائش سے موت تک ایام طفولیت سے جوانی تک عہد شباب میں اور اپنے اوائل تلقین وتبلیغ کے زمانہ میں اس وقت جبکہ آپ منصب نبوت پر فائز ہوئے اور اس زمانہ میں جبکہ آپ دشمنوں کے جور وستم کا آماجگاہ بنے ہوئے تھے۔ اور اپنے ہم قبیلہ لوگوں میں بالکل بے یار ومددگار تھے۔ اس ایسے وقت سے لے کر اپنے عروج وشان وشوکت کے دنوں تک جبکہ آپکے مشن کا مقصد پورا ہو گیا۔ اور تمام عمائدین عرب نے آپ کی بادشاہت کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور اور اس حق وصداقت کو قبول کر لیا۔ جس کی حمایت میں آپ کھڑے ہوئے تھے۔ اور تلقین کرنا آپکا فرض منصبی تھا +

لیکن یہ تمام واقعات ایک انسان کامل کی زندگی کا ایک شعبہ ہیں۔ اور یہ اس نبی صلعم کی زندگی کے صرف ایک ہی پہلو پر روشنی ڈالنے والے ہیں۔ جو بالکل بے یار ومددگار ان لوگوں کے درمیان کھڑا ہوا۔ جو واحد لاشریک خدا اور اس کے پاکیزہ مذہب اور عبادت کے سخت خلاف اور جانی دشمن تھے۔ اور اس کے اپنے ہی خویش واقارب اور ہم قبیلہ لوگ اور سرداران نے اسکے خلاف جتھہ بنا لیا۔ اور سالہا سال تک آپکے خلاف منصوبہ بازیاں کرتے رہے۔ آخر کار وہ وقت آپہنچا۔ کہ صداقت جو تاریکیوں کے اندر چھپی ہوئی تھی سورج کی طرح چمک اٹھی۔ اور بت پرستی اس طرح ماند پڑ گئی۔ جس طرح کہ طلوع ہوتے ہوئے آفتاب کی تمازت سے صبح کی کہر کافور ہو جاتی ہے صرف چوڑے کندھے۔ بھاری سر بیضوی چہرہ۔ ترچھی ناک۔ تیز آنکھیں اور گھنی دار ریش مبارک ہی نہیں جو آپ میں پائی جاتی تھیں۔ یہ چیزیں بھی بیشک جنس لطیف اور بعض مردوں کی بھی کشش کا موجب ہوتی ہیں لیکن دشمن ان چیزوں سے خائف نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی کسی شخص کے پیروان باتوں کی وجہ سے سوائے لفظی تعریف وتوصیف کے اس کی کوئی عزت و تکریم کر سکتے ہیں +

یہ در اصل اس کمال انسانی کا جو اس ظاہر شکل وصورت کے اندر پنہاں تھا۔ نتیجہ ہے کہ دشمنوں تک آپکی عزت کرتے تھے۔ اور آپ کے تمام پیرو آپ سے محبت کرنے اور نہایت ہی عزت ووقعت کی نگاہ سے آپکو دیکھنے پر مجبور رہیں۔ یہ آپ کا کمال انسانی ہی تھا جس نے تمام بنی نوع انسان کو اپنا حلقہ بگوش کر لیا۔ اور انکی ہدایت اور خیالات کی درستی کا موجب ہوئے

اور لوگوں کے جذبات پر خواہ وہ نیکی کیلئے ہوں یا بدی کیلئے اور عموماً نیکی کیلئے ہی تسلط اور حکمران ہے۔ جس اوسط کے مطابق کسی انسان کے سامنے کوئی خاص مقصد اور اُمنگیں ہوتی ہیں۔ اُسی اوسط سے وہ اپنے لئے بلند تر نمونہ کی طرف رجوع کرنا مقاصد اور ترقی کی خوشکن شاہراہ پر گامزن ہوتا ہے۔ نسل انسانی کو صرف اسکی ضرورت ہے کہ کوئی شخص اسے سیدھے رستہ پر چلانے والا ہو اور بس +

پس لوگ آپؐ سے اِس وجہ سے محبت نہیں کرتے کہ آپؐ تیز اور شرمگین آنکھوں والے تھے۔ بلکہ اسلئے کہ ان آنکھوں سے ہمدردی محبت لینت اور شفقت ٹپکتی تھی۔ وہ ہمدردی اور محبت جس کی وجہ سے اپنے غریب سے غریب پیرو کے بھی دکھ درد کا آپؐ کو احساس تھا۔ جو آپؐ کو بیماروں کی عیادت اور حاجتمندوں کی حاجت روائی کے لئے ان کے گھروں تک کشاں کشاں لیجاتی تھی۔ اور ہمیشہ ان کی ہر ممکن امداد کیلئے تیار رکھتی تھی۔ یہ اس محبت و ہمدردی ہی کا سبب تھا۔ کہ آپؐ کا گھر غربا و تھکے ماندوں کی آرامگاہ بنگیا۔ اِن ایام میں بھی جبکہ آپؐ کو کوئی آمد کا ذریعہ نہ تھا۔ آپؐ اسکو بھی جو کچھ کہ وہ اپنے پاس رکھتے تھے۔ غربا و حاجتمندوں پر ہی خرچ کر دیتے تھے۔ وہ لینت و مہربانی جو آپؐ جانوروں سے ہمیشہ برتتے تھے۔ اور وہ بھی آپؐ سے ویسی محبت و اطاعت کرتے تھے۔ وہ شفقت نوازش جس کا ظہور بچوں پر ہوتا تھا۔ اور جب کبھی آپؐ بچوں میں سے ہو کر گذرتے انکے سروں پر شفقت و محبت کا ہاتھ پھیرتے اور ان سے مہربانی و محبت کے الفاظ کہتے۔ جب کوئی دوستی اور محبت کا ہاتھ آپؐ کیطرف بڑھتا آپؐ اس سے اپنا ہاتھ چھڑانے میں کبھی بھی سبقت نہ کرتے تھے۔ باوجود ان تمام باتوں کے آپؐ بڑے درجے کے عزلت گزین اور متین انسان تھے۔ خود نمائی و خودستائی کبھی آپؐ کے پاس بھی نہ پھٹکتی تھی۔ لیکن ان معاملات میں جن میں دخل دینا آپؐ اپنا فرض سمجھتے تھے۔ چاہے وہ حقوق اللہ تعالےٰ سے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے آپؐ نے کبھی نہ دوستوں کے غصہ کی پرواہ کی اور نہ دشمنوں کی عداوت کا خیال کیا۔ بلکہ بلا خوف و خطر پوری سرگرمی کے ساتھ اس فرض کو سرانجام دیتے۔ اور ہرگز اسکی پروا نہ کرتے کہ بُت وغیرہ کیا چیز ہیں یا وہ لوگ جن کے عقائد کی آپ تردید کرتے تھے۔ آپؐ کے مقابلہ اور مخالفت کے لئے کھڑے ہوگئے ہیں سچائی اور دوسروں کے حقوق کی حمایت میں آپؐ نے اپنا سب کچھ بھلا دیا۔ اور ذرا برابر بھی اپنے وجود یا فائدہ کی پروا تک نہ کی +

آپؐ حد سے زیادہ سریع الحس تھے۔ اور خصوصاً ان افعال میں سریع الحس تھے۔ جن کا تعلق

دوسروں کی بھلائی کیلئے تھا۔ آپؐ خود فاقہ برداشت کر لیتے لیکن دوسروں کو بھوکا نہ رہنے دیتے آپؐ کا دسترخوان اپنی غریب عایا کیلئے ہر وقت بچھا رہتا تھا۔ آپؐ اپنے قلیل سرمایہ کو لوگوں میں تقسیم کرتے اور اسکو بری طرح محسوس کرتے کہ بعضوں کو بہت ہی تھوڑا پہنچتا ہے۔ اور اس پر آپؐ کو افسوس ہوتا۔ کہ آپؐ کے پاس کچھ زیادہ دینے کو نہیں۔ ہر ایک شخص کی نیک خیالی کا آپؐ کو احساس ہوتا ان کا بھی جن سے مذہب اور خیالات میں آپؐ کو اختلاف تھا۔ مکہ میں آپؐ کے ایام جوانی میں آپؐ کے ساتھی ہی تھے۔ جو سب سے زیادہ ذہین اور معتبر لوگ تھے۔ اگرچہ ہماری اصطلاح میں وہ محض اُمّی تھے۔ لیکن تاہم آپؐ کا ذہن بہت باریک بین اور دور رس تھا۔ آپؐ تمام اشیاء اور ہر ایک انسان کو محبت کی نظروں سے دیکھتے اور قدرت اور اسکے عجائبات پر غور و فکر کرتے تھے +

خود انکاری آپؐ میں غایت درجہ کی تھی فیاضی اور مہمان نوازی جو کہ عربوں کا خاصہ ہے آپؐ کے خون میں سرایت کر چکی تھی۔ یہ سب باتیں آپؐ میں موجود تھیں۔ اور آپؐ کی قوم سے آپ کو ورثہ میں ملی تھیں۔ وہ عالی حوصلگی اور سخاوت جس نے چھوٹی عمر میں ہی قریش سے الامین کا خطاب آپؐ کو دلوایا۔ آخر عمر تک ہر ایک نور و تاریکی عُسر و یُسر اور ضعف و طاقت میں اپنے مشن کے آغاز سے لیکر اسکے آخر تک آپؐ میں رہی۔ اور آپؐ کی زندگی کا ایک جزو لاینفک ہو گئی +

ایک دفعہ آپؐ کو کسی کے حق میں بد دُعا کرنے کیلئے کہا گیا۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ "کہ میں بد دُعا کرنے کیلئے مبعوث نہیں ہوا۔ بلکہ میں تو کُل بنی نوع انسان کیلئے رحمۃ للعالمین ہو کر آیا ہوں" +

رحم اور عفو آپؐ کی زبان پر تھے۔ تمام ان بڑے بڑے جرائم میں بھی جو حکومت یا مسلمانوں کی بقایا اسلام کے خلاف کئے جاتے تھے۔ آپؐ انصاف کے ساتھ سزا دیتے اور اکثر رحم سے ہی کام لیتے تھے۔ لیکن توحید الٰہی اور مساوات انسانی کو برباد کرنیوالی تمام کوششوں سے اغماض ناممکن تھا اور ایسے مجرموں کے ساتھ مجرموں جیسا سلوک کرنا ہی ضروری تھا جو کیا گیا۔ جیسا کہ تمام مہذب اقوام کا قاعدہ ہے +

ذاتی تکالیف کی آپؐ کبھی بھی پرواہ تک نہ کرتے تھے۔ آپؐ کی ذات مبارک پر جو حملے یا جور و ستم ہوتے۔ ان کو بڑے تحمل و صبر سے برداشت فرماتے اور ہر وقت معاف کرنے کو تیار رہتے تھے۔ ایک یہودیہ عورت نے آپؐ کو زہر دیکر مارنا چاہا۔ لیکن جب وہ پکڑی گئی اسکو معافی دیکر آپؐ نے عملی رنگ میں اپنے

"خلق عظیم" کا ثبوت دیا۔ فتح مکہ پر آپ نے آزادانہ طور پر ان سب قریش کو معافی دیدی جنہوں نے سالہا سال تک آپ کو ہر ایک قسم کی اذیتیں پہنچائیں۔ اور حقارت و نفرت کا برتاؤ آپ سے روا رکھا تھا۔ گذشتہ واقعات تو ہو چکے تھے۔ جس کیلئے صرف اللہ نے ہی آپکے درمیان انصاف کرنا تھا۔ اس وقت تو ان کی موجودہ حالت کو دیکھنا تھا جبمیں اسلام کو کامل فتح نصیب ہوئی +

آپنے مخلوق خدا کو بردباری اور تحمل کی تعلیم دی۔ وہ سب سے زیادہ پاکیزہ اور وسیع ترین تحمل و بُردباری جو نسل انسانی کو آج تک نصیب ہی نہ ہوئی تھی۔ "کفار کے حملوں کی مدافعت کے لئے اپنی فوج کو روانہ کرتے وقت آپ نے اُن کو خاص طور پر سب بات کی ہدایت کی۔ کہ خبردار کبھی بھی دغا فریب اور ناجائز ضرر رسانی سے کام نہ لینا اور اپنی سپاہ کو حکم دیا۔ کہ ان نقصانات کا بدلہ لیتے وقت جو دشمن کی طرف سے ہمیں پہنچیں۔ گھروں کے اندر رہنے والوں سے نرمی کا برتاؤ کریں ہرگز کسی قسم کی تکلیف انہیں نہ پہنچائیں۔ عورتوں کی ہر طرح سے حفاظت کریں۔ ننھے بچوں کو جو آغوش مادر میں ہوں کوئی دُکھ نہ دیں۔ اور نہ ہی ان بیماروں کو کوئی گزند پہنچائیں جو بستر بیماری پر ہوں۔ ان لوگوں کے گھروں کو جو ہمارا مقابلہ نہیں کرتے ہرگز منہدم نہ کیا جائے۔ اور نہ اُن کے معیشت کے وسائل و ذرائع کی بیخکنی کیجائے۔ اور نہ ہی ثمردار درختوں اور کھجوروں کو نقصان پہنچایا جائے" +

یہ وہ الفاظ ہیں جو تمام یورپ کے سامنے آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ تاکہ تمام اقوام کی افواج انکو دیکھیں پڑھیں اور اُن کو سمجھیں +

یہ وہ نمونہ ہے جو آپ نے نسل انسانی کے سامنے رکھا یہی آپ کا مذہب اور آپ کی تعلیمات تھیں وہ کامل انسان ہے جس نے انوار ربانی سے مؤید ہو کر اپنی قوت قدسی اور روحانیت کو پھیلایا اور ایک ایسا جوش پیدا کر دیا جو کبھی سرد ہونیوالا نہیں۔ جسنے صحرائی عربوں کو اپنی غفلت و جمود سے بیدار کرکے توحید الٰہی کا جھنڈا چہار اطراف عالم میں گاڑ دیا۔ یہ آپ ہی کے "خلق عظیم" کا جوہر ذاتی ہے۔ کہ ہم ایک انسان کامل کو اپنے سامنے دیکھتے اور سچی انسانیت کے اعلےٰ اور ارفع اصولوں اور اوصاف حسنہ سے واقف ہیں۔ آپکے اس "خلق عظیم" سے بڑھ کر ہمارے ہاتھ میں اور کوئی معیار اخلاق انسانی کو جانچنے کا نہیں یہی وہ اخلاق کریمانہ ہیں جنہوں نے لوگوں سے عزت و تکریم کا خراج وصول کیا ہے۔ یہی نسل انسانی کے دلوں میں آپ کی محبت پیدا کرنے کا موجب اور آپکی مدح و ثنا کا مرجع قرار پائے ہیں۔

وہ چیز ہے جس کو قوموں نے اپنے ضوابط میں داخل کیا ہے۔ اور اسکی یادگار صفحۂ ہستی پر ہمیشہ ہمیشہ تک کیلئے قائم ہے +

سلسلہ خطبات غربیہ نمبرا

ہماری دلی خواہش ہے کہ ناظرین کرام رسالہ ان معرکتہ الآرا خطبات سے بھی بہرہ اندوز ہوجائیں۔ جو حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری نے جبکہ انہوں نے مسلم مشن ووکنگ کی بنیاد رکھی۔ اپنے قیام انگلستان میں ناآشنایان اسلام کو اسلام سے معرفت کرانے اور ان پر حقانیت اسلام متحقق کرنے کیلئے انگلستان۔ فرانس۔ سکاٹ لینڈ اور دیگر مقامات پر خطبوں، لیکچروں، سرمنوں اور تقریروں کی شکل میں دیئے۔ چونکہ ان خطبات کا ترجمہ ناظرین کرام تک ابھی نہیں پہنچا۔ اسلئے ہم نے ارادہ کیا ہے کہ اشاعت اسلام کی ہر ماہ کی اشاعت میں ایک خطبہ میں سے ایک مضمون بالاقساط شائع ہوتا ہے۔ چنانچہ سلسلہ خطبات غربیہ نمبرا میں مندرجہ ذیل ایک مضمون اس ماہ کے رسالہ میں درج کیا جاتا ہے۔ ایڈیٹر

میری مرضی نہیں بلکہ تیری مرضی

میری مرضی نہیں بلکہ تیری مرضی۔ یہ مختصر سا فقرہ کیسا جامع کیسا خوبصورت صداقت اور حکمت سے بھرا ہوا اور سچ پوچھو تو یہی ایک فقرہ نشیب و فراز زندگی میں ہر مرحلہ پر انسان کیلئے مشعل راہ ہوجاتا ہے۔ اور عجب بات ہے کہ یہی ایک فقرہ جامع طریق پر اس حقیقت کو ظاہر کرتا جو لفظ اسلام میں مظہر ہے۔ اسلام کیا ہے رضاء الٰہی کے آگے سر جھکا دینا۔ انسانی ارادہ یا انسانی مرضی وہ زبردست قالب ہے کہ جسمیں ہر انسانی فعل اور سیرت ڈھل جاتی ہے لیکن یہ ارادہ بالضرور انسان کو تباہی تک پہنچا دیگا۔ اگر یہ خلیع الرسن ہو۔ فی الواقع انسانی ارادہ تہذیب و تعدیل کا محتاج ہے اور ہر وقت اصلاح و تربیت چاہتا ہے۔ اور اگر انسان رضاء الٰہی کو ہی پورا کرنے آیا۔ تو پھر یہ زرین قاعدۂ زندگی جو جناب مسیح نے فرمایا۔ اس کی اہمیت ظاہر ہے۔ اس خدائے قدوس کی رضا ہی انسانی رضاء پر غالب آنی چاہئے۔ اس اصول کو جناب مسیح نے صلیب سے سکھایا۔ اپنی جان کی قربانی سے آپنے

ہمیں یہ تعلیم دہی۔ اب اگر یہی اصول ایک صحیح اصول ہے۔ تو ہمیں رضاء الٰہی کا علم ہونا ازبس ضروری ہے۔ کیا اس رضاء الٰہی کو ہم مختلف مصائب اور تکالیف میں پڑ کر حاصل کریں جیسے کہ فرقہ لوپزیٹوسٹ ( ) ہمیں تعلیم دیتا ہے۔ یا اس رضاء الٰہی کا مطالعہ بر ہمو عقیدہ کے مطابق مطالعہ فطرت سے کریں۔ اس کا تو یہ مطلب ہے کہ ہم حکمتِ الٰہی کو دوسروں کے نقصان پر حاصل کریں انسان کی نسلوں کی نسلیں جہالت اور ناواقفی کے باعث طرح طرح کے نقصان اور اسی طرح تکالیف و نقصانات اُٹھا کر ہماری ہدایت کے لئے سبق چھوڑ جائیں کیا یہ خود غرضی نہیں اور خدائے تعالےٰ کی ربوبیت پر ایک خطرناک حملہ نہیں۔ یہ باتیں ممکن ہے اُن کو پسند آئیں جو رگ دھریت اپنے اندر رکھتے ہیں لیکن جب ہم ایک دفعہ تسلیم کرلیں کہ ایک حکیم و فہیم خدا ہمارے چاروں طرف حکومت کر رہا ہے۔ وہ حکیم اور مُدبّر بالارادہ خدا ہے۔ جس کے علم میں کوئی خاص منشا انسان کے پیدا کرنے میں ہے۔ جس کو وہ پورا کرنا چاہتا ہے۔ اب اگر ہم یہ یقین کرلیں تو ہمیں اس منشاء الٰہی کا علم بھی ہونا چاہئے۔ اور ان راہوں کا بھی علم ہونا چاہئے جس سے وہ مشیت پوری ہونی ہے۔ اور مذہب کی اگر کوئی غرض ہوسکتی ہے تو یہی ہے مذہب دُنیا میں اسی لئے آیا کہ وہ ہم پر ہمارے خالق کی منشاء ظاہر کرے کہ ہمیں اس نے کیوں پیدا کیا اور اس طرح ہم اس کی غرض پوری کرنے کیلئے اپنی رضا کو اُسکی رضا کے ماتحت کر دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں جس طرح ہمارے حالات واقعہ ہوئے ہیں۔ ہر وقت ہم ایک ایک مرضی کے تابع ہوتے ہیں۔ خواہ وہ ہماری مرضی ہو یا کسی کی مرضی ہو۔ ہم روزمرّہ کی زندگی میں ایک ایسی منشاء اور رضا کے ماتحت ہو جاتے ہیں۔ جن کو ہمارے رسم و رواج نے ہم میں معروف کا رنگ دیدیا۔ مرضی نے پیروی کرنی ہے۔ اور جب یہ حالت ہے تو کیوں نہ اسے اس اعلےٰ وارفع مرضی کے ماتحت لے آئیں جس کی کوئی نہ کوئی مرضی ہمارے پیدا کرنے میں تھی۔ اور جس مرضی کو صرف وہی جانتا ہے اور ہاں وہی جانتا ہے کہ وہ مرضی کس طرح پیدا ہوگی +

جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے کہ مذہب جو دُنیا میں نازل ہوا۔ تو اسی ربّانی مرضی کو انسان پر ظاہر کرنے کیلئے پیدا ہوا۔ اسلئے مذہب خدا کی طرف سے ہر ایک کو بلا تمیز قوم ہر وقت دیا گیا دوسری طرف یہ بھی عام طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ کہ یہ ساری کتب الٰہیہ جن میں خدا کی منشاء ظاہر ہوئی تھی

اپنی اصلی شکل و صورت میں نہیں رہیں۔ ہاں قرآن کے متعلق کہا جاتا ہے۔ کہ یہ اپنی اصلی و صورت میں ہے لیکن اس بات کو بھی جانے دو۔ چلو جس شکل میں کوئی کتاب آئی ہے۔ اس کو اٹھا لو۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ مروجہ کتب مقدسہ رضا الٰہی کا آئینہ ہو سکتی ہیں سب سے پہلے ان چاروں انجیلوں کو لیلو

آج کے ہمارے خطبہ کا جو موضوع ہے یعنی "میری رضا نہیں بلکہ تیری رضا ہو" یہ تو اس قدر عظیم الشان ہے کہ اس کی تعلیم مسیح نے پھانسی پر چڑھ کر دی +

ہم آپ کی زندگی میں اور آپکے مقدس الفاظ میں تعلیم دیئے جاتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ ہم سے کیا چاہتا ہے جب ہمیں دشمنوں سے معاملہ پڑے ہمیں کس طرح صبر کے ساتھ مصائب زندگی کو سہنا اور کسی تکلیف کی بھی ہمیں پروانہ کرنی چاہیئے۔ اگر دشمنان خدا کی پردہ دری کرنے میں ہمیں اٹھانی پڑے لیکن یہی چند باتیں ہماری کُل زندگی پر حاوی ہیں۔ یا ہماری کُل ضروریات زندگی ہمارے کاروبار اور ہمارے معاملات ان حدود سے باہر بھی چلے جاتے ہیں۔ جن کو مسیح کے پیارے الفاظ گھیرے ہوئے ہیں۔ کیا ہمیں ہر معاملہ زندگی میں ربانی روشنی کی ضرورت نہیں اور لو اور اپنے اعضاء جوارح کو دیکھ لو۔ خدا نے ہمیں ہاتھ دیئے۔ پاؤں دیئے۔ آنکھیں دیں دل و دماغ دیا۔ ان چیزوں کے بنانے میں کوئی منشاء ایزدی ہوگی۔ ان کا کوئی خاص استعمال اس کی نگاہ میں ہوگا۔ کیونکہ ہم ہر روز دیکھتے ہیں کہ انہی اعضاء و جوارح کی بد استعمالی ہمیں ہلاکت کا منہ دکھلاتی ہے۔ کیا انہی اعضاء جوارح و دیگر اعضا کے ناجائز استعمال کیلئے ہم خدا اور مخلوق خدا کے سامنے ذمہ وار نہیں۔ دیکھو اسی ذمہ داری کی طرف کس خوبصورتی سے کتاب اسلام نے اشارہ کیا۔ یہ ہیں قرآن کریم کے الفاظ۔ ولا تقف ما لیس لک بہ علم ط ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنہ مسئولا۔ بنی اسرائیل آیت ۳۶

ترجمہ - اس بات پر مت چل جس کا تجھے علم نہیں۔ کیونکہ تجھ سے تیرے دیکھنے سننے اور دل کے متعلق پوچھا جائیگا +

کیسی حکمت اور صداقت سے بھری ہوئی یہ نصیحت ہے۔ خدا کی کتاب میں یہاں صرف تین اعضاء کا ذکر کیا ہے لیکن یہی تین اعضاء وہ زبردست اعضاء ہیں کہ جن کے زیر اثر تمام انسانی ارادے اور خواہشات مختلف شکلیں اختیار کرتی ہیں۔ درحقیقت یہ تین اعضاء کُل حواس انسانی کے قائم مقام

ہیں ہمارے علم کا زیادہ حصہ آنکھ اور کان کے ذریعے ہمیں ملتا ہے اور ہمارے ارادہ و مرضی کا سرچشمہ ہے میری مرضی نہیں بلکہ تیری مرضی"۔ کیسا پیارا نعرہ ہے کیسی برمحل نصیحت کیسی برموقع ہدایت ہے۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ آنکھ کان اور دل کے استعمال میں تیری مرضی کا علم کہاں سے ہو کیونکہ آنکھ اور کان سے میں واقعات کا علم حاصل کرتا ہوں۔ اور دل کے ذریعہ ان پر محاکمہ کر کے اپنی مرضی اور ارادے کو استعمال کرتا ہوں۔ مجھ سے کہا جاتا ہے کہ میں اپنے تمام امور زندگی میں ہادی راہ "تیری مرضی" رکھوں۔ اور اپنی مرضی کو تیری مرضی کے ماتحت کر دوں لیکن کوئی ذریعہ نہیں کہ جس سے مجھے تیری مرضی کا علم ہو۔ ہم آپس کے معاملات زندگی میں بھی ایک دوسرے کے بالمقابل فرائض و ذمہ داریاں رکھتے ہیں اور انہی فرائض و ذمہ داریوں کے توڑنے سے دنیا میں بدی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ہماری ربانی غرض جو انسان کے بنانے میں تھی مفقود ہو جاتی ہے کس طرح سے اس حکم "تیری مرضی" کو میں ان مختلف فرائض و ذمہ داریوں کے ادا کرنے میں پورا کروں۔ کیا میں اپنی زندگی کے ایک ایک قدم پر اندھیرے میں نہیں۔ کیا مجھے ہر مرحلہ زندگی پر روشنی کی ضرورت نہیں۔ پھر اگر روشنی کی ضرورت ہے تو کیوں ربانی روشنی نہ ہو مذہب دنیا میں اور بھی ہوتے رہے ہیں۔ اور ہر ایک اسی ربانی روشنی کو اپنے اندر رکھنے کا مدعی ہے لیکن میرے نزدیک کوئی بھی کتاب خاتم الہام الٰہی ہونے کے مدعی نہیں ہو سکتی۔ جب تک اسمیں ذیل کے امور نہ ہوں جس کا دعویٰ اسلام کی کتاب قرآن نے کیا۔ اور ان امور کو اپنے اندر رکھا جس کا دعوئے ہے۔

(الف) ذٰلک الکتٰب لا ریب فیہ ھدی للمتقین۔ اِس کتاب میں کوئی شبہ نہیں یہ حق اللہ حق العباد کا لحاظ رکھنے والوں کے لئے ہدایت نامہ ہے (سورۃ البقرہ اول آیت) کتٰب انزلنٰہ الیک لتخرج الناس من الظلمٰت الی النور۔ باذن ربھم الی صراط العزیز الحمید۔ یہ قرآن ایک اعلےٰ درجہ کی کتاب ہے اسکو ہم نے تم پر اس غرض کیلئے اتارا ہے کہ تم لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے (کفر کے اندھیروں سے نکالکر ایمان کی روشنی میں لاؤ (یعنی) اس (ذات پاک) کے رستے پر لاؤ جو (سب سے) زبردست اور تعریف کے لائق ہے (سورۃ ابراہیم آیت پہلی)

(ج) سورۃ انزلنٰہا و فرضنٰہا و انزلنا فیھا۔ اٰیٰت بینٰت لعلکم تذکرون

(یہ ایک) سورت ہے۔ جس کو ہم نے اُتارا اور یہ دستور العمل ہمارا ہی باندھا ہوا ہے۔ اور ہم نے اسمیں کھلے کھلے احکام نازل کیئے۔ تاکہ تم یاد رکھو (سورۂ النور۔ آیت پہلی)+

اس قسم کی بہت سی آئیتیں قرآن کریم میں ہیں۔ جن سے ہمارے روزمرہ معاملات زندگی میں اس چیز کا پتہ لگتا ہے۔ جس کو جناب مسیح نے "تیری مرضی" کہکر پکارا +

موجودہ کلیسیا عملاً اپنے استاد کے خلاف ہے لیکن مسیحی کلیسیا جس کا ڈھانچ پولوس نے بدل دیا۔ وہ دراصل یہ سکھلاتا ہے کہ تیری مرضی دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسکی تعلیم بالکل اس کے برعکس ہے تیری مرضی جس سے مُراد وہ ربانی قوانین یا شرائع ہیں۔ جن پر چلنا انسان کیلئے ضروری تھا۔ اور جن کے ماتحت انسانی مرضی کو رہنا تھا اُن پر پولوس کی تعلیم کے ماتحت انسان چل سکتا ہی نہیں۔ گناہ جس سے مُراد تیری مرضی کا خلاف ہے حسب تعلیم پولوس تیری مرضی یعنے شریعت انسان کی فطرت میں آ چکا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انسان قوانین الٰہی پر چل سکتا ہی نہیں تیری مرضی یعنے شریعت لبقول پالوس لعنت ہے۔ اور لعنت کی طرف لیجاتا ہے۔ اسلئے ہم تیری مرضی لعنی شریعت پر چلکر نجات پا ہی نہیں سکتے! اور اسلئے ہمیں نجات مسیح کے خون کے ذریعے حاصل ہوئی۔ کیا عجیب انکشاف حقیقت جناب پولوس کو ہوا۔ اور یہ وہ انکشاف ہے جس کا پتہ جناب مسیح کو نہیں چلا۔ اگر مسیح بھی اس حقیقت سے آشنا ہوتا تو پھر وہ کیوں یہ سبق سکھلاتا +

میری مرضی نہیں بلکہ تیری مرضی

اگر وہ جانتا تھا کہ ہم تو اسکی مرضی پر چل بھی نہیں سکتے تو پھر وہ ہمیں یہ سبق کیوں دیتا پولوس اور اس کے ماتحت عیسائی کہتے ہیں کہ وہ خدا ہے۔ لیکن جب وہ سبق دینے میں انسانی فطرت کو نہ سمجھ سکا۔ پھر وہ خالق کس طرح ہو سکتا ہے +

اِسلام کی خُوبیاں

(ایک نومسلمہ کی قلم سے)

ہماری اس دُنیا میں بہت سے رسم و رواج مُروج ہیں بعض تو ان میں سے ہماری راحت و آسائش کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اور بعض صعُوبت اور تکلیف کا موجب ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر اس معاملہ میں ذرا غور و فکر سے کام لیا جائے اور رسم و رواج کی حقیقت کو طشت از بام کرنے کی کوشش کیجئے تو معلوم ہو جائیگا۔ کہ ان کی اصلی اور حقیقی غرض و غایت ہماری تکالیف کو دور کرنا اور ہماری طرز معاشرت میں آسانی پیدا کرنا تھی بلکہ خواہ مخواہ کی بلا اور مصیبت اپنے گلے ڈالنا۔ ایسی رسم و رواج کو بیخ سے اکھاڑنا اور اس پر عمل درآمد قطعی طور پر بند کرا دینا کوئی آسان کام نہیں۔ اور خصوصاً یہ بات تو ابدالآباد سے چلی ہی آئی ہے۔ کہ چونکہ میرے آباؤ اجداد یہ کام اس طرز پر کرتے آئے ہیں اس واسطے اگر میں بھی ایسا ہی کروں تو اسمیں چنداں قباحت نہیں۔ اس لکیر کی فقیری نے بہتوں کو راہِ حق سے روکا اور بہتوں کو قعرِ ضلالت و کفر میں ڈبویا۔ اور مذہب کے معاملے میں تو اس اندھی تقلید کی حد ہی ہو گئی ہے۔ اور خصوصاً مغربی ممالک میں جہاں کہ لوگ عموماً عیش پرستی میں مصروف ہیں۔ اور ان کے لئے اپنے اسلاف کے مذہب کی تقلید بہ نسبت تحقیق حق کے بہت آسان ہے اور بدیں وجہ وہ اپنے دل سے یہ سوال کرنے کی تکلیف کبھی گوارا نہیں کرتے کہ آیا ہمارے والدین کی طرز عبادت برحق اور فطرت صحیح کے مطابق بھی تھی یا نہیں مغرب میں ایک بڑا زبردست رواج ہے اُسکو سوشل تعاون کہئے تعصب سے نامزد کیجئے یا تنگ نظری سے منسوب کیجئے خیر اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی مغربی انسان کو اس گناہِ کبیرہ کا مرتکب نہ ہونا چاہئے کہ وہ مذہب کی بابت کسی قسم کی گفتگو یا غور و خوض یا دریافت کی غیر حاضری ہیں کرے۔ اور یہی ایک وجہ ہے کہ مغربی لوگ مذہب پر کبھی غور نہیں کرتے اور اسکو اپنی ضروریات زندگی میں شمار نہیں کرتے۔ ہاں مشرقی ممالک میں یہ بات نہیں ہندوستان ہی کو دیکھ لو۔ یہاں تو دن رات مذہبی مباحثے اور جلسے ہوتے رہتے ہیں۔ اور یہ وجہ ہے کہ اگر ایک ہندوستانی کو اس بات کا قائل کر دیا جائے کہ اسکے مذہب میں نقائص ہیں اور ایک دوسرا

بہتر مذہب پیش کیا جائے تو وہ فوراً حق کی پیروی کرنے میں کوئی دقت محسوس نہیں کرتا لیکن یہاں بھی ایک مسلم کے پاؤں کا لڑکھڑانا ایک امر محال ہے۔ کچھ عرصہ ہوا کہ ایک عیسائی مبلغ سے بات کرنے کا مجھے اتفاق ہوا دوران گفتگو میں وہ کہنے لگے۔ کہ ہندوستان میں جو لوگ نئے عیسائی ہوتے ہیں۔ ان میں سے شاید چار فیصدی مسلم اور ۹۰ فیصدی ہندو ہوتے ہیں۔ اور یہ کہ جب وہ کسی مسلم کو عیسائی بنانا چاہتے ہیں تو وہ کوئی نمایاں فرق ان دو مذاہب کے اصولوں میں دکھا نہیں سکتے۔ میرے خیال میں ایک بڑی روک جوان مبلغوں کی راہ میں ہے وہ یہ ہے کہ وہ اسبات کو تو بالکل خیال ہی میں نہیں لاتے۔ کہ ان کے مذہب میں کوئی جدید بات تو ہے نہیں۔ جو کچھ اچھی بات ان کے مذہب میں ہے وہ اسلام میں آگے ہی موجود ہے۔ ہاں ان کے مذہب میں کچھ بدعات آگئی ہیں اور ان کو پیش کرنے سے وہ جھجکتے ہیں۔ اسلام کا دعویٰ ہے کہ اسمیں کوئی افراط تفریط نہیں ہوئی۔ وہ تصرفات انسانی سے محفوظ ہے اور اسکی تعلیم قابل عمل ہے جو کچھ بھی صداقت اور نفع انسانی کی بات کسی مذہب میں تھی۔ وہ اسلام نے اپنے اندر صحیح اور اصلی حالت میں لیلی ہے۔ تو پھر کیوں آپ لوگ اپنے دل سے مذہب کی بابت سوال نہیں کرتے۔ میرا خیال ہے کہ سو میں سے ننانویں حالتیں ایسی نکلینگی کہ یہ مذہب جس کی تقلید مغرب میں بلا دیکھے بھالے ہوئی ہے غیر تسلی دہ اور قابل ترک ثابت ہوگا۔ کیا یہ ہمارا فرض اولین نہیں کہ ہم طلب حق میں کوشش کریں۔ ہم خود اپنے دوستوں کا انتخاب کرتے ہیں خاوند بھی اپنی مرضی سے چنتی ہیں۔ کوئی پیشہ اختیار کرنے سے پہلے خوب سوچ بچار کر لیتے ہیں۔ ایک معمولی سی چیز خریدتے وقت اپنے دل سے مشورہ کرتے ہیں تو پھر کتنی شرم کی بات ہے کہ مذہب جیسی قیمتی اور ضروری چیز کو لیتے وقت ہم غور و خوض سے کام نہ لیں۔ انجام و عاقبت پر غور نہ کریں اور مقابلہ کر کے بہترین مذہب کو اختیار نہ کریں دیگر ضروریات زندگی تو عارضی ہیں لیکن کتنی اہمیت اور وقعت ہم انکو دیتے ہیں۔ اور مذہب کے معاملے میں اپنے دماغ کو چھٹی دیکر کسی دوسرے کی رائے یا خیال کی اندھی تقلید کر لیتے ہیں۔

اب آپ یہ پوچھینگے کہ اسلام میں کونسی خوبیاں ہیں اور دیگر مذاہب پر اسکو کیا فضیلت ہے، جناب محاسن اسلام کو گننا تو ایک امر محال ہے اور اسکی کوشش کرنے میں ایک بالاز طاقت چیز کو پانے کی کوشش کرنا ہے۔ اس واسطے میں مشتے نمونہ از خروارے چند مختصر سی باتوں کی

طرف آپ صاحبان کی توجہ مبذول کرتی ہوں۔ گذشتہ چند روز سے میں حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی سوانح کے حالات پڑھ رہی ہوں۔ آپ کی روزانہ طرز زندگی پر غور کرنے سے دل پر ایک عجیب اثر پیدا ہوتا ہے۔ تھے تو آپ ایک ہمارے جیسے بشر لیکن اس قسم کے اعلےٰ اخلاق اور افضل ترین عادات آپ میں پائی جاتی تھیں۔ کہ اشرف الناس آپ کو کہنا بیجا نہیں +

ذرا اس سلام پر غور کرو جو مسلمان ایکدوسرے سے کرتے ہیں۔ فرمایا جب ایکدوسرے سے ملو تو السلام علیکم کہو یعنی سلامتی ہو تم پر کیسی جامع اور خوبصورت دُعا ہے اور اسکے مقابلے میں عیسائی طرز سلام کو بھی دیکھو ؎

ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا

عیسائی کلیسیا میں یہ بات عام طور پر سُنی جاتی ہے کہ سب سے خوبصورت وہ بھجن یا گیت ہے جو سلامتی یا کامل سلامتی سے شروع ہوتا ہے۔ بقول انجیل جب جناب مسیح سمندر پر چلے اور طوفان بالکل مدھم ہو گیا اور چاروں طرف سناٹا چھا گیا تو آپنے فرمایا "میں تم پر اپنی سلامتی چھوڑتا ہوں"۔ "زمین کیلئے سلامتی۔ اور لوگوں کی بھلائی"۔ نبی کریمؐ نے مذہب اسلام میں جو کچھ تعلیم دی اس کا کوئی پہلو بھی ایسا نہیں جس پر تمام لوگ اپنی روزانہ زندگی میں عمل پیرا نہ ہو سکیں مغرب کے مذاہب کی طرح یہ کوئی دکھاوے یا فیشن کا مذہب نہیں مذہب اسلام امرا کیلئے مخصوص نہیں۔ یہاں تو سب پہلو بپہلو کھڑے ہو کر اکٹھے عبادت کرتے ہیں۔ اسلام ہرگز اسبات کی اجازت نہیں دیتا کہ امیر لوگ پیسے دیکر مسجد میں اپنی جگہ ریزرو کرالیں اور بچارے غریبوں کو کبھی صف اوّل میں کھڑے ہونا نصیب ہی نہو گرجا میں تو آپ کچھ روپے دے کر بہترین جگہ لے سکتے ہیں۔ اور سب سے اخیر میں آکر سب سے آگے بیٹھ سکتے ہیں لیکن اسلام میں جو پہلے آوے وہی صف اوّل کا ثواب لیگا۔ خواہ وہ مفلس اور قلاش کیوں نہ ہو۔ اور ایک امیر کبیر بھی اگر بعد میں آیا ہے تو اسکو اخیر میں ہی جگہ ملیگی یہاں تو امیر غریب کی حیثیت کم از کم مسجد میں تو برابر ہے۔ دونوں نماز اور سلام کا ثمرہ یکساں طور پر حاصل کرتے ہیں۔ اسلام سادگی کا مذہب ہے۔ میں اسکو سادہ اس واسطے کہتی ہوں کہ یہ لفظ اسلام اور بانی اسلام دونوں کے لئے نہایت موزوں اور قابل ہے۔ اس کا سادہ پن بڑا دلفریب اور شیریں ہے۔ اور لفظ سادہ لوگوں کے

دلوں کو بھلا معلوم ہوتا ہے عیسائی کلیسیائیوں میں سُنا کرتے تھے۔ کہ مسیح بڑا خوبصورت اُس کا چہرہ بڑا پیارا اور دلفریب اور کیتھولک پادریوں کے مُنہ سے یہی سُنا کرتے تھے کہ مریم بڑی حسین اس کا چہرہ بڑا دلکش اسکی نگاہیں بڑی بھولی اور پیاری لیکن نبی کریم کی بابت ہم نے کبھی ان کے چہرہ کی تعریف نہیں سُنی (اگرچہ وہ بفضل خدا کسی سے کم خوش شکل نہ تھے) جب کبھی آپ کا ذکر سُنا یہی سُنا کہ آپ کے اوصاف بڑے حمیدہ تھے۔ آپ کے اقوال پُر از حکمت اور قابل عمل ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ ایک آدمی کی بزرگی قائم کرنے کیلئے اسکی ظاہری دلربائی یا خط و خال کے دلفریب ہونے کی نسبت اسکے افعال اور اقوال کا اچھا ہونا زیادہ ضروری ہے +

محمد صلے اللہ علیہ وسلم سنہ ۵۷۰ عیسوی میں مکہ شریف میں پیدا ہوئے۔ کچھ مدت تک آپ تجارت کے کاروبار کرتے رہے اور بڑی دیانتداری سے حضرت خدیجہؓ کا کام نبھاتے رہے۔ بہت سے سال ان کا کام کرنے کے بعد آپ نے حضرت خدیجہؓ کی درخواست پر اُن سے شادی کرلی۔ اور ایک سچے اور وفادار خاوند کی طرح آپ نے تمام حقوق زوجیت کو ادا کیا۔ آپ کے والد شریف آپ کی ولادت سے پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔ اور جب آپ کی عمر صرف چھ برس کی تھی تو مادر مہربان بھی داغ مفارقت دیکر چل بسیں۔ جب والدین کا سایہ اس چھوٹی سی عمر میں آپ کے سر سے اُٹھ گیا اور وہ تمام شفقتیں اور ناز جو والدین اُٹھاتے ہیں اُن سے محروم ہو گئے تو آپ چند برس تک اپنے دادا کے سایۂ عاطفت میں رہے۔ اور جب وہ بھی اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ تو آپکی پرورش و تربیت آپ کے چچا ابو طالب کے سپرد ہوئی۔ آپ ابتدا ہی سے تنہائی اور عزلت گزینی کے شائق تھے۔ اور اپنے اوقات کا بہت سا حصہ جنگلوں اور بیابانوں میں عرفان الٰہی کی جستجو میں گزار دیتے تھے +

آپ بالکل ناخواندہ تھے اور تا قیامت آپ کو بڑے فخر سے اُمّی رسُول کہا جائیگا۔ یا سطرح حضرت آمنہ کا یتیم بچہ جس کی ابتدائی زندگی کے حالات یاد کرکے ہر ایک مسلم کا دل پسیج جاتا ہے جوان ہوا اور جوانی کے بعد کامل انسانیت کے درجہ میں داخل ہوا۔ آپکے دل میں اصلاح خلق کیلئے خیالات موجزن تھے اور جب آپ اپنی قوم کی گری ہوئی اور ناقابل گفتہ بہ حالت پر نظر ڈالتے تو آپ کے دل میں اصلاح کی ایک تڑپ اور لگن پیدا ہو جاتی۔ انہی دنوں میں آپنے ملک شام کی طرف دو سفر

گئے اور وہاں آپؐ کو ایک ایسا منظر نظر آیا۔ جس کے مشاہدے سے آپؐ کا دل بیزار ہو گیا اور اصلاح دُنیا کی ایک آگ سی آپؐ کے دل میں لگ گئی۔ آپؐ نے عیسائی فرقوں کو ایکدوسرے کی دھجیاں اُڑاتے ہوئے دیکھا۔ اور اس باہمی جنگ و قتال کا بُرا اثر جو لوگوں کے اخلاق و عادات پر ہوتا تھا اسکو دیکھ کر آپؐ کا دل دُنیا کی محبت سے بیزار اور سرد ہو گیا۔ اور آپؐ نہایت مغموم اور متفکر واپس آئے +

جب آپؐ کی عمر پچیس برس کی تھی تو آپؐ کی شادی حضرت خدیجہؓ سے ہوئی۔ حضرت خدیجہ رضؓ ایک شریف خاندان کی اور بڑی امیر بیوہ تھیں۔ اور وہ سب سے پہلے آپؐ کے ہاتھ پر اسلام لائیں۔ اور اُن کی عمر آپؐ سے ۱۵ برس بڑی تھی۔ اس شادی کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا۔ کہ آپؐ کو حصول روزی وغیرہ کے فکر سے نجات ہو گئی۔ حضرت خدیجہؓ نہ صرف آپؐ کی بیوی تھیں بلکہ آپ کی بہترین خیر خواہ اور سچی رفیق تھیں۔ جب آپؐ گوشہ نشینی اور تفکرات سے مغموم ہو کر واپس تشریف لاتے تو آپؐ کی تشفی اور تسکین کا موجب ہوتیں۔ اور جب آپؐ کے دُشمن آپؐ کو ہر طرف سے تکلیف دیتے تو صرف خدیجہؓ ہی تھیں جو آپؐ کو تسکین اور دلیری دیتی تھیں۔ سخت سے سخت مصائب میں خدیجہؓ نے آپؐ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ پندرہ برس تک آپؐ نے اسی حالت میں بسر کیئے اور لوگوں کے دلوں میں خود بخود آپؐ کی عزت اور وقعت پیدا ہوتی جاتی تھی +

اِن پندرہ برس کے بعد جب آپؐ کی عمر چالیس برس کی تھی تو غار حرا میں آپؐ پر پہلی وحی اُتری۔ آپؐ پر ایک عجیب خوف طاری ہو گیا۔ اور آپؐ فوراً اپنی مونس و غمخوار بیوی کے پاس واپس آگئے اور اسکو سارا واقعہ سُنایا اور اس بڑے کام کا متحمل نہ ہونے کا خدشہ پیش کیا اور جب حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو یقین دلایا۔ کہ آپؐ اصلاح خلق کیلئے بحیثیتِ موعود نبی مبعوث ہوئے ہیں تو اس اُمید افزا پیام نے آپؐ کے دِل پر مرہم کا کام دیا۔ اور آپؐ کے دل میں لوگوں کی محبت اور خدا کی مدد پر ایمان آگے سے دوگنا جاگزین ہو گیا۔ اور اسکے بعد ایک رات جب آپؐ ایک چادر لپیٹے سوچ رہے تھے تو خدا کی طرف سے رسالت اور تبلیغ کا حکم بڑے کھلے الفاظ میں آپ کو ملا۔ فرمایا۔ یاایھا المدثر قم فانذر وربک فکبر اے چادر لپیٹنے والے اُٹھ اور ڈرا (لوگوں کو) توحید بیان کر +

نبی کریم صرف مذہبی پیشوا نہ تھے کہ اگلی دُنیا کی چند خوشخبریاں سنا دیتے اور بس جیسا کہ جناب مسیح نے کیا۔ آپ کو مدینہ کے لوگوں نے بالاتفاق اپنا مطاع اور حاکم انتخاب کیا۔ آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا۔ کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی مختلف حیثیتوں کا مجموعہ ہے۔ آپ ایک یتیم۔ ایک غریب۔ ایک امیر ایک خاوند ایک والد ایک رسُول ایک قانونی حاکم اور ایک سپاہی ان سب کی حالت میں سے ہو کر گذرے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ انسانی تجربہ یا انسانی قلب کے مختلف حالات سے آپ ناواقف تھے۔ سب سے پہلا فرمان جو آپ نے بحیثیت مجسٹریٹ نافذ فرمایا اسمیں ایک شہر کے باشندے کے تمام فرائض مذکور تھے۔ اور قرب میں جو یہودی رہتے تھے ان سے تعلقات کا ذکر تھا۔ آپ نے اندرون خانہ کے تمام جھگڑے اور قتال کو روک دیا اور حکم دیا کہ سب تنازعات مجسٹریٹ کے حکم سے فیصلہ ہوں اور یہیں سے اسلامی جمہوریت کی ابتدا ہوئی +

ہمارے بعض عیسائی بھائی یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ بھلا نبی اور رسُول کو مجسٹریٹ سے کیا نسبت نبی کا کام تو صرف مذہب کی تعلیم دینا ہے جیسا کہ حضرت عیسےٰ نے کیا لیکن میں ان سے یہ دریافت کرونگی کہ مجسٹریٹ یا مشیر قانونی کا دن کس شغل میں صرف ہوتا ہے۔ یہ کام تو بڑا افضل اور اشرف ہے۔ کیونکہ یہ تو خدا کے انصاف کو اس نے انصاف اور ظالم دُنیا میں واپس لانے کی مدد کرنا ہے۔ اور انسانی غلط کاریوں کی اصلاح کا جو انجن ہے۔ اس کا ایک بڑا ضروری پرزہ ہے۔ اور جس کی غرض صرف اسقدر ہے کہ خدا کے منصف کے نام پر انسانوں کے درمیان انصاف اور عدل قائم کیا جائے +

اور جس قدر یہ مدّعا حاصل ہو گا اسقدر نیکی کو تقویت ملیگی اور بدی کا دہن آز بند ہو گا۔ دو مخالف اور متضاد خیالوں یا دعوؤں کو جانچنے کیلئے ایک منصف کی ضرورت ضرور ہوتی ہے۔ یا بالفاظ دیگر موافق اور مخالف شہادتوں سے نتیجہ حق نکالنے کیلئے ایک جیوری یا پنچ کا ہونا لازمی ہے۔ تو پھر غور کیجئے کہ نبی سے بڑھ کر اس عہدہ کیلئے اور کون انسان زیادہ موزوں ہو سکتا ہے۔ یہ کام تو خود خدا کا ہے ایک دن آئیگا کہ وہ خود تمام مخلوقات کا انصاف بہ حیثیت ایک چیف جج کے کرے گا ایک آدمی خواہ اس کا کام کچھ ہی ہو لیکن جب تک وہ اپنے کام میں مبالغہ افراد تفریط بدعت اور کذب سے بچتا رہیگا خواہ وہ وکیل ہو یا جج ہر حالت میں وہ

اپنے مفروضہ کام کے مطابق عمل کریگا۔ جناب مسیح کے دہن مبارک سے بھی اسی قسم کے الفاظ نکلے فرمایا "میرا باپ بھی کام کرتا ہے۔ اور میں بھی اپنا فرض ادا کرتا ہوں" لیکن پھر بھی میں یہ سوال کرونگی۔ کہ کیا ایک آدمی باوجود ادائیگی فرض کے ہر روز وہ اپنے دل سے اپنے افعال کے نتیجہ کی بابت سوال نہیں کرتا۔ اور کیا اس مقولہ کی صداقت دن بدن اس پر روشن نہیں ہوتی جاتی۔ کہ اس کا نتیجہ خار اور کانٹے بھی ہونگے۔ سالہا سال ایک ہی بڑے خوفناک امتحان میں گذرنے چلے جائیں۔ اور پھر نتیجہ پر ایک نظر ڈالی جائے تو کون شخص ہے جو اپنے آپ کو یوں نہ کہیگا کہ میرا تمام دن کا شغل اس امر سے متعلق ہے جو بغیر گناہ کے کچھ بھی نہیں میں اپنی طاقت کو بے فائدہ ضائع کرتا ہوں۔ میری محنت اس امر میں رائیگان جاتی ہے جس سے مجھے کوئی اطمینان حاصل نہیں ہوتا۔ آخر اس دن ہم کیا جواب اس منصف اعظم کو دینگے جب ساری مخلوق بلا تمیز مذہب و ملت اسکے حضور جمع ہوگی۔ یہ عذر کرنا تو بالکل بے سود ہوگا کہ ہم نے سوچ سے کام نہ لیا۔ بہت سے تو کہیں گے کہ ہم اس چیز کے حصول کی کوشش کرتے رہے جس سے ہم کو کوئی تسلی نہ ملی۔ اس یقینی طور پر آنیوالی گھڑی کو یاد کراتے ہوئے میں اس مضمون کے ہر ایک پڑھنے والے سے التجا کرونگی کہ وہ طلب حق میں کوشش کریں اسلام کی خوبیاں اور اس کی فضیلت کی بابت اپنے دل سے سوال کریں۔ کیونکہ ان کو بھی یہ سوال پوچھا جائیگا اور انکو جواب دہی کرنی پڑیگی۔ نبی کریم کی زندگی کے حالات پڑھو آؤ ہم بھی مشرقی لوگوں کی طرح طلب حق اور قبولیت حق کے لئے اپنا دل کھول دیں اور اسلام کی برکتوں سے مستفید ہوں۔ اب اس مادہ پرستی کو جو مغرب میں رائج ہے خیرباد کہو۔ اور روحانیت کو بھی دل میں کچھ تھوڑی سی جگہ دو۔ تو پھر آپ اس سلامتی اور تسکین قلب کو حاصل کرلینگے جو ہمارے نبی محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے سکھائی۔ قرآن فرماتا ہے۔ ایاك نعبد و ایاك نستعین ۰ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیهم غیر المغضوب علیهم ولا الضالین (ترجمہ تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ الہٰذا ہم کو سیدھے رستے پر چلا۔ رستہ ان لوگوں کا جن پر تو نے اپنی برکات نازل کیں۔ اور نہ ان لوگوں کا جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور جو گمراہ ہوئے) +

قرآن کی آیات پر فرداً فرداً غور کرنے سے یہ امر روشن ہو جاتا ہے کہ اس سورۃ میں انسان کے اعلےٰ ترین مقصد زندگی یعنے وصال خدا کے حصول کیلئے رہنمائی کی گئی ہے۔ اور یہ سورۃ انسان کو درجہ بدرجہ روحانی ترقی کی مختلف منازل طے کراتی ہوئی کمال عرفان تک لیجاتی ہے۔ کسی ہستی کی عبادت اور اطاعت صرف دو ہی باتوں سے ہو سکتی ہے۔ یعنی محبت یا ڈر سے۔ محبت تو ہمیشہ مطاع اور معبود کے محاسن اور رحم سے پیدا ہوتی ہے۔ اور اس سورت میں قرآن نے اِن دونوں ذریعوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ بعض لوگ عشق و محبت سے مؤثر ہوتے ہیں۔ اور بعض ایسے بھی ہیں جو ایسے خیالات کو تو پسِ پُشت ڈالتے ہیں لیکن رُعب اور خوف کے آگے دم نہیں مارتے۔ سب سے زیادہ دانشمندانہ طرز یہی ہو سکتی تھی کہ پہلے محبت کے نرم پہلو کو پیش کیا جائے۔ اور اگر اس سے کام نہ چلے تو رُعب اور خوف کو کام میں لایا جائے +

پس فطرت انسانی کے عین مطابق عمل کرتے ہوئے قرآن کی پہلی سورۃ ہی میں خدا کی ایسی صفات بیان کی گئی ہیں۔ جو اسکی خوبیوں اور بھلائیوں کو پیش کرتی ہے۔ اور اِس طرح انسان کے دِل میں عشق الٰہی کی آگ بھڑکاتی ہے۔ اس ذات باری کا نام اللہ ہے۔ وہ خالق ہے تربیت دہندہ ہے۔ اور سب کا سہارا ہے وہ مومن اور کافر کا روزی رسان یکسان ہے۔ اسینے وہ تمام ضروریات زندگی مُہیّا کیں جو ہمارے وہم وگمان میں بھی نہ آسکتی تھیں لیکن جن کے بغیر زندگی ایک لمحہ کے لئے بھی محال ہو جاتی۔ وہ ہمارے اعمال صالحہ کا اجر بڑی فراخ دلی سے دیتا ہے اور جب وہ طبیعتیں جن میں جذبۂ محبت غالب ہوتا ہے۔ ان صفات پر غور کرتے ہیں تو فوراً ان کے مُنہ سے خود بخود ایاك نعبد کی دُعا نکلجاتی ہے۔ اور جب عشق کا درجہ اس رُوحانی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ اور خدا کی محبت کے آگے سب خواہشات نفسانی ہیچ نظر آنے لگتی ہیں۔ تو فطرت انسانی خود بخود "اھدنا الصراط المستقیم" کا کلمہ نکلوادیتی ہے +

اسلام یعنی نبی کریم کی تعلیم اور جناب مسیح کی تعلیم میں کس قدر فرق ہے۔ جناب مسیح نے فرمایا اگر تیری ایک گال پر طمانچہ مارے تو دوسری بھی آگے کر دے۔ اس کے مقابل میں نبی کریم

کی تعلیم کیا ہے جب اہل مکہ نے مدینہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ باندھا اور یہودیوں کو بھی خفیہ طور پر اپنا یار و مددگار بنا لیا تو آپ نے خود حفاظتی کے لئے جنگ کرنے کا حکم دیا کفار کے حملہ کو روک کر مدینہ محفوظ رکھا گیا اور اس طرح پر قرآن اور اسلام کی صداقت ہمیشہ کیلئے ثابت ہو گئی +

اس کے بعد مدینہ کے غدار اور فریبی یہودی قبیلوں کو مدینہ سے چلے جانے کا حکم دیا گیا۔ دشمن قبیلوں کے حملوں کی مدافعت کیلئے فوجیں بھیجی گئیں اور بیگناہ مظلوموں کی مدد کیلئے کمک بھیجی گئی۔ مسلمانوں کو حکم تھا کہ کبھی دھوکا نہ دیں جھوٹی قسم نہ کھائیں۔ بچوں یا عورتوں پر کسی قسم کا ظلم نہ کریں حتے کہ وہ اذیتیں جو انکو پہنچائی گئیں ان کا بدلہ لیتے وقت بھی ان کو حکم تھا کہ نہ لڑنے والے معصوم لوگوں سے تعارض مت کرو۔ بیکس کمزور عورتوں پر رحم کرو۔ ان کے بچوں کو ایذا نہ دو اور بیماروں کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچاؤ۔ جو تمہاری مخالفت اور مقابلہ نہ کرے اُن سے تعارض مت کرو۔ ان کے کھیت اور پھل ضائع مت کرو۔ اُن کے مکان وغیرہ مت تباہ کرو اور کسی باردرشجر کو مت گراؤ۔ کیا ہم آج اس مہذب مغربی ملک میں جس کو حضرت مسیح کی پُر حلم و بُردبار تعلیم کا پیرو کہا جاتا ہے۔ ایسے قوانین کے برابر کچھ پیش کر سکتے ہیں۔ کاش کہ ایسا کوئی قانون یا رسم و رواج ہی ہوتا تو آج یہ نظارہ یورپ میں نظر نہ آتا۔ کیا یہ نام نہاد کے عیسائی عورتوں کی حقیقی طور پر عزت کرتے ہیں۔ کیا بچوں کا مکانات۔ روزی کے سامان اور باردرشجر کی حفاظت کیجاتی ہے۔ میں تو کہونگی کہ جو کچھ بہتری یا حسن مرد و عورت میں تھا ہم اسکو بالکل نیست و نابود کر رہے ہیں۔ ہم مردوں کو قاتل اور عورتوں کو لونڈیاں بنا رہے ہیں۔ موجودہ ہولناک جنگ پر نظر ڈالو کتنے گھروں کو تباہ کر دیا۔ کتنی ماؤں کی زندگی پر پانی پھر دیا اور کتنی بیویوں کی اُمیدوں کی کشتی کو بھنور میں جا ڈبویا۔ یہ تو امرا اور اعلےٰ طبقے کے لوگوں کا نقشہ ہے۔ اب ذرا غربا کی حالت دیکھو۔ عورتوں کو اپنی روزی اور قوت لایموت حاصل کرنے کے لئے صبح سے لے کر شام تک محنت و مشقت کرنی پڑتی ہے۔ اپنے گھر اور اکثر اوقات بچوں کو سپرد خدا کرنا پڑتا ہے۔ اور ان سب پر طرہ یہ کہ اسکو ان لفظوں پر صبر کرنا پڑتا ہے۔ کہ وہ اپنے ملک کی خاطر جان بحق ہوا۔ اس نے بھی اپنی حیثیت کے بموجب اپنے ملک و قوم کی خدمت کی اور اسکو اسبات کا یقین دلایا جاتا ہے۔ کہ تمہارے روپیہ ہی سے فتح

حاصل ہو گی۔ مسیح کی ساری تعلیم کی صداقت آج کل کے ایک لفظ انتقام سے ثابت ہو رہی ہے۔ کیا اب بھی سمجھو گے۔ آخر کب تک آپ واقعات سے آنکھیں بند کر سکتے ہیں۔ کیا آپ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ خدا قادر و خالق اب امن و صلح قائم نہ کریگا۔ اور وہ سلامتی جو آج سے تیرہ سو سال پہلے اسلام اور پیغمبر اسلام نے پیش کی۔ اسکو نہ منوائیگا۔ اب وقت آن پہنچا ہے کہ صداقت ظاہر ہو جائے ذرا گریبان میں منہ ڈالکر ان سوالات کا جواب دو جو اکثر لوگ پوچھ رہے ہیں۔ کیا اس کا نام عیسائیت ہے۔ کیا خدا سو رہا ہے۔ میں نے اکثر اس قسم کے سوالات نوٹس بورڈوں پر لگے ہوئے دیکھے ہیں۔ ہمارے عیسائی بھائی جب ایسے سوال کرتے ہیں تو شاید اپنے عقائد کو بھول جاتے ہیں۔ ورنہ ایسے سوال کبھی نہ کرتے۔ ان کا تو ایمان ہے۔ کہ خدا اپنے عجیب و غریب کام کرانے کیلئے سربستہ اور پوشیدہ طریقوں سے کام لیتا ہے"۔

حنیف بیکس

بمبئی حج کمیٹی کی صلاح

بمبئی حج کمیٹی کا جلسہ ۲۰ اپریل سنہ ۱۹۴۲ء کو منعقد ہوا تھا جسمیں جہازوں کی قلت کی وجہ سے ان تمام تکالیف پر جو حجاج کو اس سال پیش آ سکتی ہیں گفتگو ہوئی اور کمیٹی نے ذیل کا بیان شائع کرنے کا فیصلہ کیا:۔

"بمبئی حج کمیٹی کی یہ رائے ہے کہ چونکہ حاجیوں کیلئے جہازوں کے ملنے میں بڑی مشکلیں واقع ہوتی ہیں اسلئے مناسب ہے کہ جتنے الامکان عازمان حج کی تعداد میں کمی کی جائے۔ اب تک حاجیوں کے جہاز کے جانے کی کوئی تاریخ معین نہیں ہوئی۔ اور جہازی کمپنیوں نے جہاز کے بارے میں اب تک کوئی جواب نہیں دیا۔ اور کئی وجوہ سے یہ ماننا پڑا ہے کہ ایک جہاز کے ملنے میں بھی بڑی دقت واقع ہوگی۔ اسلئے ظاہر ہے کہ عازمان حج کو بمبئی پہنچنے کے بعد جہاز کا بہت انتظار کرنا پڑیگا اور جہاز ملا بھی تو اس کا کرایہ بہت زیادہ ہوگا۔ اور ساتھ ہی بمبئی کے ناقابل برداشت اخراجات کی زیرباری اس کے علاوہ ہوگی۔ اور اگر جہاز میسر نہ آیا تو عازمان حج کو اتنی بیفائدہ تکلیف اور زیرباری کے بعد اپنے گھروں کو شکستہ دلوں کے ساتھ لوٹنا پڑیگا۔ ان حالات میں جو جنگ کی وجہ سے ناگزیر ہیں بمبئی کی حج کمیٹی تمام عازمان حج کو انہیں کے آرام و نفع کے لحاظ سے صلاح دیتی ہے کہ وہ اس سال سفر حج کا ارادہ ملتوی کریں۔

بمبئی حج کمیٹی تمام مقامی حج کمیٹیوں اور انجمنوں سے یہ درخواست کرتی ہے کہ وہ ان حالات کو کمیٹی کی رائے کے ساتھ عازمان حج کی اطلاع کیلئے جلد مشتہر کر دیں اور مقامی حج کمیٹیوں اور انجمنوں کے اراکین سے استدعا کرتی ہے کہ وہ اپنے ذاتی اثر سے یا اور جس طرح ممکن ہو عازمان حج کو اس سال اپنا ارادہ سفر حج ملتوی کر دینے کی فہمائش کریں"۔

F. A. M. Kameem

پریسیڈنٹ حج کمیٹی

محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) آیت اللہ

از جناب شیخ منیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹر ایٹ لاء

بہ تسلسل صفحہ ۲۰۴

نبی کریمؐ نے جو کام کر کے دکھایا اس کا ذکر کرتے ہوئے کارلائل صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ کا زمانہ عرب کے لئے جہالت اور ظلمت سے نکلکر نور کی طرف آنا تھا۔ اور آپ کی برکت سے عرب گویا کہ ضلالت کی موت سے زندہ ہوگیا۔ ایک ایسی مفلس قلاش قوم جس کا پیشہ بکریاں اور اونٹ چرانا تھا اور جو دُنیا کی ابتدا سے لیکر اس وقت تک ایک کامل گمنامی کی حالت میں تھی انمیں ایک عظیم الشان نبی وہ پیغام لیکر آیا جس کو سب نے قبول کیا۔ اور آن کی آن میں ایک محض گمنام قوم تمام دُنیا میں مشہور ہوگئی جن کو سب حقیر سمجھتے تھے۔ وہ سب کے سروں کے تاج ہو گئے۔ ایکصدی کے اندر اندر ایک طرف غرناطہ اور دوسری طرف دہلی ان سب ممالک میں عرب کا دُور دورہ ہوگیا۔ بہادری۔ شان وشوکت اور عظمت کے لحاظ سے عرب دُنیا کی کسی فاتح قوم سے کم نہ تھا ایمان میں بڑی طاقت ہے اس سے مُردے جی اُٹھتے ہیں جونہی کہ ایک قوم ایمان کامل پر جمع ہوتی ہے۔ اس وقت سے ترقی اور عروج کے منازل اس کے آگے سہل ہو جاتے ہیں۔ اس وقت کے عربوں کی حالت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی بیکسی اور ایک صدی کا قلیل عرصہ ان سب باتوں کو جمع کیا جائے تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ ایک آسمانی شُعلہ تھا جو ایک تاریک اور ظلمت بھری ریت کے میدان میں گرا لیکن وہ ریت اسکے اثر سے بارود کے ذرّے بن گئی۔ اور اُس کی چمک نے دہلی سے لیکر غرناطہ تک سب نُور ہی نُور کر دیا +

اِس حیرت انگیز انقلاب کا ذکر کرتے ہُوئے گبن صاحب لکھتے ہیں۔ رسُول عربیؐ کی نبوت نے عرب لوگوں کا طرز معاشرت اور محمد صلے اللہ نے جو مذہب پیش کیا اسکی رُوح یہی تین باتیں مشرق کی مشرقی سلطنتوں کے زوال کا باعث ہُوئیں۔ اور ہماری آنکھیں اِس انقلابِ عظیم پر لگی ہُوئی ہیں جس نے دُنیا کے اکثر حصوں میں ایک بالکل نیا اور دیرپا اثر پیدا کر دیا۔ پھر آگے چلکر لکھتے ہیں۔ کہ تاریخ میں ایسے مذاہب کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں جن کا

خیال لوگوں نے چھوڑ دیا۔ اور صرف نام ہی نام باقی رہگیا۔ کبھی کسی نبی یا رسُول کی زندگی راحت بھری اور مبرّا از مصائب نہیں ہوتی۔ وہ اپنی راگ ضرور سُناتا جائیگا۔ خواہ کوئی سُنے یا نہ سُنے۔ بڑی بڑی اچھی اور دُور اندیشی سے پُر تدابیر کا سوچنا تو بہت آسان ہے لیکن ان کو عمل کا جامہ پہنانا دراکارے دارد والا معاملہ ہے۔ ان سب باتوں سے مشکل یہ بات ہے کہ کسی نبی یا اصلاح کُنندہ کی بات اس کے اپنے ہموطن کان دھر کر سُنیں لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو ایک محض اُمّی عرب تھے اور (حضرت) خدیجہ کے شُتربان تھے انھوں نے اِسبات کی کوشش کی کہ وہ لوگ جو آپ کے رشتہ دار ہیں جنہوں نے آپ کو بچپن سے دیکھا آپ کی جوانی کو مشاہدہ کیا۔ آپکے تمام وہ فعال اور کمزوریاں دیکھیں جو بحیثیتِ انسان ہونے کے آپ میں پائی جاتی تھیں۔ آپ نے چاہا کہ وہی لوگ سب سے پہلے آپ کیطرف توجہ کریں اور آپ کی سُنیں۔ ایک آدمی جس کو اپنا نام لکھنا بھی نہ آتا ہو وہ دعویٰ یہ کرے کہ میں تمہارا معلّم ہوں اور معلّم بھی ایسا کہ جس کی بابت تم کو انسانی تربیت کے سب سے اہم معاملے میں یعنی انسان اور خدا کے درمیان تعلّق قائم کرنے میں کان دھر کر سُننا لازم ہے +

نبی کریمؐ کی تعلیم کا اثر جو کچھ افریقہ یا ایشیا میں ہُوا اس کے تو سب قائل ہیں لیکن یورپ پر آپؐ کی تعلیم جو اثر کر سکتی ہے۔ اُس کا ظہور حال میں ہی ہُوا ہے۔ جان جوسف لیک صاحب جو لنڈن میٹرو لوجیکل سُوسائٹی کے فیلو ہیں لکھتے ہیں "ہم کو چاہیئے کہ اسلام اور مسلمانوں کے معاملہ میں زیادہ دلچسپی لیں اور توجہ دیں۔ کیونکہ مغربی دُنیا نے جو کچھ تہذیب یا ترقّی حاصل کی ہے اس کے واسطے انکو بہت حد تک مسلمانوں کا مشکور ہونا چاہیئے۔ اور میں اس کتاب میں دکھاؤنگا کہ اسی موجُودہ ترقّی کا ماخذ بہت حد تک اسلام اور مُسلمان ہیں۔ اور جب وہ پردہ جو بوجہ ہمارے جوانی کا سارا وقت یُونانی و لاطینی میں صرف کردینے کی وجہ سے حائل ہو گیا ہے۔ وہ اُٹھ جائیگا اور ہم مشرقی علوم کے لئے بھی کچھ وقت نکالیں گے۔ تو یہ بات خود بخود اظہر من الشمس ہو جائیگی۔

پھر ایک اَور جگہ لکھتے ہیں "محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے جو اسلام پیش کیا۔ اُس کے ابتدائی اجزا جب تکمیل کو پہنچے تو انھوں نے یوروپین دلوں کو مسخر کرنا شروع کیا۔ اور جس قدر اثر عیسائیت نے مشرق میں پیدا کیا اُس سے کہیں بڑھ کر اسلام نے یورپ کے شرک اور بُت پرستی پر کیا۔ تمام موجودہ تعلیم و تدریس کی ابتدا اس طرح ہُوئی کہ نبی کریمؐ نے چند مکتب کھولے اور علم

کی توسیع کیلئے اُن اسیرانِ جنگ کو جو کہ پڑھنا لکھنا جانتے تھے اِس شرط پر رہا کردیا کہ وہ طالبعلموں کی خاصی تعداد کو لکھنا پڑھنا سکھادیں۔ اور اس کے بعد اگر اُن میں سے کوئی اسی جگہ رہنا اور کسی مکتب کا معلّم بننا پسند کرے تو اسکو فوراً رہا کردیا جاتا تھا +

اہلِ عرب زمانہ قدیم سے فصاحت و بلاغت اور شاعری کے شائق چلے آئے تھے۔ وہ ہر سال عید کے موقعہ پر مشاعرے اور علمی مجالس بھی قائم کیا کرتے تھے۔ اور جب نبی کریمؐ اور انکے تابعین کی تربیت کا نتیجہ یہ ہُوا کہ وہ دیگر علوم و سائنس میں بھی مشّاق ہوگئے۔ نویں صدی عیسوی کے ابتدا ہی میں انہوں نے قوانین پر عمل شروع کردیا۔ جن پر آج کل عمل کیا جاتا ہے یعنی پُرانے یونانی طرزِ تدریس یعنی لفظی بحث کو چھوڑ کر تجربہ اور عملی ذرائع سے درس تدریس کا رواج کردیا۔ ان کے مصنّف عام طور پر تواریخ۔ اعداد۔ سیاحت بری و بحری علم مسکوکات فصاحت وزراعت۔ آبپاشی۔ ریاضی۔ سائنس۔ علم طب۔ کیمیا۔ علم حیوانات علم نباتات۔ علم طبقات الارض وغیرہ ان مضامین پر کتابیں لکھا کرتے تھے۔ اور ان علوم میں وہ کسی سے کم نہ تھے +

بڑے بڑے اُمرا کی عورتیں شاعرانہ مجالس میں حصّہ لیتی تھیں۔ اور جن خاتونان نے بڑا نام پایا انمیں بعض کے نام ہدیہ ناظرین ہیں۔ ولّادہ۔ عائشہ۔ لبانہ۔ الغسانیہ۔ اور خلیفوں کی بہت سی لڑکیاں وغیرہ۔ قصیدے۔ غزلیں۔ مرثیہ ہجو اور دیگر قسم کی تصنیفات بہت عام تھیں۔ اور اگرچہ موروں نے کبھی رزم نامہ تو تصنیف نہیں کیا لیکن ان کے اور جنوبی فرانس کے باہمی تعلقات سے وہ نظم پیدا ہوئی جو پروونشل کے نام سے موسوم ہے۔ اور خیال کی آزادی کا ایسا بیج بویا جس نے نظم کے ساتھ ملکر یورپ کو قرونِ وسطےٰ کی متوحش خواب سے بیدار کیا + نبی کریمؐ نے ان کی ساری تہذیب کی کایا پلٹ دی نہ صرف شاعرانہ تخیّلات میں بلکہ اخلاقی تمدنی۔ سیاسی اور مذہبی ہر ایک پہلو سے ان میں تغیر پیدا ہوگیا +

نبی کریمؐ نے قصاص یا خُون کے بدلے خون کی رسم کو ہٹا کر دیت یا معاوضہ کے طریق کو جاری کردیا۔ آپؐ نے لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کی قبیح رسم کو عرب سے بالکل نیست و نابود کردیا +

آپؐ نے نازیبا شادیوں کے رواج کو بند کردیا۔ اور جو جو شرائط آپؐ نے ان قوانین سے ملحق کئے انہی سے اس زمانہ کے عربوں کی حالت کا پتہ لگجاتا ہے۔ ان میں تو ماؤں۔ لڑکیوں بہنوں خالاؤں اور دیگر قریبی رشتہ داروں سے شادی کرلینا بالکل مباح اور جائز تھا۔ آپؐ نے تعدد ازدواج کو بھی چار تک محدود کردیا۔ اور اسی ذریعہ سے خُفیہ زناکاری کو روک دیا۔ آپؐ نے طلاق کیلئے بھی شرطیں لگادیں۔ زمانہ جہالت میں یعنی آپؐ کی بعثت کے زمانے سے پیشتر ان میں طلاق کا رواج بڑی کثرت سے پایا جاتا تھا حتٰے کہ ایک ایک عورت بیس چالیس خاوندوں کی مطلوقہ ہوتی تھی +

پروفیسر لیک صاحب لکھتے ہیں اسلام نے عیسائیت کی ساتویں مجلس سے اپنا بدلہ خوب لیا۔ کیونکہ انہوں نے رائے کی آزادی اور علم کی توسیع یورپ میں رائج کردی۔ اور اس سے کلیسیا کی طاقت کو بڑا ضعف پہنچا۔ یونانی یا رُومی فلسفہ کی کتابیں مشرقی علوم یا طرز تدریس کی مثال نہیں ہوسکتی۔ ان کے ماخذ تو زیادہ سے زیادہ مُہذب بُت پرستی کا میلان یا سپنازازم ہے۔ تمام علوم ان دنوں بالکل کس مپرسی کی حالت میں تھے۔ اور جو کچھ تھوڑے بہت معلومات تھے۔ وہ گرجا کی چار دیواری کے اندر بند تھے۔ اور گرجا والے توہم پرستی اور جہالت کو پھیلانا اپنی ترقی اور طاقت کا راز سمجھتے تھے۔ گویا کہ ہر طرف سے علوم کو دبایا جاتا تھا اور قرون وسطیٰ میں بھی یہی حال رہا۔ تاریخ اِس بات کی شاہد ہے کہ دینی اور دُنیوی علوم پہلو بہ پہلو ترقی کرتے ہیں۔ اور توہم پرستی ان دونوں کا ستیاناس کردیتی ہے۔ عیسائیت نے دُنیا کی ہدایت کرنی چاہی لیکن اس کا حشر تو "خود آپ اپنے دام میں صیاد آگیا" ہوا۔ مذہبی لیڈروں نے خود جہالت کو ترقی دی۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ حق پرستی کے بدلے بشر پرستی اور بُت پرستی شروع ہوگئی جب ظُلمت اور جہالت کی گھٹا چاروں طرف چھاچکی تھی۔ تو محمد صلے اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے۔ آپؐ نے دُنیا کی حالت پر غور کیا۔ اور آپؐ اسکو گوارا نہ کرسکے +

گویا کہ تمام دُنیا ایک ایسے رہنما کی منتظر تھی جو ان کو توہم پرستی اور ضلالت کے گڑھے سے نکالے۔ بعض دیگر اصحاب نے بھی اصلاح خلق کی کوشش کی۔ لیکن ابھی وقت نہ آیا تھا اور اُن کی طاقت مخالفت کے بہاؤ کے آگے نہ ٹھیر سکی۔ آپؐ کے فہم رسا نے فوراً اس ضرورت

کو محسوس کیا۔ اور مطلوبہ چیز کا پتہ بھی لگا لیا +

ایک مصنف صاحب لکھتے ہیں۔ یہ بات بالکل ٹھیک ہے کہ اسلام نے ان ممالک کی فاتح قوموں کو جن میں وہ پھیلا مسلمان بنا کر دُنیا پر بہت بڑا رحم کیا۔ کیونکہ مغل یا تاتاری اور ترکی فاتح جو جو مظالم کیا کرتے تھے اسلام ہی کی وجہ سے انہوں نے چھوڑ دیئے اور ساتھ ہی خود مسلمانوں کے حملوں سے یورپ کی جہالت کا زمانہ ختم ہوا انہوں نے علوم اور تہذیب کو خوب ترقی دی۔ اور مذہبی اور تمدنی لیڈروں کی مرضی کے خلاف ان کو شمال کی طرف دھکیل دیا۔ اور رائے کی آزادی کے رائج ہونے سے ہی گویا کہ ظلم اور تعدّی کا اختتام ہو گیا +

اور اگر آج مسلمانوں کو یورپ چھوڑنا پڑے تو اُن کو بڑے فخر سے الوداع کہنا چاہئے کیونکہ انہوں نے جمہوریت کی بُنیاد ڈالی ہے۔ اور دُنیا کے اس حصّہ میں خود مختاری کا جنازہ ہمیشہ کیلئے دفن کر دیا ہے۔ اب رُوس یا قسطنطنیہ کے مُفت خورے اور مستبدین جوان کا دل چاہے کریں مغربی ایشیا کے کناروں پر ایک آگ شعلہ زن ہو چکی۔ اور اس کا بُجھنا اب کسی طرح ممکن نہیں۔ اور اور یقیناً اسلام اب مشرقی ساتویں مجلس عیسائیت سے بھی اسی طرح بدلہ لیگا جس طرح مغربی سے لیا +

یہ بات تو ایک مسلم امر ہے کہ جس زمانے میں دُنیا مع یورپ کے غلامی اور جہالت میں مُبتلا تھے اُس وقت اسلام کے پیرؤں میں کامل آزادی۔ برادرانہ سلوک اور مساوات رائج تھے۔ ایک مُسلم کسی دوسرے مسلم بھائی کو غلام نہ رکھ سکتا تھا۔ حتّٰے کہ جنگی قیدی بھی جب دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتے تو ان کو آزاد کر دیا جاتا تھا۔ اور ہر ایک گورے کالے کو عملی طور پر اپنا بھائی اور مساوی سمجھا جاتا تھا +

ریورنڈ جارج ٹرورایم اے کیپٹن آف یارک جیسے متعصب مُصنّف کو بھی ماننا پڑا ہے کہ خلفائے اسلام نے نہ صرف فوجی طاقت اور عیش پرستی کے سامان سے اسقدر ناموری حاصل کی ہے بلکہ جو کچھ علوم اور سائنس آج کل یورپ میں ہیں اُن کی توسیع اور اشاعت کے لئے یورپ کو ان خلیفوں کا بہت کچھ شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ فتح قسطنطنیہ سے پہلے یُونانی زبان کو مغربی یورپ میں بالکل کوئی نہ جانتا تھا۔ لیکن اہل عرب نے یُونانی اور رُومی فلسفہ دانوں حساب دانوں نجُومیوں اور شاعروں کی تصانیف کو اپنی زبان میں ترجمہ کیا اور جو کچھ مغربی یورپ کو اُن میں سے ملا۔ اس کا

ماخذ وہی ترجمے ہیں جو عربی زبان سے لاطینی میں کیئے گئے۔ علم ہندسہ کی ایجاد تو خالصاً عربوں کا حصہ ہے۔ عربی علم ادب نے خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں بڑا عروج پکڑا۔ اور یہ وہ زمانہ تھا جبکہ فرانس اور انگلستان کے اُمرا اور حکمرانوں تک کو لکھنا پڑھنا نہ آتا تھا لیکن جب ترکوں نے خلیفوں کی سلطنت کو تباہ کردیا تو عربی علم ادب کو بھی یونانی زبان کی طرح ضعف پہنچنا شروع ہو گیا۔ اور دونوں حالتوں میں مصر ہی کو آخری دارُ العلوم بننے کا فخر حاصل ہوُا۔ اور جو کام الیگزنڈریا کے مکتبوں نے یونانی علوم کی اشاعت کے لئے کیا وہی قاہرہ کے مدرسوں نے عربی علوم کیلئے کیا۔ کئی صدیوں سے ان کو عربی علم ادب اور اسلامی فقہ تصانیف علمی کا سرچشمہ مانا گیا ہے۔ ازہر کی عظیم الشان مسجد میں آج بھی اسلامی دُنیا کے ہر حصہ سے طالب علم حصُولِ دین کیلئے آتے ہیں۔ اور اسکو ایک بڑی یونیورسٹی اور درسگاہ مانا جاتا ہے۔ اسمیں ایکہزار سے لیکر تین ہزار تک طالب علم ایک وقت میں پڑھتے ہیں۔ اور ان میں سے کئی نابینا ہوتے ہیں۔ ورانحالیکہ مسلمان توحید کی یکیانیت کی بنا پر نئی سلطنتوں کی بنیاد ڈال رہے تھے عیسائی لیڈروں نے کلیسیا اور حکومت میں ایک نیا انقلاب کھڑا کردیا اور اس کشمکش کا نتیجہ یہ ہوُا۔ کہ انہیں سے ایک میں اس قسم کی عبادت رائج ہوگئی جس کو شرک اور بُت پرستی میں سے تمیز کرنا بہت مشکل ہے۔ عربوں کے اشتعال کو بھڑکانے والی بات اس سے زیادہ اور کوئی نہ ہوسکتی تھی کہ مذہبی عبادت میں بُتوں اور تصویروں کو استعمال کیا جائے عیسائیوں یہودیوں اور صابیوں سے بھی بہ حیثیت اہل کتاب ہونے کے کچھ نرمی کیجاتی تھی۔ لیکن کسی بُت کی پرستش کرنا تو ایک ناقابلِ عفو گناہ تھا۔ ان پکے موحدوں نے الفاظ کی پکھ یہودیوں سے بھی بڑھ کر کی۔ وہ بُتوں اور تصویروں کی تعظیم کو نہ صرف حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے بلکہ انکو کسی معبد میں رکھنے تک کی اجازت نہ دیتے تھے۔ اور جہاں کہیں قرآن کی تعلیم پر پُورا عمل کیا گیا۔ وہاں سے ان کا نام ونشان جاتا رہا +

پہلے زمانے کے عیسائی بھی ان مسلمانوں کی طرح جوشیلے تھے اگرچہ اسقدر خطرناک نہ تھے۔ سن عیسوی کی پہلی تین صدیوں میں کسی کلیسیا کے اندر کسی بُت یا تصویر کا پتہ نہیں ملتا لیکن آہستہ آہستہ جہالت اور باطل عقائد عیسائیت میں داخل کردیئے گئے۔ اسطرح بُتوں اور

تصویروں کا استعمال بھی شروع ہو گیا۔ اور تدریجاً اس بدعت کی اجازت جس پر فرداً فرداً عمل کیا جاتا کلیسیا نے بھی دیدی اور کھلم کھلا مجسموں کو معبود ٹھیرا لیا جانے لگا +

شہنشاہ لیو ثانی نے اس توہم پرستی اور بدعت کو روکنے کیلئے جو کوشش کی۔ ان سے کلیسیا اور سلطنت کے تعلقات کی بنیادیں تک ہل گئیں۔ اس نے ۷۲۶ عیسوی میں تمام گرجاؤں کو بتوں سے پاک کرنے کا فرمان جاری کیا۔ لیکن پوپ گریگری ثانی و ثالث کے ماتحت لاطینی کلیسیا نے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ اور اس کا نتیجہ لیو کے خاندان کی تباہی ہوا جس نے اصلاح کی کوشش کی اس پر بت شکن کا الزام لگایا گیا اور مورتوں و تصویروں کی پرستش کو ساتویں جنرل کونسل نے علی الاعلان جائز اور مباح قرار دیا (C.A 786)*

خدا اپنے آپ کو دو قسم کی صفات سے ظاہر کرتا ہے جلالی اور جمالی۔ نبی کریم ان دونوں صفات کے کامل مظہر تھے

محمد صلے اللہ علیہ وسلم خدا کے قادر مطلق ہونے کی ایک قاطع دلیل ہیں

جس قدر اقتباسات دیئے جا چکے ہیں۔ اور اگر ضرورت ہو تو اس قسم کے ہزاروں حوالے پیش کیئے جا سکتے ہیں۔ یہ سب بلا شک و شبہ اسبات کا ثبوت دیتے ہیں۔ کہ نبی کریم تاریخ دنیا میں ایک بےمثال گزرے ہیں۔ دنیا میں آج تک کوئی انسان ایسا نہیں گذرا جس نے دنیا کی طرز معاشرت و خیالات کو اتنا پلٹ دیا ہو جتنا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے چند سالوں میں یا ہم آپ کی قوم اور اس وقت کی ساری دنیا کی حالت زار سے خوب واقف ہیں ہم ان مشکلات کا اندازہ بھی لگا سکتے ہیں جن کا آپ کو سامنا کرنا پڑا۔ تمام دنیا آپ کی مخالفت پر کمر بستہ تھی لیکن ان سب کو آپ نے نیچا دکھایا اور اپنے اعمال سے ثابت کر دیا کہ انسان ہی درحقیقت خدا کا ظل ہے۔ اور انسان نہ صرف نیکی میں بلکہ حکومت۔ ثروت۔ دبدبہ ان سب قوتوں میں خدا کی صفات کا مظہر کامل ہے۔ نبی کریم نے ایک بدوؤں کی قوم کو جس کا پیشہ اونٹ چرانا تھا۔ جو معمولی سی بات پر لڑنے مرنے کیلئے طیار ہو جاتے تھے۔ جن کا کوئی مفر رٹھکانہ نہ تھا۔ جو خانہ بدوش تھے۔ جن کے اخلاق حیوانوں سے بدتر تھے۔ اس گری ہوئی نامعلوم قوم کو تہذیب اور اخلاق کا سرچشمہ و مشعلبردار بنا دیا۔ ان کو بڑے بڑے ممالک کا فاتح کر دیا۔ انہوں نے عوام کے فائدے کے لئے

---

* اقتباس از "مصر سکندر اعظم کی فتح سے لیکر نپولین بونا پارٹ کے حملہ تک" +

بڑی بڑی عظیم الشان عمارات کھڑی کر دیں۔ ہر قسم کے علوم اور حرفتوں کا منبع بن گئے اور حیرت انگیز نظم و امن کے قائم کرنیوالے ہو گئے۔ نبی کریمؐ نے اپنی زندگی سے خدا کے قادرِ مطلق ہونے کا ثبوت دیا۔ آپؐ نے ایک بت پرست جاہل اور خونخوار قوم میں اکیلے تن تنہا اعلان کیا۔ کہ میں خدا کی طرف سے اسکی توحید قائم کرنے آیا ہوں۔ چاروں طرف سے آپؐ کی مخالفت ہوئی۔ لیکن پھر بھی آپؐ کامیاب ہوئے۔ جب تک سارا عرب توحید اور آپؐ کی رسالت کا قائل نہ ہو گیا۔ یا الفاظِ دیگر جب تک آپؐ کا مشن کامل طور پر پورا نہیں ہو گیا۔ آپؐ کو خدا نے وفات نہ دی چند جنگی اصولوں پر عمل پیرا ہو کر آپؐ نے اپنے دشمنوں کو شکستِ فاش دی۔ اور عرب سے بت پرستی کی جڑیں اکھیڑ ڈالیں۔ اور لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کا نعرہ چاروں طرف گونج اٹھا۔

آؤ اب اسکی پُراز حوادث زندگی کے پہلو سے قطع نظر کر کے اور اسکی اس حالت پر نظر ماریں جبکہ وہ طاقت اور عظمت کی معراج پر متمکن تھے۔ اور آپؐ کی وفات کے دن قریب تھے "جب آپؐ مدینہ سے حجۃ الوداع کیلئے روانہ ہوئے تو اس وقت بھی آپؐ توحید کی اشاعت میں اس قدر سرگرم و ثابت قدم تھے جس قدر کہ اوائل ایام میں۔ آپؐ کے ساتھ چودہ ہزار مسلمان پھولوں اور جھالروں سے سجے ہوئے اونٹوں پر سوار تھے۔ اور جب آپؐ مکہ شریف کے قریب پہنچے تو آپؐ نے بلند آواز سے فرمایا۔ لبیک اللھم لبیک لاشریک لک لبیک۔

"اے میرے رب میں حاضر خدمت ہوں۔ تیرا کوئی ثانی کوئی ہمسر نہیں عبادت تیرے ہی لئے ہے حکومت تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ اور تیرا کوئی شریک نہیں"۔

کعبہ کے اندر منبر پر کھڑے ہو کر آپؐ نے بار بار یہ فرمایا "یا ایھا السامعین انا بشر مثلکم۔ اے سننے والو میں تو تمہارے جیسا ایک انسان ہوں"۔ آپؐ کے صحابہؓ کو خوب یاد تھا کہ ایک دفعہ ایک آدمی آپؐ کی طرف بڑے جھجک جھجک کر بڑھ رہا تھا۔ تو آپؐ نے فرمایا "کیوں خائف ہو۔ میں کوئی بادشاہ نہیں۔ میں تو ایک معمولی عربی عورت کا بیٹا ہوں جو دھوپ میں سکھایا ہوا گوشت کھاتی تھی"۔

آپؐ نے مدینہ میں جا کر وفات پائی اور آپؐ کا آخری کلام جو آپؐ نے صحابہؓ کو سنایا وہ یہ تھا

فرمایا" ہر ایک چیز خدا کی مشیت کے موافق واقع ہوتی ہے۔ اور ہر ایک کام کے لئے ایک وقت مقررہ ہے۔ اور وہ آگے پیچھے نہیں کیا جا سکتا۔ میں اُسکی طرف واپس جا رہا ہوں جس نے مجھے بھیجا۔ اور میرا آخری حکم یہ ہے۔ کہ حُبّ قومی اور غیرتِ اسلامی و اخوت کو قائم رکھنا ایکدوسرے کو ایمان، صبر اور اعمال صالحہ کی تلقین کرتے رہنا۔ میری زندگی بھی تمہارے فائدے کیلئے خرچ ہوئی اور میری موت بھی ہوگی +

اور جب آپکی رُوح مُقدس آپؐ کے جسم عنصری سے پرواز کر رہی تھی تو آپؐ کا سر حضرت عائشہؓ کی گود میں تھا۔ وقتاً فوقتاً آپؐ اپنے دست مُبارک کو ایک پانی کے برتن میں ڈبوتے اور اپنا مُنہ گیلا کرتے۔ آخر کار آپؐ نے اِس جہان فانی سے کوچ کیا اور آخری دم میں آپؐ نے اُوپر نگاہ کر کے فرمایا "اے میرے اللہ معاف تیری مرضی میں آتا ہوں" +

کیا ایک ایسے اِنسان کا ذکر کرتے وقت بے ادبی کا خیال بھی ہمارے دل میں آسکتا ہے۔ اسکے دیئے ہوئے احکام پر آج دُنیا کا ایک تہائی حصہ عمل پیرا ہے۔ اور اسے جان سے عزیز سمجھتا ہے۔* خدا کے قادر مطلق ہونے کے دیگر دلائل سے تو اِنکار ہو سکتا ہے کیونکہ وہ اپنے مفہوم اور مقصد کو ایسی طرز پر بیان نہیں کرتے جو عام فہم ہو لیکن نبی کریمؐ نے اپنے دعوی و مقصد کو بڑے کھُلے الفاظ میں پیش کیا۔ اور باوجودیکہ سر توڑ کوششیں آپؐ کو روکنے کیلئے کی گئیں لیکن کوئی چیز آپؐ کو اپنے حصُول مقصد سے روک نہ سکی +

خود قرآن کریم میں آپؐ کی فتح و نصرت کے زمانے کا نقشہ کھینچا گیا ہے سُورہ النصر میں فرمایا

"اذا جاء نصر اللہ والفتح ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا
فسبح بحمد ربك واستغفرہ انہ کان توابا"

(ترجمہ۔ جب خُدا کی مدد آپہنچی اور تم نے لوگوں کو دیکھا کہ دین خُدا (یعنی اسلام) میں جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں تو اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اُسکی تسبیح (تقدیس) میں مشغول ہو جا۔ اور اس سے حفاظت مانگ۔ بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے) +

آپؐ نے اپنا آخری خُطبہ لوگوں کو سُنایا تو لاکھوں آدمیوں کا مجمع تھا۔ اور آپؐ نے اپنا خطبہ مندرجہ ذیل معنی خیز الفاظ سے شرُوع کیا۔ فرمایا:۔

* اقتباس از تنازعہ مذاہب و سائنس صفحہ ۸۲ تا ۸۴ +

"اے لوگو! میرے الفاظ کو غور سے سُنو۔ کیونکہ واللہ اعلم اس سال کے بعد ہم پھر بھی کبھی اس جگہ ملیں یا نہ۔ اے سُننے والو میں تو تمہارے جیسا ایک انسان ہوں موت کا فرشتہ ہر وقت آسکتا ہے۔ اور مجھے اس کا پیغام سُننا ہو گا۔"

پھر آپؐ نے نہ صرف مذہبی اصُولوں اور عبادتوں پر وعظ فرمایا۔ بلکہ روزانہ معاشرہ باہر اور گھر کی زندگی وغیرہ پر احکام سُنائے۔ اور وہ احکام جو آپؐ نے اس آخری موقعہ پر فرمائے ان کا اثر تمام اسلامی دُنیا کے اخلاق آداب و عادات پر پڑا دیرپا ثابت ہُوا ہے۔*

خُطبہ کے اختتام پر آپؐ نے اس مجمع عظیم کی طرف نگاہ کی جو صرف چند سال پہلے اول درجہ کے شقی القلب اور بہیس لوگ تھے ہر طرح کے گندوں میں آلودہ تھے جو اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ اور معمُولی سے معمُولی بن تراشے پتھر کی پرستش کر لیا کرتے تھے۔ جنہوں نے حضرت امینہ کے یتیم بچے کو سخت عذاب دیئے۔ اسکو پتّھر مارے۔ اور اسکی ہلاکت کیلئے کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ صرف اس واسطے کہ وُہ اُن کو خدائے واحد کے پرستار بنانا اور صراط مستقیم پہ چلانا چاہتا تھا۔ اور جس کا سوائے خدا کے اور کوئی مونس غمخوار نہ تھا۔ جب آپؐ نے اس حجۃ الوداع کے موقعہ پر اُن کی طرف دیکھا تو فرمایا "الا ھل بلّغت" اُبخدا میں نے اپنا کام پُورا کر دیا۔ اور اپنا پیغام پہنچا دیا" اور تمام لوگوں نے جو جمع تھے یک زبان ہو کر کہا "الھم نعم" "درحقیقت آپؐ نے ایسا ہی کیا ہے"۔ آپؐ نے فرمایا "اے خدا تو اس کا شاہد ہو جیو"

محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ و پیغام رسانی کے فرض کو اس طرح نبھایا۔ کہ نہ صرف انسانوں نے بلکہ خود خدا نے آپؐ کو سرٹیفکیٹ عطا کیا اور فرمایا۔ اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔ ترجمہ میں نے کامل کر دیا تمہارے لئے تمہارا دین اور پوری کر دی تم پر اپنی نعمت اور میں نے پسند کیا تمہارے لیئے دین اسلامؐ

باقی آئندہ انشاء اللہ

---

* اقتباس از محمد اور اسکے پیرو صفحہ ۱۸۱

اسلام کا علم اخلاق

لن تنالوا البرحتیٰ تنفقو ممّا تحبّون وما تنفقومن شئی فانّ اللہ

بہٖ علیم۔ سورۃ آل عمران آیت ۹۱۔ ترجمہ۔ جب تک (خدا کی راہ میں وہ چیزیں) خرچ نہ کرو گے جو تم کو (سب سے) عزیز ہیں نیکی (کے اعلےٰ درجہ) کو ہرگز نہ پا سکو گے۔ اور کوئی سی چیز بھی خرچ کرو اللہ اُسکو جانتا ہے +

جب ایک اخلاقی اصلاح کُنندہ یا حکیم یا مُقنّن اخلاقی قوانین بنانا چاہتا ہے تو سب سے پہلی اور بڑی مشکل جو اس کو پیش آتی ہے۔ وہ نیکی اور بدی کی تعریف اور اُن کی ٹھیک ٹھیک حدبندی کرنا ہے +

مندرجہ بالا آیت قرآنی کے پہلے حصے میں دُنیا کے بہترین اخلاقی اصلاح کُنندہ یعنے محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے بموجب وحیٔ الٰہی ایک صاف اور کُھلا معیار مقرر کر دیا ہے تاکہ ہر ایک آدمی بذاتِ خود اس بات کا فیصلہ کر سکے کہ وہ نفع اور شفقت جو وہ اپنی قوم یا دیگر حیوانوں کو پہنچاتا ہے وہ واقعی نیکی کا کام بھی ہے یا یُونہی تضیع اوقات ہے +

مندرجہ بالا آیت شریف کا ترجمہ میں پھر پیش کرتا ہوں لیکن اس بات کو ضرور مدّنظر رکھنا چاہیئے۔ کہ جس قدر جامع اور مانع معنی قرآن کے زبان عربی میں ملفُوظ ہیں اُسیقدر کسی اور زبان میں ترجمہ کرنے وقت ملحُوظ رکھنا بالکُل محال ہے۔ قرآن کا ہر ایک لفظ اپنے اندر جو معانی اور نکات لئے ہُوئے ہے اُن کا لفظی ترجمہ کرنا بالکُل ناممکن ہے۔ اور دیگر زبانوں کے ذکر کو تو چھوڑیئے خود عربی زبان میں کوئی اور لفظ کسی لفظ قرآنی کی جگہ استعمال ہو کر اُس کا پُورا مفہوم ادا نہیں کر سکتا +

"تم ہرگز نیکی کے درجے کو نہ پاؤ گے جب تک کہ تم اپنی محبوب چیزوں میں سے خیرات وغیرہ نہ کرو۔ اور جو کچھ بھی تم خرچ کرتے ہو اللہ اسکو بہتر جانتا ہے" (ترجمۃ القرآن از مولوی محمد علی ایم اے ایل ایل بی صفحہ ۱۷۰) +

نبی کریمؐ کے من جانب اللہ ہونے کی اگر اور کوئی دلیل نہ بھی ہوتی تو صرف ایک یہی آیت اِس بات کی کافی شہادت ہے کہ آپ اللہ کے رسول تھے اور اصلاح خلق کیلئے وحی خدا لیکر آئے تھے جو معیار مندرجہ بالا آیت میں پیش کیا گیا ہے وہ بالکل صاف اور کھلا ہے کوئی شک و شبہ اس کا مفہوم سمجھنے میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ قانون حکمت اور دانائی پر مبنی ہے۔ اور ایک عجیب جمہوریت کا رنگ اپنے اندر لئے ہوئے ہے! اور ان سب سے بڑھ کر اسمیں یہ خوبی ہے کہ ہر ملک ہر طبقے ہر زمانے کے لوگوں کی حالت پر چسپاں ہو سکتا ہے۔ ہر ایک انسان کا ضمیر اپنے افعال کو اِس معیار سے خود جانچ سکتا ہے۔ ایک خیر خواہ ملک ایک محبّ وطن ایک سیاسی لیڈر ایک پولسمین ہر ایک کو چاہئیے کہ اِس معیار کو اپنا پیشِ نظر بنا کر کسی کام کو شروع کریں۔ ہر ایک اِنسان مرد ہو یا عورت اگر وہ محسن اور مربّی بننے کا شوق رکھتا ہے تو اپنے افعال کا موازنہ اس معیار سے کرے۔ قربانی ہی ترقی و بہتری خلق کا راز ہے لیکن ایسی قربانی نہیں جو خود کرنیوالے کے نفس اور اسکے قوا کو ضرر پہنچادے بلکہ جس سے خود اس کے اپنے قومی ترقی کریں اس کا رتبہ خود اسکی اپنی آنکھوں میں آگے سے بلند نظر آنے لگے +

اگر ایک آدمی کے پاس ایک کروڑ روپیہ ہے اور وہ ۱ سو روپیہ یا ۲ سو روپیہ مخلوق کی بھلائی کیلئے خرچ کر دے تو اس سے اسکے ضمیر کو پوری تشفی نہ ہونی چاہئیے۔ ہاں اگر وہ اس قدر ممسک اور کنجوس ہے کہ اگر ایک کوڑی تک خرچ کرنے میں تامل کرتا ہے تو وہ اور بات ہے۔ اور برخلاف اسکے اگر ایک غریب مفلس آدمی جس کی آمدنی بہت ہی قلیل اور محدود ہے اگر وہ دس یا بیس روپے بہتری خلق کیلئے خرچ کر دے باوجودیکہ ان روپوں کی اسکو خود ضرورت تھی تو اس کا حق ہے کہ اِس انفاق فی سبیل اللہ سے اسکے دِل میں اطمینان اور اسکی روح میں سرور پیدا ہو کیونکہ اسکو یقین ہوگا کہ اس نے وہ غرض اور مقصد پورا کر دیا جس کیلئے اسکے خالق نے اسکو پیدا کیا تھا ؎

درد دِل کے واسطے پیدا کیا اِنسان کو ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّ و بیاں

اگر ایک مصنّف یا مقرر اپنے وجود کو خلق خدا کے لئے نفع رسان اور فائدہ مند بناتا

چاہتا ہو اور اسکو فرصت بھی کافی ہو یا یہ کہ اسکو وہ کام کرنے پر ایک معقول معاوضہ ملنے کی اُمید ہو اور وہ اس کام کو بطور ایک پیشہ کے اختیار کرے تو اس کا کوئی حق نہیں کہ وہ محسن یا مُربّی کہلائے۔ ہاں وہ بحیثیت ایک مصنّف یا تاجر کے تعریف کا مستحق ضرور ہے لیکن اگر اُس کام میں اسکو کوئی قربانی کرنی پڑی ہو تو جس قدر قربانی اس نے کی ہے اسیقدر وہ قابل وقعت و قابل تعظیم ہے۔ اور قوم کا خادم اور محسن کہلانے کا مستحق ہے۔ اور اگر وہ وقت اور قوےٰ جنکی اسکو خود ضرورت ہے۔ اور جن کو وہ ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ اگر وہ کسی خدمتِ خلق میں صرف ہوں تو واقعی ایسا شخص اپنی قوم کا سچا مُربّی ہے۔ اور اگر کسی کام کے کرنے میں کسی قربانی کی ضرورت نہ ہو یعنی کوئی ایسا کام نہ کرنا پڑے جن سے اس کے ذاتی نفع کو نقصان ہو تو اس حالت میں توجسکی خاطر کام کیا جائے اُس کا مشکور اس کام کرنیوالے کو ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس نے اسکو موقعہ دیا کہ وہ اپنے فضول اور زیادہ اوقات یا قویٰ کو کسی کام میں لگائے +

قرآن نے جو معیار پیش کیا ہے۔ وہ اس مقولہ سے کہیں بڑھ کر ہے کہ دوسروں سے اسی طرح سلوک کرو جس طرح تم چاہتے ہو کہ وہ تم سے سلوک کریں۔ اس میں تو ایک تاجرانہ رنگ پایا جاتا ہے۔ اور اعمال صالحہ کی ترغیب فائدہ اور نفع کے واسطے دیجاتی ہے۔ اور قرآن نے جو معیار پیش کیا ہے اسمیں اُلفت و قربانی کی بُو آتی ہے۔ اور ہر ایک انسان اسکو اپنے حالات و موقع کے موافق اس پر عمل پیرا ہو سکتا ہے۔ انجیل نے جو معیار پیش کیا ہے اس سے تو انسان کو اپنے اعمال کو دوسروں کی قابلیت اور استعدادوں کے ماتحت کر دیا جاتا ہے +

قرآن کے اصولوں پر چلنے سے انسان کے اخلاق اعلےٰ ترین ہو سکتے ہیں۔ اگر ہر ایک انسان اپنے خاص حالات کے ماتحت اِس قانون قرآنی پر عمل کرے تو اسی دُنیا میں بہشت نظر آنے لگے۔ اور سچے دل سے ایک بھائی دوسرے کی مدد کرنا اپنا شیوہ و فرض اولےٰ سمجھے اِن سُنہری اصُولوں کی پیروی کرنیوالا دوسرے کی محبت کو اپنے نفس کی محبت پر ترجیح دیگا۔ دوسرے کا خیال پہلے اور اپنا پیچھے کرے گا۔ اور ساتھ ہی اسکو اسیات کی کوئی ضرورت نہ ہوگی کہ اپنے نفس کی خواہشات کو بالکل نہ تیغ کرے اُن کو ترقی اور اصلاح کا موقعہ ہی نہ دے۔ بلکہ اس کے اعمال خود اس کے اپنے نفس کی تربیت اور اصلاح کا موجب ہو جا دینگے۔ اور ساتھ ہی

اسکو قربانی کا راز سمجھ آجائیگا کہ کس طرح دوسروں کی خاطر تکالیف برداشت کرنی چاہیئے اور اپنے قوے اور استعداد ونکو دوسروں کیلئے مفید بنانا چاہیئے نہ کہ سست الوجودوں کی طرح نفس کشی کا بہانہ کر کے سب سے الگ پڑا رہے۔ نہ اپنے قویٰ کو ترقی دے۔ اور نہ دوسروں کے لئے فائدہ مند ثابت ہو۔

فطرتی طور پر ہر انسان کے دل میں نیکی کرنے کی خواہش اور اُمنگ رکھ دیگئی ہے۔ اور تمام نیکی کا لب لباب یہ ہے کہ انسان اپنے آپکو دوسروں کیلئے فائدہ مند اور نفع رسان ثابت کرے۔ اور کس طرح کوئی آدمی کسی دوسرے کیلئے مفید ہو سکتا ہے جب تک اسمیں نفع رسانی کی استعداد نہو اور اسی وجہ سے قرآن نے حکم دیا کہ اپنے قویٰ کو خوب ترقی دو۔ تاکہ تمہارا وجود خلق خدا کے لئے بابرکت اور سُودمند ثابت ہو۔ ہر ایک آدمی کو اسبات کا دھیان رکھنا چاہیئے۔ کہ اس کا وجود کسی دوسرے پر دوبھر یا بار گراں تو نہیں۔ اور اُسکو دوسروں کی بھلائی کے لئے اگر خود کوئی نقصان بھی اُٹھانا پڑے تو ماتھے پر بل تک نہ لائے۔ بلکہ بخوشی تمام ایک بے غرضانہ تکلیف برداشت کیلئے تیار ہو۔ قرآن تو یہ چاہتا ہے کہ ہر ایک مسلم اپنے خیالات۔ اعمال۔ الفاظ ان سب میں ایک نمونہ ہو +

مندرجہ بالا آیت قرآنی کا پچھلا حصہ اِس معیار کو اَور بھی بلند کر دیتا ہے۔ فرمایا۔ خدا علیم ہے۔ ہر ایک انسان خود اپنے نفس کو دھوکا دے سکتا ہے لیکن خدا کو دھوکا نہیں دے سکتا۔ جو قربانی ہو صدق دل اور خلوص نیت سے ہو۔ ریاکاری یا دکھاوے یا کسی اور خود غرضانہ مقصد کا اسمیں دخل نہ ہونا چاہیئے۔ عام لوگ کیا قوموں کی قومیں اپنی بابت دھوکا کھاجاتی ہیں۔ مثلاً ایک جنگ کے محاربین میں سے ہر دو طرفین اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے ہیں۔ بہر حال دونوں میں سے ایک تو ضرور اپنے آپ کو دھوکا دے رہا ہے۔ لیکن خدا کے آگے کسی کا دام تزویر کارگر نہیں ہو سکتا۔ اپنے ضمیر کو تسلی دیتے وقت اسبات کا دھیان رکھنا چاہیئے کہ کہیں ہم دھوکا تو نہیں کھارہے۔ اور یہ بات ہمیشہ مدنظر رکھنی چاہیئے۔ کہ ایک علیم خبیر طاقت ہمارے ہر خیال و فعل کو دیکھ رہی ہے۔ ہم اس سے اپنے پوشیدہ ترین راز یا خیال چھپا نہیں سکتے۔ اسلام کا معیار یہ ہے کہ اپنی مرغوب اور محبوب اشیاء میں سے اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرو۔ یہ نہیں کہ اپنی تمام چیزیں دے ڈالو اور نہ یہی جو کچھ تم دوسروں کی خاطر راہ اللہ

خرچ کرد۔ اسمیں کچھ ایسی بھی چیز ہونی چاہئے جس کی ہمیں خود ضرورت ہو جو ہمارے دل کو بھائے جس کو دیتے وقت کچھ قربانی کرنی پڑے + (الف۔ و۔ ائی)

معبودانِ باطل کی موت اور اُن کا پھر جنم لینا

اِنسان جس کو پرستش کا پُتلا کہنا بیجا نہیں کبھی معبود کی پرستش کئے بغیر نہیں رہ سکتا ایک سچے اور حقیقی معبود کی تلاش میں اِنسان نے پتھروں سے لےکر انسان تک سب چیزوں کو مختلف رنگوں اور پیرایوں میں الوہیت کے مرتبہ پر بٹھایا۔ ایک پکا دہریہ بھی اپنے دل میں کسی نہ کسی چیز کا تصوّر ضرور باندھتا ہے۔ خواہ وہ اس کا تخیل اور میلان طبع ہی کیوں نہ ہو۔ جہاں کہیں اور جب کبھی معبود حقیقی اور خدائے واحد کی پرستش مفقود ہو جاتی ہے۔ تو خود انسان کی اپنی خواہشات اس کے لئے معبود بن جاتی ہیں۔ خود اپنی ضروریات کے جامہ سے وہ اپنے خداؤں کو ملبّس کرتا ہے۔ اور اپنے معیار اور خیالات کے سانچے میں وہ اپنے خدا کی صفات کو ڈھال کر ان پر ایمان لاتا ہے +

اِسی طرح یہ معبود دُنیا میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اور خود ان کے بنانے والے ان کے پرستار اور پُجاری بن جاتے ہیں۔ ہر ایک بُت یا معبود اپنے زمانے کے اخلاقی اور نیکی کے خیالات کا مجموعہ اور رائج الوقت خیالاتِ احسن کا مرکز ہوتا ہے۔ اور ہمارے دیگر خیالات کی طرح اس وقت وہ ابدی اور نہ تبدیل ہونے والا معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت اسمیں ایک لگاتار اگرچہ نامعلوم تبدیلی ہوتی چلی جاتی ہے۔ حالات زمانہ کی تبدیلی سے ہماری ضروریات اور خواہشات میں بھی تغیّر واقع ہوتا ہے۔ اس سے ہمارے اخلاق ہماری نیکی کے معیار ہمارے مقاصد زندگی سب ایک نئی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ جو چیز کل بڑی احسن اور دلپذیر معلوم دیتی تھی۔ آج اسی کو ہم کریہ اور قابلِ نفرت خیال کرنے لگتے ہیں۔ ہمارے خیالات میں ایک نمایاں فرق نظر آنے لگتا ہے۔ اور وہ پُرانے معیار جن کے مجموعہ کو ہم خدا کے نام سے پکارا کرتے تھے وہ ہمارے دل پر اب کوئی اثر نہیں کرتے۔ اِن دقیانوسی خیالات کی جگہ نئے خیالات

کہ لہ اسلم من السموات والارض طوعاً و کرھاً یعنی جو کچھ آسمان اور زمینوں میں ہے۔ چارو ناچار اسکو خدا کا حکم ماننا پڑتا ہے۔ ہاں اگر مذہب کی تعریف یُوں کی جاوے۔ کہ کسی ایک انسان یا ایک تاریخی واقعہ پر ایمان لے آؤ۔ یا خدا کی بعد فرض صفات کا ایک خارق عادت رنگ میں ظاہر ہونا مان لو۔ اور اعتقاد یہ رکھو کہ ان باتوں پر صرف لفظی ایمان لانے سے اعمال صالحہ کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ اور نجات خود بخود حاصل ہو جاتی ہے۔ اور ایک معجزہ کے رنگ میں جس قدر بدیاں اور گند انسان میں تھے وہ سب خوبیاں اور محاسن بن جاتے ہیں۔ الغرض اگر اس قسم کے نے معنے اور نہ اپیل کرنیوالے عقاید کا نام مذہب ہے تو بے شک مذہب اور سائنس کو ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں۔ اور ایک کا حاضر رہنا دوسرے کی عدم موجودگی کا باعث ہے۔ لیکن برخلاف اسکے اگر مذہب کا مفہوم یہ سمجھا جائے۔ کہ اسمیں چند قابل عمل قوانین ہوں۔ وہ ہماری فطرت اور ہماری استعدادوں کے ظہور کا باعث ہوں اور ان کو کمال تک پہنچانے کی راہ بتائے۔ اور بعض ایسی باتیں منوائے کہ جن پر عمل کرنے سے وہ ہمارے قوے بیحد ترقی کریں تو پھر سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ کس طرح ایک ذی فہم انسان مذاہب اور سائنس کو ناقابل اجتماع ضدین خیال کر سکتا ہے۔ یہ تو سچ ہے کہ ایمان کی ابتدا غیب اور نامعلوم اشیا کو تسلیم کرنا ہی ہوتی ہے۔ لیکن کیا ہر ایک علم اور سائنس بھی اسی طرح شروع نہیں ہوتے۔ علم کا تو مقصد یہی ہے۔ کہ نامعلوم خطوں میں طبع آزمائی کی جائے۔ ہر ایک نامعلوم چیز اسکی کوششوں کو تیز کرنے کے لئے مہمیز کا کام دیتی ہے۔ اور اشیا کی نامعلوم صفات ہی اسکو اس بات کے لئے اکساتی ہیں کہ وہ کوشش کرے۔ اور نئی نئی باتیں اپنے علم میں بڑھائے +

سائنس کسی چیز کی خالق نہیں۔ ہر ایک علم کی ابتدا بعض اُن نہ تبدیل ہونے والے قوانین پر ایمان لانا ہے۔ جن کے ماتحت مادہ اپنے مختلف خواص کو ظاہر کرتا ہے۔ اور اصطلاح سائنس میں "خاصیت" انہی نتائج کا نام ہے۔ جو مادہ کے بعض مقرر قوانین کے ماتحت کام کرنے سے اخذ ہوتے ہیں۔ انہی خاصیتوں کو معلوم کرنا سائنس کا مقصد اولیٰ ہے۔ اور انہی قوانین کی مطابقت کرنے سے عجیب عجیب سربستہ راز کا انکشاف اہل سائنس پر ہوتا ہے۔ اگر مادہ کا ظہور ایک قوت بالارادہ ہی سے ہوا ہے۔ تو تمام قوانین کا ماخذ اور سرچشمہ بھی اسی ذاتِ باری کو ہونا چاہئے

پس تمام تجربات سائنس کا مقصد یہی ہے کہ خدا کے ان بنائے ہوئے قوانین کو دریافت کریں جو ذرات عالم پر حکمران ہیں۔ اور جن کی کامل اطاعت کرنے سے مادہ کی مختلف خاصیتوں کا ظہور ہوتا ہے یعنی خدائی قوانین قدرت کی فرمانبرداری اور اطاعت ہی سائنس کا سب سے اہم اور بنیادی اصول ہے۔ یہ اطاعت اور فرمانبرداری ذرات کی فطرت میں موجود ہے۔ اور اسکو ہم ذرات عالم کے مذہب کے نام سے نامزد کر سکتے ہیں +

جو کوئی مناظر قدرت کو سرسری نگاہ سے بھی دیکھیگا تو وہ ضرور بالمشاہدہ دیکھیگا کہ قدرت کے تمام اجزا بعض مقررہ قوانین کی کامل اطاعت کرتے ہیں۔ اور ان میں سرمو فرق نہیں کرتے۔ ان کی ہستی ان کا ایک دوسرے کی مدد کرنا ایکدوسرے کے کام آنا۔ جس پر تمام عالم کے مفید اور منتجہ نظم ونسق کا دارومدار ہے۔ یہ سب باتیں ان قوانین مذکورہ کی کامل پیروی اور مطابقت پر منحصر ہیں۔ فرض محال اگر ایک ناچیز ذرہ ایک لمحہ کیلئے اپنے مقررہ راستہ سے بھٹک جائے تو یقیناً ساری کائنات کا تانا بانا درہم برہم ہو جائے۔ اور نتیجہ ہلاکت اور نقصان ہو۔ سورج چاند ستارے دن رات موسم۔ درخت سمندر وغیرہ کسی چیز پر غور کر کے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ یہ سب اپنے مقررہ رستوں پر قدم مار رہے ہیں۔ اور تاریخ عالم میں کسی لمحہ کے لئے بھی انہوں نے قوانین کی اطاعت سے منہ نہیں موڑا۔ قرآن نے اس حقیقت کو جدید سائنس سے کہیں پہلے واضح کیا۔ آج سے تیرہ سو سال پہلے فرمایا " وللہ یسجد من فی السموات والارض طوعاً وکرھاً وظللھم بالغدو والاٰصال۔ سورہ رعد آیت ۱۵۔ ترجمہ " اور جس قدر مخلوقات آسمان و زمین میں ہے چار و ناچار سب اللہ کے آگے سربسجود ہیں اور صبح وشام ان کے سائے بھی" +

الم تر ان اللہ یسجد لہ من فی السموات ومن فی الارض والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدواب وکثیر من الناس (سورۃ حج ۱۸ آیت) ترجمہ۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ کی فرمانبرداری کرتا ہے جو کچھ زمین میں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چارپائے اور بہت سے لوگ

پھر سورہ یسین میں فرمایا۔ وآیۃ لھم الیل نسلخ منہ النھار فاذا ھم مظلمون ٭ والشمس تجری لمستقر لھا ذلک تقدیر العزیز العلیم ٭

والقمر قدرنٰہ منازل حتی عاد کالعرجون القدیم۔ لا الشمس ینبغی لھا ان تدرک القمر ولا الیل سابق النھار۔ وکل فی فلک یسبحون (آیت ۳۷ تا ۴۰)

ترجمہ - اور ان کے لئے ایک نشانی رات ہے، ہم اسمیں سے دن کو کھینچ کر نکال لیتے ہیں۔ تو بس یہ لوگ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں - اور آفتاب اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے - یہ اندازہ خدا کا باندھا ہوا ہے۔ جو زبردست اور آگاہ ہے - اور چاند اس کے لئے ہم نے منزلیں ٹھیرا دیں یہانتک کہ (گھٹتے گھٹتے) وہ (اتنا پتلا رہ جاتا ہے۔ جس طرح کھجور کی پرانی ٹہنی - نہ تو آفتاب ہی سے بن پڑتی ہے۔ وہ مہتاب کو جالے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آسکتی ہے یہ سب اپنے اپنے مدار میں سفر کر رہے ہیں +

یہ آیت کتنی کھلی اور عظیم الشان صداقت ہے۔ قدرت کا ہر ذرّہ اپنے مدار اور راستے پر سفر کر رہا ہے۔ کائنات کی ہر چیز قانون قدرت کی مطیع ہے۔ تمام قدرت میں یک رنگی ہے - یہ سب راز قرآن کریم نے اپنے سادہ لیکن جامع الفاظ میں ایک ایسے وقت سنائے جبکہ جدید سائنس نے جنم بھی نہ لیا تھا - اور مغربی دنیا ان رازوں سے محض ناواقف اور جاہل تھی - قدرت کا ہر ایک جزو اپنی اپنی راہ پر لگاتار قدم مار رہا ہے۔ کوئی حکم عدولی نہیں کسی قسم کی افراط تفریط نہیں - بلکہ صرف ایک مقرر ازلی ابدی نہ بدلنے والے قانونوں کی پوری اطاعت کر رہا ہے - اسی سے تو مختلف عناصر ایک متحدہ کل میں جمع ہو سکتے ہیں اور بے نظمی سے نظم پیدا ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا - پابندی قوانین کی صداقت کائنات کے ہر حصہ میں پائی جاتی ہے - قدرت کے ہر ایک ذرّہ کی ہستی اور تکمیل و ترقی کا دارومدار قانون کے آگے سر جھکانے ہی میں ہے - اس کرّہ ہوائی کے ذرّات کو برقی جوہر بننے کے لئے خاص راہوں پر چلنا پڑتا ہے - خاص قوانین کی اطاعت کرنی پڑتی ہے - اور یہی برقی جوہر بعض معیّن انتظامات کے ماتحت مادی دنیا کی شکل اختیار کر لیتے ہیں - اور اس طرح وہ مادے کی تکمیل کرا تے ہیں۔ مقرر رستوں کا مخصوص ہونا اور شکلوں وغیرہ کا معیّن ہونا - یہ بات کائنات کے ہر جزو و حصے میں پائی جاتی ہے - اور اسکی بنا پر تمام سائنس کی تحقیقات کا دارومدار ہے - ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں - کہ سائنس بذات خود کچھ

پیدا نہیں کر سکتی۔ اسکی غرض و غایت صرف اس قدر ہے۔ کہ وہ ان قوانین کو معلوم کرے۔ جو قدرت کی طاقتوں کی راہنمائی کرتے ہیں + انہی قوانین کو ذرات عالم کا مذہب کہا گیا ہے۔ کیا تمام عالم ایک مقررہ راہ پر نہیں چل رہا۔ کیا مادہ قوانین کے ماتحت نہیں کام کرتا۔ اگر اسکی ترقی بیقاعدہ۔ بے نظم اور بے ترتیب ہوتی تو ایک شخص یہ نتیجہ نکال سکتا تھا۔ کہ نیچر نے کام کرتے ہوئے اپنے آپ کو حالات گردوپیش کے ماتحت کر لیا ہے۔ اور قانون کو اس کا نتیجہ مانا جاتا لیکن سائنس نے یہی معلوم کیا ہے۔ کہ کائنات میں ایک نظم اور باقاعدگی ہے۔ جو اُس کے ہر جزو پر حاوی ہے۔ اور جو کچھ بھی سائنس نے معلوم کیا ہے وہ سوائے چند قوائد اور قانونوں کے جن کے ماتحت مادہ کام کرتا ہے کچھ نہیں اس سے صاف ارادہ اور عقل کام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں نیز ہر جگہ مادہ سے پہلے قانون کا پتہ لگتا ہے اس واسطے ثابت ہوا کہ قدرت میں محض مشابہت کوئی چیز نہیں۔ اس جگہ ہم چودھویں صدی کے مجدد حضرت میرزا غلام احمد صاحب کی تصنیف ٹیچنگز آف اسلام میں سے کچھ نقل کرتے ہیں جسمیں آپنے خدا کی ہستی ثابت کرتے ہوئے مندرجہ ذیل مدلل عبارت لکھی ہے۔

اگر ان کا درپردہ کوئی مدبر نہ ہو تو یہ تمام سلسلہ درہم برہم ہو جائے۔ یہ دلیل ہیئت پر غور کرنیوالوں کیلئے نہایت فائدہ بخش ہے۔ کیونکہ اجرام فلکی کے اتنے بڑے عظیم الشان اور بیشمار گولے ہیں۔ جن کے تھوڑے سے بگاڑ سے تمام دنیا تباہ ہو سکتی ہے۔ یہ کیسی قدرت حق ہے کہ وہ آپس میں نہ ٹکراتے ہیں نہ بال بھر رفتار بدلتے اور نہ اتنی مدت تک کام دینے سے کچھ گھِسے اور نہ ان کی کلوں پرزوں میں کچھ فرق آیا۔ اگر سر پر کوئی محافظ نہیں تو کیونکر اتنا بڑا کارخانہ بیشمار برسوں سے خود بخود چل رہا ہے انہیں حکمتوں کی طرف اشارہ کرکے خدا تعالےٰ دوسرے مقام میں فرماتا ہے۔ اَفِی اللّٰہِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یعنے کیا خدا کے وجود میں شک ہو سکتا ہے۔ جس نے ایسے آسمان اور ایسی زمین بنائی" +

سب سے طاقتور ذرہ کا مذہب

کیا انسان تمام کائنات کا خلاصہ ایک کامل مخلوق اور نیچر کا عمدہ ترین جزو نہیں؟ ×

× حاشیہ۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (سورۃ تین) ترجمہ۔ تحقیق ہم نے انسان کو بہتر سے بہتر ساخت کا پیدا کیا ہے +

نیچر میں بہتر سے بہتر جو بات تھی انسان میں اس کا ظہور بہترین طور پر ہوا ہے۔ تمام عالم کے متحدہ اجتماع کی وجہ سے اس میں عقل۔ فہم۔ حس۔ ضمیر اور ارادہ پیدا ہوا ہے۔ ذرات کی شکل تو تبدیل ہو سکتی ہے۔ لیکن وہ اپنی فطرت کو ہرگز بدل نہیں سکتے۔ قوانین کی کامل اطاعت کر کے حسب دلخواہ نتائج کا اخذ کرنا عناصر کی فطرت میں پایا جاتا ہے۔ تو کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی اس بنیادی خاصیت کو اس حالت میں مفقود کریں۔ جب ان کا اجتماع بہترین طرز پر انسان یعنی سب سے طاقتور ذرے میں ہو اور اگر عناصر میں سے قوانین کی کامل اطاعت کرنے کی خاصیت جاتی رہتی تو ممکن نہ تھا کہ کوئی انسان علم طب وغیرہ کی کوئی تشریح یا تحقیق کر سکتا۔ تناسب ترتیب ترکیب وغیرہ کے قوانین انہی کی نظم و ترتیب سے علم بنتا ہے۔ انسانی قوائے کے ظہور پر بہت ہی سرسری نظر کرنے سے بھی یہ صداقت پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے۔ ہم کو آنکھ کان منہ وغیرہ مختلف عضو دیئے گئے ہیں۔ ذرا ان سے وہ کام تو لیکر دیکھو جو ان سے مخصوص نہیں تو معلوم ہو گا۔ کہ خواہ ان کو نقصان پہنچے اور خواہ ان کا نام و نشان ہی معرض خطر میں ہو لیکن کبھی بھی وہ کسی خلاف نیچر کرنے کا ذریعہ نہیں بنینگے۔ اور انہی اعضاء کو ان کے مقرر قوانین کے ماتحت استعمال کرو تو ان کو پورے فرمانبردار اور کامل مطیع پاؤ گے۔ معلوم ہؤا کہ انسانی وجود میں بھی قانون اور اسکی پابندی کا کامل ظہور ہوتا ہے۔ اسلام جس کے لغوی معنے ہی اطاعت اور فرمانبرداری ہے۔ اور جس کو احکام اور قوانین کا مذہب کہا جا سکتا ہے۔ یہی تمام ذراتِ عالم کا مذہب ہو سکتا ہے۔ اور ترقی کے بڑھنے میں ان کی حالت کے مطابق ہو سکتا ہے الغرض ہر ذرۂ موجودات چھوٹا ہو یا بڑا کثیف ہو یا لطیف سب کو اس عالمگیر مذہب کے قوانین آگے سرِ تسلیم خم کرنا ہو گا +

(باقی آئندہ)

عکس مکتوب آنحضرت صلعم

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون

رسالہ

اشاعت اسلام

اُردو ترجمہ

اسلامک رِیوُیو اینڈ مُسلم انڈیا مجریہ لنڈن

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین بی اے ایل ایل بی — مسلم مشنری — و مولوی صدرُالدین بی اے بی ٹی

قیمت تین روپے سالانہ

اس سے بڑھ کر اور کوئی نیکی نہیں کہ آپ رسالہ ہذا کی خریداری بڑھائیں کیونکہ انہیں رسالوں کی آمدنی بہت حد تک مسلم ووکنگ مشن کے اخراجات کی کفیل ہے رسالہ ہذا کی دس ہزار اشاعت ووکنگ مشن کے یہ تہائی اخراجات کی ممد ہو سکتی ہے

جلد (۴) | بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۱۸ء | نمبر (۴)

فہرست مضامین

یونین سٹیم پریس لاہور میں دیوان پرنٹر کی اہتمام سے چھپ کر مرزا یعقوب بیگ احمدی سیکرٹری انجمن اشاعت اسلام لاہور نے شائع کیا

ووکنگ مسلم مشن

ناظرین کرام ووکنگ مسلم مشن کے کارہائے نمایاں سے خوب واقف ہیں اللہ تعالےٰ کا فضل و احسان ہے کہ اسکو گذشتہ سالوں میں ہر قسم کی نصرت و کامیابی ہوئی - اس مشن کو قائم ہوئے اب چھٹا سال گذر رہا ہے - اس چھ سال کے عرصہ میں صرف اسلام کی تبلیغ کی راہ ہی صاف ہوگئی ہے - کہ جس اکیلے کام پر اگر تیس سال بھی لگ جاتے تو بہت نہ تھے - بلکہ ایک خاصی بڑی قابل اہل قلم نو مسلمین کی جماعت پیدا ہوگئی ہے لیکن ہمیں افسوس سے لکھنا پڑتا ہے - کہ **اسلامک ریویو** انگریزی جس کے ذریعہ سے یہ تبلیغ اس وقت ہو رہی ہے - اس کا حلقہ اشاعت دن بن تنگ ہو رہا ہے - اُس طرف موجودہ حالات کے ماتحت یورپ میں ہر ایک چیز کی قلت و گرانی ہے - اخراجات طبع و کاغذ میں بھی قیمت کا کئی گُنا زیادہ اضافہ ہو گیا ہے اسلئے اشاعت اسلام کے پاک مقصد سے جو ہمدردی رکھتے ہیں وہ اس وقت مشن کی امداد کیلئے کھڑے ہو جائیں ورنہ ان کی عدم توجہ سے مشن مذکور کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے +

بہی خواہان مسلم مشن ووکنگ مندرجہ ذیل طریقوں سے اس وقت مشن مذکورہ کی اعانت فرما سکتے ہیں :-

۱ - رسالہ اسلامک ریویو انگریزی کی انگریزی دان احباب میں اور اردو دان احباب میں اردو ترجمہ اشاعت اسلام کی توسیع اشاعت فرمائیں - کیونکہ انہیں رسالوں کا منافع بہت حد تک مسلم مشن ووکنگ کے اخراجات عظیم کا کفیل ہے اور کم از کم از راہ کرم تین جدید خریدار ہر ایک خریدار عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں +

۲ - اپنے اپنے شہر کے معزز و ذی اثر مسلم احباب کی خدمت میں اس مشن کی مالی اعانت کیلئے تحریک فرمائیں +

۳ - اپنے حلقۂ اثر میں یورپ میں مفت رسالہ اسلامک ریویو کی تقسیم کرانے کیلئے تحریک فرمائیں - اور جو تبلیغ اسلام کا خیراتی صرفہ ہمیں مرحمت فرمائیں تو ہم ان کی جگہ ایک انگریزی رسالہ یورپ میں مفت بطور تبلیغ تقسیم کریں گے +

کسی قدر افسوس سے لکھنا پڑتا ہے - کہ سالانہ وی پی پر رسالہ اشاعت اسلام کے پانچصد کے قریب خریداران نے وی - پی لینے سے انکار کر دیا ہے - بعض وقت بالضرور ایسا ہوتا ہے - کہ ڈاکیہ کی غلطی سے رسالہ واپس ہو جاتا ہے - آپ سمجھ سکتے ہیں - کہ اس طرح رسالہ کا انکار کس قدر عظیم اثر اشاعت اسلام کے کام پر ڈالتا ہے بہر حال اشاعت اسلام کے خریداران کا اس وقت فرض ہے کہ اس کمی کو پورا کرنے کیلئے کم از کم ۳ جدید خریدار فراہم فرما کر عند اللہ ماجور ہوں +

خاکسار - خواجہ عبد الغنی منیجر رسالہ اشاعت اسلام عزیز منزل - نولکھا - لاہور



BROTHERS IN FAITH AND ARMS.

Sergt. Sheldrake (Khalid). Sergt Richardson (Omar)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

ترجمۂ اردو اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا مجریہ لنڈن

جلد (۴) بابت ماہ اپریل ۱۹۱۸ء نمبر (۴)

شذرات

اِس ماہ کے رسالہ کے ساتھ دو سر وقد مسلم بھائیوں کی تصویر شائع کی جاتی ہے۔ جو فوج میں سرجنٹ کے عہدہ پر ممتاز ہیں۔ تصویر میں دائیں طرف سرجنٹ رچرڈ سن ہیں جن کا اسلامی نام عمر رکھا گیا ہے۔ اور بائیں طرف سرجنٹ شیلڈریک ہیں۔ جن کا اسلامی نام خالد ہے۔ جو کہ پرانے نومسلمین میں سے ہیں۔ اور جن کے مضامین اکثر اوقات اسلامک ریویو میں بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔ اور ناظرین کرام تک بھی اُن کا ترجمہ بذریعہ رسالہ ہذا پہنچتا رہا ہے۔ اور انہی شذرات میں کسی دوسری جگہ ان کے ایک عظیم الشان لیکچر کی روئیداد دیگئی ہے جو ووکنگ میں اُنہوں نے لا اکراہ فی الدین کے مضمون پر دیا +

گذشتہ ماہ کے رسالہ میں ہم نے مختصر طور پر ان تبلیغی کوششوں سے مطلع کیا تھا۔ جو ووکنگ مسلم مشن کی طرف سے خاص ووکنگ اور دیگر مقامات پر ہوئی ہیں۔ اس کے بعد کی مساعی کا ہم ذیل میں تذکرہ کرتے ہیں۔ جو اُمید ہے کہ ناظرین کرام کے لئے باعث مسرت ہوگا +

لندن مُسلم ہوس کے تمام جلسے بارونق ہوتے ہیں۔ اور سامعین کی کافی تعداد لیکچر سُننے کیلئے کھنچی چلی آتی ہے۔ چنانچہ گذشتہ چند ہفتے تو نہایت ہی پُررونق گذرے۔ جو لوگوں کے مذہبی اشتیاق کا ایک نمایاں ثبوت تھا۔ ان ہفتوں میں کچھ لیکچر اور سرمن تو مسلم لٹریری سوسائٹی کی سرپرستی میں منعقد ہوئے اور کچھ لندن مسلم ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام +

لندن مسلم ایسوسی ایشن کی سرپرستی میں ہمارے فاضل لیکچرار حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری نے لیکچر دیئے جو زیادہ تر مذہبی رنگ رکھتے تھے۔ اور اگر دوران مضمون میں کسی دنیوی پہلو پر بھی روشنی ڈالنی ضروری ہوتی تھی۔ تو اس کا بھی آپ ضمنی طور پر تذکرہ فرما دیتے تھے۔ ان پندرھویں دن کے لیکچراروں میں بھی سامعین کی تعداد روز افزوں ترقی پر ہے۔ جو اس عام بیداری کا بین ثبوت ہے جو فہیم اور سمجھدار طبقہ و گروہ اشخاص میں پیدا ہو چکی ہے۔ جو اس بات کو سمجھنے لگ گئے ہیں کہ مذہب اور اس کا تعلق اس زندگی کے ساتھ بہ نسبت اور باتوں کے بہت گہرا اور پائیدار ہے۔ اس کے علاوہ ۲۰ جنوری ۱۹۱۸ء اور ۳ فروری ۱۹۱۸ء کو حضرت خواجہ صاحب کے دو اور لیکچر ہوئے جن کے عنوان علی الترتیب "ہم عربی زبان میں کیوں نماز پڑھتے ہیں"۔ اور "اسلام میں عبادت کی رُوح" ہیں +

پندرھویں دن کے مذہبی لیکچر لندن مسلم سوسائٹی کے زیر اہتمام مسلسل بغیر کسی رکاوٹ کے منعقد ہوتے ہیں۔ چونکہ ہمارے فاضل لیکچرار حضرت خواجہ کمال الدین صاحب لیکچر دینے کیلئے کسی دوسری جگہ مدعو کیئے گئے تھے۔ اسلیئے مسٹر سید احسان البکری صاحب نے ۹ دسمبر ۱۹۱۷ء کو لندن مسلم ہوس میں "اسلام کی روحانی و علمی فتوحات" پر ایک بسیط شاندار لیکچر دیا۔ جو نہایت دلچسپ تھا۔ قرآن کریم کی آیات کی تفسیر کرنے کے بعد انھوں نے سامعین کی توجہ خصوصیت سے لفظ فتح کی طرف مبذول کی۔ انھوں نے فرمایا۔ کہ لفظ فتح کے فقط اتنے ہی محدود معنے نہیں ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم نے صرف ان مشکلات پر جو آپ کے پاک مشن میں آپ کے زمانہ میں سدراہ تھیں غلبہ پالیا بلکہ اس لفظ فتح میں اس عظیم الشان اخلاقی نصرت کی طرف اشارہ ہے جو حق کو باطل پر۔ نور کو ظلمت پر اور علم کو جہالت پر آپ کے ذریعہ سے عملی رنگ میں نصیب ہوئی۔ اور ان شاندار کامیابیوں کے اندر

تھوڑے سے بیکل کیلئے سورۃ النصر کو چنا +

آنحضرت صلعم کے مقدس مشن نے عروج پکڑا تھا۔ جو آج بھی اسلام کیلئے جو انسانیت کا فطری مذہب ہے بطور بنیاد کے ہیں۔ اس لیکچر نے حاضرین جلسہ پر اچھا اثر ڈالا + چونکہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب پیشتر ہی سے سپر جو لسٹ سرکل کلفام کی طرف سے مدعو کیے گئے تھے۔ اسلیئے وہ اس موقعہ پر تشریف نہ لا سکے۔ اور یہ دوسری بار تھی۔ کہ سوسائٹی مذکورہ نے حضرت خواجہ صاحب کو مدعو کیا۔ اس سوسائٹی میں آپ کا لیکچر نہایت کامیابی سے ہوا۔ جسمیں آپنے سپرچولزم اور اسلام کے باہمی تعلقات پر نہایت وضاحت سے روشنی ڈالی حاضرین میں بعض ایسے بھی اصحاب تھے جو اسلام کے حسن و جمال سے بالکل نا آشنا تھے۔ اور اس ربانی مذہب کی اعلیٰ درجہ کی غیر عصبیت کا انکشاف ان کے لئے بہت حد تک تسکین و تشفی کا باعث ہوا۔ یہ بھی خوشی کا مقام ہے کہ حضرت خواجہ صاحب کے تمام وہ لیکچر جو انہوں نے مقام مذکورہ پر پڑھے ہیں ایک کتاب کی صورت میں الگ جمع کئے گئے ہیں۔ جو "مذہب اور سائنس میں اتحاد" کے نام سے موسوم کی گئی ہے۔ اور جس کا ترجمہ انشاء اللہ تعالیٰ اشاعت اسلام کے آیندہ نمبروں میں وقتاً فوقتاً دیا جائیگا۔ اور اس کے علاوہ ایک دوسری کتاب بھی "سلسلۂ ارتقاء انسانی" کے نام سے علیحدہ شائع ہو گی۔ جس میں حضرت خواجہ صاحب کے لیکچر جو اس موضوع پر آپنے دیئے تھے جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اس کا ترجمہ بھی ناظرین کرام تک وقتاً فوقتاً پہنچتا رہیگا +

مسلم لٹریری سوسائٹی کا ۲۰ دسمبر ۱۹۱۷ء کو ششماہی اجلاس منعقد ہوا۔ جسمیں آیندہ کے لئے نئی کمیٹی اور عہدیدار منتخب کیے گئے۔ اگزیکٹو کمیٹی کے بعض عہدیداران میں کوئی تھوڑے تھوڑے تغیر و تبدل ہوئے پہلے ان کی تعداد دس تک پہنچی تھی۔ اب صرف سات ہی کافی سمجھی گئی تھا۔ بڑی خوشی کا مقام ہے کہ مسٹر یوسف علی صاحب اور مسٹر حنیف سیکسن علی الترتیب پریزیڈنٹ اور سکرٹری منتخب ہوئے۔ اور مرزا ہاشم اصفہانی و مسٹر پکتھال اور حضرت خواجہ کمال الدین صاحب وائس پریزیڈنٹ چنے گئے۔ سال گذشتہ کی رونق و نصرت کامیابی کا سہرا انہی احباب کے سر پر رکھنا چاہیے۔ کیونکہ انہی لوگوں کے توسل سے سوسائٹی کے جلسے پُر رونق ہوئے۔ اور سوسائٹی ہذا انکی مرہون احسان ہے۔ اس دلخوشکن امید کے ساتھ آیندہ سال سوسائٹی کی طرف سے بہترین

کارناموں اور شاندار خدماتِ اسلام کی توقع کرنا بیجا نہ ہوگا +

اِس کے علاوہ ووکنگ میں بھی ہفتہ وار لیکچروں کا سلسلہ بدستور قائم ہے۔ اور موسم کی خرابی کے باوجود سوائے ایک اتوار کے ہر ہفتہ لیکچر ہوتے رہے ہے۔ جس ہفتہ تک کی خبریں ہم تک پہنچی ہیں اسکی اتوار کو مسٹر خالد شیلڈرک (انگریز نومسلم) نے لا اکراہ فی الدین پر ایک بسیط اور شاندار لیکچر دیا جسمیں اسلام کا دوسرے مذاہب سے مقابلہ کرتے ہوئے ان کے تاریخی واقعات سے ثابت کیا۔ کہ اسلام ہی اِن سب کے بالمقابل ایسا مذہب ہے جسمیں جبر کوئی نہیں۔ خود اِس موجودہ زمانہ میں مختلف مذاہب کے اِس اعلیٰ نظم و نسق کے باوجود جواب اُن کے ہاں قائم ہے۔ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو اپنی صاف اور مدلل تعلیم کی وجہ سے ہر ایک دل و دماغ کو نہایت زبردست اپیل کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ مسٹر موصوف اور ان کے دوسرے ساتھیوں کو اسلام کا اِس سے بھی زیادہ والہ و شیدا بنائے۔ اور ہمت و استقامت عطا فرمائے +

فروری مارچ ۱۹۱۸ء کے لیکچروں کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

۷ افروری ۱۹۱۸ء۔ خدا تعالےٰ کو ہم کس طرح خطاب کرنا چاہئے جسمیں لفظ باپ پر خصوصیت سے توجہ کی گئی +

یکم مارچ ۱۹۱۸ء۔ گناہ کیا ہے +

بلادِ غربیہ میں تبلیغِ اسلام

ریورنڈ البرٹ دو کاکس کا اظہار اسلام

اشاعتِ اسلام میں فرقہ بندی ایک سنگِ راہ ہے

ابتدائے جنوری میں رائٹ آنریبل سید امیر علی صاحب کی وساطت سے مذکورہ بالا پادری صاحب کا ایک خط ملا جسمیں انہوں نے سید صاحب سے اسلام کی بابت کچھ معلومات بڑھانے کی استدعا کی تھی۔ سید صاحب نے وہ چٹھی بجنسہٖ ووکنگ بھیج دی۔ جس پر ریورنڈ مذکور سے براہ راست خط و کتابت کی گئی۔ اس سے ریورنڈ مذکور سے متعدد ملاقاتیں لندن مسلم ہوس میں ہوئیں۔ اور وہ جمعہ کے خطبہ میں شامل ہونے کے لئے بھی مدعو کیئے گئے۔ ریورنڈ مذکور امریکہ سے آئے ہیں۔ اور باضابطہ وہاں کے گرجا کے پادری رہ چکے ہیں۔ علاوہ ازیں اُن کی گفتگو سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اچھے تعلیمیافتہ ہیں۔ یہاں سے ذکر کرنا باعثِ طوالت ہوگا۔ کہ کن مسائل پر گفتگو ہوئی۔ یہ ایک لمبی داستان ہے لیکن جو امر بطور ایک آخری مرحلہ تھا وہ وہی رونا ہے جو کئی دفعہ میں پہلے رو چکا ہوں۔ ریورنڈ مذکور نے کہا۔ کہ جو بات سب سے اوّل اُنہیں عیسائیت سے برگشتہ کرکے کسی نئی صداقت کی تلاش کی محرک ہوئی ہے۔ وہ عدم اخوت اور فرقہ بندی تھی۔ جو عیسائیت میں چاروں طرف نظر آرہی ہے۔ اس مذہب میں ۵۰۰ کے قریب فرقہ ہیں۔ اور ایک فرقہ دوسرے فرقے کو عیسائی نہیں سمجھتا۔ اگر اسلام بھی اسی طرح فرقوں میں منقسم ہے۔ اور ایک فرقہ دوسرے فرقے کو مسلمان نہیں جانتا۔ تو پھر اس کے اصول خواہ کیسے ہی خوبصورت کیوں نہوں عملاً انہیں اس روح کا فقدان ہے جو مذہب کی غرض اوّل ہونی چاہیئے۔ چنانچہ اُنہوں نے شیعہ اور سُنیوں کے دو بڑے فرقوں کی طرف اشارہ کیا۔ اور محمد علی امانت دیانت کا واسطہ دیکر دریافت کیا۔ کہ آیا ان دو فرقوں کے نیچے اور بھی فرقے ہیں یا نہیں۔ اس سوال کے جواب میں جو مجھے درد ہوا وہ ظاہر ہے۔ اس سے انکار کرنا تو گویا ایمان فروشی تھی۔ کہ وہ اختلاف اجتہاد جو باعثِ

رحمت تھا۔ اور اس آزادی رائے کا پرورش کنندہ تھا جو انسانیت کی رُوح ہے۔ وہ ہماری تنگدلی اور حقیقت اسلام سے ناآشنائی کے باعث مختلف فرقوں کو وجود میں لے آیا۔ جن کے اصلی اختلاف کو سامنے رکھ کر اُن کو فرقہ ہائے اسلام کہنا صریح غلطی ہے۔ بہرحال میں نے شیعہ سُنی کا اختلاف جو خلافت کے متعلق تھا وہ بیان کیا۔ اور اس سے پُوچھا کہ آیا یہ اختلاف کسی فرقہ بندی کا موجب ہو سکتا ہے خصوصاً جب اِن اختلافوں کو سامنے رکھا جائے جو عیسائیت میں ہیں۔ میں نے جو اس چٹھی کے شروع میں سیّد امیر علی صاحب کا ذکر کیا ہے۔ اس کا باعث یہ ہے۔ کہ ریورنڈ مذکور کا اُن کے ذریعہ سے میرے پاس آنا ہی اُن کی تشفی کا مُوجب ہو گیا۔ جب ان کو یہ معلوم ہُوا۔ کہ سیّد صاحب شیعہ بھی ہیں اور مُعتزلہ بھی۔ اور اگر شیعہ سُنی میں ایسا فرق ہوتا جو کفر و اسلام میں فرق ہے تو ایک فاضل اور مجتہد شیعہ بزرگ ایک طالب علم کو ایک سُنی کے پاس نہ بھیجتے۔ یہ ایک عملی ثبوت تھا۔ علاوہ ازیں جمعہ میں میری اقتدا میں دیکھو کہ وہاں نہ صرف سُنی ہی فریضۂ جمعہ ادا کرتے ہیں۔ بلکہ شافعی۔ مالکی اور شیعہ صاحبان بھی۔ بحمد اللہ ریورنڈ مذکور نے اسلام کا اظہار کیا۔ اب میں مسلمان بھائیوں سے عرض کرتا ہوں۔ کہ آیا واقعی اسلام کے مختلف فرقوں میں کوئی اصُولی اختلاف ہے۔ اگر ہے تو خدارا اِس آیت پر غور کرو۔ ما انزلنا علیک الکتٰب الا لتبین لھم الذی اختلفو فیہ وھدیً ورحمۃً لقوم یومنون۔ قرآن تو ان اصُولی اختلافوں کو مٹانے آیا ہے۔ جو بعثت نبوی پر مختلف مذاہب میں یا مختلف مذاہب کے فرقوں میں موجود تھے۔ کیونکہ مذہب تو ہر طرح سے اپنی اصلی حالت میں خُدا کی طرف سے تھا۔ اب اگر وہ مذہب جو قرآن سے پیدا ہوتا ہے مختلف فرقوں کا متحمل ہو سکتا ہے۔ اور ان فرقوں میں اصُولی اختلاف ہے تو پھر کسی اور قرآن کی ضرورت ہے۔ خدارا اس ایک آیت پر غور کرو۔ ہم نے جو کچھ اختلافوں سے آج تک بھگتا وہ کافی ہے۔ اگر واقعی اختلاف بھی ہوتے تو بات بھی تھی لیکن جب اصُولی اختلاف کوئی ہے نہیں۔ تو پھر کیا مطلب۔ بحمد اللہ وزیر ہند کے ورود ہند کا ایک خوش کن نتیجہ جس نے مجھے۔۔۔ بھیل پر مسرت سے بھر دیا۔ وہ علماء کا وہ وفد تھا جس میں شیعہ سُنی اہلحدیث جمع ہو کر وزیر ہند کے سامنے پیش ہوئے۔ کیا یہ وفد کوئی پولٹیکل چال ہے اور اگر نہیں جیسے کہ میرا ایمان ہے کیونکہ میں ان بزرگوں کو جو اراکین وفد تھے منافق نہیں سمجھتا

تو پھر کیوں یہ امر اور معاملات میں خضر راہ نہیں بنتا +

ایک اور جلیل القدر پادری جو اس ملک کے رہنے والے ہیں۔ اور جن کی ہم سے خط وکتابت ہے۔ اور وہ بالکل اسلام کے قریب آئے ہوئے ہیں۔ ان کا ایک خط اس دسمبر کو مجھے ملا۔ ان کے خط میں سے ذیل کے فقرے اقتباس کرتا ہوں۔ اور مسلمانوں کے نام نہاد فرقوں کے علماء کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ کہ اس پر غور کریں۔ یاد رکھو عیسائیت یہاں پاش پاش ہو چکی ہے اور اسکی اس تخریب کی ایک بھاری وجہ فرقہ بندی ہے جو اصولاً اسمیں موجود ہے۔ اور جو اسلام میں نہیں لیکن اگر ہماری کم فہمی نے فرقہ بندی پر اصرار کیا۔ تو پھر ذی ہوش اہل مغرب اس لعنت کو جس کا نام فرقہ بندی ہے ایکدفعہ چھوڑ کر دوسری دفعہ اسلام کے ماتحت قبول نہیں کر سکتے۔ وہ لکھتا ہے کہ میری توجہ اسلام کی طرف الجزائر مصر اور فلسطین جاکر پیدا ہوئی۔ اور جو امر میرے لئے موجب کشش تھا وہ یہ ہے کہ میں نے اسلام کو ایک عالمگیر اور متفق مذہب سمجھا ہے جسمیں وہ فرقے نہیں جو عیسائیت میں ہیں۔ لیکن اب میں دیکھتا ہوں کہ ایسا امر نہیں۔ ایرانی مسلم اس طرح سُنّیوں سے اختلاف رکھتے ہیں جیسے کیتھولک پراٹسٹنٹ اور میں سُنتا ہوں اور بھی فرقے ہیں وغیرہ وغیرہ +

میں نے آج ہی اس کا مُفصل جواب لکھ کر دیا ہے۔ ساتھ ہی میں نے اپنے رسالہ کا دسمبر ۱۹۱۷ء نمبر بھیج دیا ہے جس میں اس مضمون پر کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے۔ ساتھ ہی یہ ارادہ کیا ہے کہ اپنے نومسلم بھائی مسٹر پکتھال سے جو ایک فاضل مستشرق اور ایک مشہور ناول نویس ہیں اس مضمون پر کچھ لکھواؤں جو شاید ان لوگوں کے زیادہ اطمینان کا موجب ہو +

خواجہ کمال الدین از ووکنگ

قوموں کی حیات اور وفات

زندگی اور موت کے قانون کائنات کے ہر ایک حصہ میں کام کر رہے ہیں۔ نہ نام و نشان کے مٹ جانے کا نام موت ہے۔ اور نہ نیستی سے ہستی میں آنے کا نام زندگی ہے۔ بلکہ ان کا مفہوم ترقی اور تنزل ہے۔ دیگر اشیا کی طرح قوموں کے عروج اور زوال کے بھی سبب ہوتے ہیں۔ اور تواریخ کے پڑھنے والے ان سے خوب واقف ہوتے ہیں۔ لیکن خدا کی آخری کتاب یعنی القرآن نے بھی اس مضمون پر خوب روشنی ڈالی ہے صرف ایک ایسا جامع لفظ استعمال کر دیا ہے۔ کہ اہلِ تدبّر اس میں سے ہزارہا نقطے نکال سکتے ہیں +

قرآن کریم نے سورۃ الملک کی پہلی آیات میں اس ضروری مضمون پر بحث کی ہے۔ فرمایا "تبارك الذی بیدہ الملك وهو علی كل شیٔ قدیر۔ الذی خلق الموت والحیوٰۃ لیبلوا كم ایكم احسن عملاً" (ترجمہ۔ بابرکت ہے وہ جس کے ہاتھ میں دُنیا جہان کی سلطنت ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تم لوگوں کو آزمائے کہ تم میں کون اچھے عمل کرتا ہے) اور پھر سورہ یُونس کی چودھویں آیت میں مسلمانوں کو یُوں خطاب فرمایا:۔

"ثم جعلنٰكم خلٰئف فی الارض من بعدهم لننظر كیف تعملون" (ترجمہ۔ اور ہم نے تم کو جانشین بنایا۔ تاکہ ملاحظہ فرمائیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو) اور جب حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو ارض موعود کی طرف لیجا رہے تھے تو اُن کو فرمایا "عسیٰ ربكم ان یهلك عدوكم ویستخلفكم فی الارض فینظر كیف تعملون (شاید کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے۔ اور تم کو ملک میں جانشین بنائے پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو) +

پس معلوم ہُوا کہ یہودیوں کو ارضِ مُقدس کی بادشاہت اس وقت ملسکتی تھی جبکہ ان کے اعمال صالح ہوں۔ وہ قومیں جو گناہ اور بد اخلاقیوں میں مُبتلا ہو جاتی ہیں خُدا ان کو صفحہ ہستی سے مٹا دیتا ہے۔ اور ان کی جگہ دوسری قومیں پیدا کر دیتا ہے۔ تاکہ وہ اپنی نیکیوں سے خلق خدا

کو نفع پہنچائیں۔ اور وہ اس وقت تک زندہ رہ سکتی ہیں جب تک ان کے وجود سے نسل انسانی کو نقصان کی نسبت فائدہ زیادہ ہوتا ہے لیکن جونہی کہ وہ راہِ حق سے مُنہ موڑ کر اپنی زندگی اور کوششوں کو عیش پرستی میں مصروف کر دیتے ہیں اس وقت سے ان کی طاقت اور حکومت میں زوال آنا شروع ہو جاتا ہے۔ اور وہ خود دوسروں کے محکوم بن جاتے ہیں۔ حق اور صداقت کی فتحمندی جنگی طاقت یا زبردستی سے نہیں ہُوا کرتی۔ اسکی طاقت اور ثروت کا سارا راز اسکے اعلےٰ اخلاق اور خدمت مخلوق ہے۔ رعیّت کے معاملات اور حقوق کی حفاظت کرنا ہی ایک فاتح قوم کا فرض منصبی ہے۔ ایک نابالغ کا ولی اس واسطے مقرر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ خود اپنے معاملات اور اپنی بہتری کو ٹھیک نہیں سمجھتا۔ اور اس واسطے نہیں کہ وہ ولی اور محافظ اس کے روپے سے خود گلچھرے اُڑائیں اور اسکی جائداد کو تباہ کر دیں۔ اور ولایت اس وقت ختم ہو جانی چاہیئے جبکہ نابالغ کے حقوق کی حفاظت اور بہتری کی طرف توجہ نہ کی جاتی ہو۔ لیکن بدقسمتی سے اہلِ طاقت و حکومت اپنے فرائض کو فراموش کر دیتے ہیں۔ کامیابی اور دولتمندی کی نعمت کے آتے ہی عیش اور آرام طلبی کی لعنت بھی آموجود ہوتی ہے۔ اور اخلاق گرنے شروع ہو جاتے ہیں۔ چالاکی اور عیّاری قابلیّت اور دیانتداری پر غلبہ پانے لگتی ہے۔ اور حکومت کی مضبوطی اور طوالت کیلئے رعیّت کو بداخلاق اور کمزور کرنا بڑی اعلےٰ تدبیر سمجھی جاتی ہے۔ وہ اس رازِ ترقی کو پسِ پُشت ڈال دیتے ہیں۔ کہ حکومت دراصل ایک امتحان ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مشیتِ ایزدی میں ایک قوم کو دوسری قوموں پر حاکم بنانے کا مقصد یہی ہے کہ معلوم ہو جائے کہ لوگوں میں سب سے اعلےٰ عمل کرنے والے کون لوگ ہیں ؛

قرآن نے واقعی بقائے بہترین کا اصُول باندھا ہے۔ لیکن ان ناقص معنوں میں نہیں جن میں عام طور پر اسکو بولا جاتا ہے بلکہ قرآن کی اصطلاح میں سب سے بہتر وہ لوگ یا قومیں ہیں جن کے اعمال سب سے بہتر اور جو سب سے زیادہ خلق خدا کے محسن ہوں +

سیّد عرفان علی

خریداران رسالہ ہذا کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت کرتے وقت چٹ کا نمبر ضرور لکھا کریں + مینجر

خیالاتِ موت اور موسم سرما

تفکّر اور غور کا حکم نہ صرف ایکدفعہ بلکہ بار بار قرآن کریم میں دوہرایا گیا ہے۔ اور کیا یہ بات بالکل سچ نہیں کہ انسان جو نسیان کا پُتلا ہے اس کو ضرورت تھی کہ دُنیاوی مشاغل سے بیدار کرنے کیلئے بار بار اسکو بُلایا جائے۔ اگر ایک انسان اپنی رُوح کو دُنیاوی اُمور کے پھندوں سے نجات دلانا اور عالم بالا میں پرواز کرانا چاہتا ہے۔ تو اُسکے لئے از حد ضروری ہے کہ وہ اپنے انجام اور زندگی اُخروی پر غور و تفکّر کرے۔ لیکن افسوس کہ ہم قدرتی طور پر موت کے خیالات کو اپنے پاس تک پھٹکنے نہیں دیتے اور بخوشی تمام اپنے آپ کو ان مشاغل اور دُنیوی حظوں کے سپُرد کر دیتے ہیں جو کم از کم ایک وقت کیلئے اِسبات کی طرف ہماری توجہ مبذول نہیں ہونے دیتے جو گوشت و پوست کو ناپسند ہے اور بُری لگتی ہے۔ لیکن ایک مسلم کا نقطہ خیال نہیں یا ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ وہ موت کو ملنے کیلئے صرف فرمان کا منتظر ہے اور وہ ہرگز موت سے خائف نہیں ہوتا۔ موت سے اس قدر نڈر رہونا کچھ تو اِکتساب کی وجہ سے ہے۔ اور کچھ بوجہ مذہبی یقین کے۔ جب وہ اس دُنیوی زندگی کی بے ثباتی اور موت کے قُرب پر غور کرتا ہے۔ تو اپنے فوائد کی چیزیں یعنی اعمال حسنہ حتے الوسع جمع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک سمجھدار اور سوچنے والے دل کے لئے موسم سرما کو موت سے بہت مشابہت ہے۔ قدرت کی تمام رنگ و بُو اور دلفریبیاں جن سے موسم بہار میں وہ مُزین تھی، وہ سال کے اس حصّہ میں چھین لیگئیں ہیں۔ کھیت اور باغات بالکل بے رونق پڑے ہیں۔ درختوں کے پتّے جھڑ جانے کی وجہ سے اُن کی ساری خوبصورتی اور عظمت جاتی رہی ہے۔ اور اُن کی ٹنڈ مُنڈ ٹہنیاں مشرقی ہواؤں کے سرد جھونکوں کے آگے ایک عجیب بیکسی سے سرنگوں ہیں۔ پہاڑیوں کی گھاس سُوکھ کر زرد ہو چکی ہے۔ جنگلی خوشبودار پھولوں کا دَور دَورہ ختم ہوگیا ہے۔ اور یہ دلچسپ نظارہ ہماری اس حالت کے عین مشابہ ہے جو کہ بہار جوانی کے ڈھلنے اور عالم پیری کے آجانے کے بعد ہم پر وارد ہوتی ہے +

بہار اور موسم گرما یعنی عالم شباب کی تمام دلفریبیاں نہاں ہو جاتی ہیں ضعیفی اور کمزوری اور تفکّرات کے باعث جوانی کی خوشیاں اب لذّت نہیں دیتیں +

اور اس مشابہت کو ذرا زیادہ طویل کر کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ موسم سرما میں عین اس وقت جبکہ ہم اپنے کاروبار میں ہمہ تن مصروف ہوں۔ رات کی سیاہی بڑی آہستگی سے پھیلجاتی ہے اور ہم کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ اسی طرح موت کی سیاہی زندگی کی دھوپ پر بلا خبر غلبہ پالیتی ہے اور ممکن ہے کہ ہم مستقبل کی تدابیر ترقی اور بڑے بڑے عظیم الشان کام شروع کرنیکی تیاری کر رہے ہوں۔ اور یکایک حجاب موت وارد ہو جائے ؎

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں   سامان سو برس کے ہیں کل کی خبر نہیں

اس واسطے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان خیالات کا اختتام ایک دعا پر کیا جائے +

اے ہمارے رب ہمیں توفیق عطا فرما کہ جب ہماری موت آئے تو ہم تیری درگاہ میں قبول ہونے کے قابل ہوں اور فلاح ابدی حاصل کریں۔ آمین

سید اقبال علی شاہ از ایڈنبرگ

معاذ کو نصیحت

جب نبی کریم صلعم نے مجھے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو آپ مجھے رخصت کرنے باہر تشریف لائے درانحالیکہ میں اونٹ پر سوار تھا۔ اور آپ میرے اونٹ کے پہلو کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے آپ نے مجھے چند نصیحیں فرمائیں اور ان کو ختم کرنے کے بعد فرمایا:-

"اے معاذ تحقیق تم مجھے اس سال کے بعد نہ پاؤ گے۔ اور میں آپ کی مفارقت کے خیال سے رونے لگ گیا۔ پھر آپ بھی منہ ایک طرف کر کے رو دیئے۔ اور مدینہ کی طرف منہ کر کے فرمایا "جو متقی ہیں وہ مجھ سے سب سے زیادہ قریب ہیں خواہ وہ کوئی ہو اور کہیں ہو" +

(۲) نبی کریم صلعم ایک چٹائی پر سوئے۔ اور جب آپ اُٹھے تو اسکے نشان آپ کے جسم مبارک پر پڑ گئے تھے۔ میں نے کہا "یا رسول اللہ اگر مجھے حکم دیا ہوتا تو میں اپنا کپڑا بچھا دیتا" آپ نے فرمایا۔ مجھے دنیا (کے آراموں) سے کیا کام۔ میرا تعلق اس دنیا سے اسی قدر ہے جتنا ایک سوار کا جو ایک درخت کے سایہ تلے ٹھیرتا ہے پھر چل دیتا ہے"۔

نیّات

(۱) اعمال نیت سے جانچے جاویں گے۔

(۲) کوئی آدمی حقیقی طور پر صادق نہیں کہلا سکتا۔ جب تک کہ وہ اپنے قول فعل اور خیال میں سچا نہ ہو۔

(۳) صادق وہ ہے جو اپنے بھائی کی حفاظت اسکی غیر حاضری اور حاضری دونوں وقتوں میں کرے۔

(۴) میرے رب نے مجھے نو چیزوں کا حکم دیا ہے (۱) خدا کی عظمت ظاہری اور باطنی دونوں طریقوں سے کرنا (۲) کشائش اور تنگی دونوں وقتوں میں سچ اور ادب سے کلام کرنا (۳) دولتمندی اور مفلسی دونوں حالتوں میں میانہ روی اختیار کرنا (۴) اپنے رشتہ داروں اور نزدیکیوں کو نفع پہنچانا۔ خواہ وہ مجھے نفع پہنچائیں یا نہ (۵) خیرات اسکو دینا جو میری عظمت اور بزرگی) کا انکار کرے (۶) جو مجھے تکلیف دے اس کو معاف کرنا (۷) میرا چپ رہنا خدا کا عرفان حاصل کرنا ہے (۸) کہ جب میں کلام کروں تو خدا کی (بزرگی) بیان کروں (۹) کہ جب میں خلق خدا پر نگاہ ڈالوں تو ان کیلئے نمونہ بنوں اور خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں حلال اور جائز امور کی تلقین کروں +

پہاڑی والا وعظ

ایک عملی حقیقت

بدقسمتی سے پہاڑی والے وعظ کو دنیا کے ہر ایک طبقے نے ایک بلند مگر خیالی تعلیم تسلیم کر لیا ہے لیکن در اصل یہ ایک قابلِ عمل حقیقت ہے۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ معترضین کو قائل کرنے کے لئے اسباب پر بہت زور دیا گیا ہے کہ جناب مسیح نے جو احکام زیتون کی پہاڑی سے فرمائے وہ تو صرف ایک اعلےٰ درجہ کا تصور ہے جس کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ اور ان کو ہماری عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں خود کلیسیا کے منبروں سے یہ صدائیں آنے لگ گئی ہیں کہ وہ قابلِ عمل نہیں ہمارے زمانے کے جدید واقعات نے دُنیا کی آنکھیں کھول دی ہیں کہ تمام مذہبی اور اخلاقی اصُولوں کی قدر وہ بذات خود معلوم کر لیں +

زبانی بحثوں اور ناقابلِ عمل اصُولوں پر ایمان لانا ایّام امن میں بہ نسبت ایّام جنگ و مصائب کے زیادہ آسان ہے۔ دُنیا کی تاریخ میں ایسے نازک اوقات اکثر دفعہ خیالات کی اصلیت کو ظاہر کر دینے کا ذریعہ ہُوئے ہیں +

جب ایک ایسے دشمن سے مقابلہ آپڑے جو ظلم دُشمنی میں حد سے بڑھ جائے اور حفاظت خود اختیاری کیلئے اِنتقام اور قصاص کی ضرورت محسُوس ہو تو ایسے اوقات میں انسان کو اِن باتوں اور تدبیروں پر تعجب نہیں آتا۔ جن کا ایّام صلح و امن میں عیسائی ممالک میں دوہرایا جانا بالکل عجیب سمجھا جاتا تھا۔ لارڈ راتھرمیر صاحب وزیر محکمۂ پرواز نے گریس ان ٹمپرنس ڈنر پر ۱۴ دسمبر ۱۹۱۷ء میں ہوائی جنگ کی تدابیر کی تعریف کرتے ہوئے اپنی سپیچ کے دوران میں کہا "میرے صلاحکاروں نے مجھ سے التجا کی ہے کہ میں اپنی تدابیر پرواز کو ٹھیک ٹھیک بیان کروں بہت باتیں بتانے سے تو دشمن اور بھی دلیر ہو جاتا ہے۔ اور اپنے ہموطن آزُردہ خاطر ہوتے ہیں اِس معاملہ میں سب سے پہلا اور اہم سوال انتقام لینے کا ہے۔ محکمۂ پرواز کے سب پیرو کار بدلہ لینے کیلئے دل و جان سے تیار ہیں (چیئرز) یہ ہمارا فرضِ اولین ہے کہ ہم ضعیف عورتوں اور معصُوم بچّوں کا بدلہ لیں۔ جبکہ دشمن نے یہ ظالمانہ رویّہ اختیار کیا ہے تو ہمارے لئے بھی یہی قانون ہونا

چاہئے کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت اور ہم سے جہانتک ہو سکے گا ہم خاطر خواہ اور کامل انتقام لینے کی کوشش کرینگے (جیمبرز)"

اِس میں تو کلام ہی نہیں کہ جو کچھ وزیر صاحب محکمۂ پرواز نے فرمایا اسکو ایک قومی آواز سمجھنا چاہئے۔خود کلیسیا نے اسکی تائید کی ہے۔اور حق بھی یہی ہے۔کہ اسکی صداقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔لیکن معترضین کی تسلی کس طرح ہو۔کیونکہ اگر لارڈ راتھر میئر مع لندن اور چیمسفورڈ کے لبشپ صاحبان و دیگر عمائدین کلیسیائے مسیحی کو مذہب مسیح کے سچے اشاعت کنندگان اور واعظ سمجھا جائے۔تو انجیل کی مندرجہ ذیل آیت بالکل بمعنی ہو جاتی ہے۔اور نیز جو کچھ ایمان یہ اصحاب اس جنگ سے پہلے رکھتے تھے اسکو ان کے آجکل کے مذہب سے کوئی مطابقت نہیں۔جناب مسیح فرماتے ہیں"تم نے سُنا ہے کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت کہا جاتا ہے۔لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ بدی کا مقابلہ نہ کرو۔اور اگر جناب مسیح کا یہ قانون ایک سچا اصول ہے کہ جو کوئی تیرے دائیں گال پر طمانچہ مارے تو اسکو بائیں بھی پیش کر دے"۔تو کیا لارڈ راتھر میئر اپنے آقا و نبی کی ہتک اور مخالفت نہیں کر رہے۔جب کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اب اسبات کا مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ جو جو مظالم اور دست درازیاں ہمارے ملک کے نہ لڑنیوالے باشندوں پر روا سمجھی جائینگی اُن کا جواب تُرکی بہ تُرکی دیا جائیگا۔اور اُن کی سول آبادی سے بھی اسی طرح سلوک کیا جائیگا"۔

یہ سب مشکلات صرف اِس وجہ سے پیش آئی ہیں۔کہ جناب مسیح کو تمام دُنیا کیلئے مُصلح مانا جاتا ہے۔اور ان کے کلام و احکام کو ہر زمانے اور ہر خطۂ زمین کے موزونِ حال سمجھا جاتا ہے۔اگر مسیح کی پوزیشن ایک عالمگیر مصلح کی سمجھی جائے تو مجبوراً ہم کو کہنا پڑتا ہے کہ وہ ایک تصوّر میں مائوس کُن خواب بین تھے۔لیکن اگر ان کو ان کے حقیقی مقام پر بٹھایا جائے یعنی انکو بحیثیت ایک وقتی اصلاح کنندہ اور ایک گری ہُوئی قوم کو راہ راست پر لانے والا مانا جائے۔تو جناب مسیح کا ہر ایک لفظ اکسیر اعظم بن سکتا ہے۔اور وہ تعلیم جس کو ان کے دوست و دُشمن دونوں ناقابل عمل خیال کرتے ہیں۔وہی منبع فیوضِ کثیر ہو سکتی ہے۔انتقام اور عفو ہر ایک اپنے موقعہ پر کام دیتا ہے۔اور اخلاقی صحت و اصلاح انسانی کیلئے اِن دونوں کا وجود لابد ہے۔اور جب جناب مسیح

نے بدی کا مقابلہ نہ کرنے کی تعلیم دی۔ تو اُن کی مدنظر اور مخاطب ایک ایسی قوم تھی جن میں رحم دکھانے یا انتقام لینے کی طاقت ہی نہ تھی۔ انتقام اور سزا واقعی جرائم کو روک دیتے ہیں۔ اور معافی اور عفو سے بھی بعض اوقات بدی کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ لیکن ان دونوں صفات یعنی عفو اور انتقام پر صرف وہی لوگ عمل پیرا ہو سکتے ہیں جو صاحب طاقت اور اقتدار ہوں۔ کمزور اقوام اور نحیف الجثہ انسان جو خود دوسروں کے محکوم اور دست نگر ہوں وہ تو ان دونوں میں سے کسی پر بھی عمل نہیں کر سکتے۔ وہ نہ تو کسی پر رحم کر سکتے ہیں کیونکہ جب ان کے ماتحت ہی کوئی نہیں تو وہ رحم کس پر کرینگے۔ اور نہ ہی وہ انتقام لے سکتے ہیں۔ کیونکہ ان میں اتنی طاقت و جرات کہاں کہ اپنے افسروں سے انتقام کا خیال بھی دل میں لاسکیں۔ اور فرض محال ایسا کوئی خیال ان کے دل میں گذرے بھی تو اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ ان پر ظلم اور ستم اور زیادہ کر دیئے جائیں گے۔ اور ایسی اقوام کے لئے تو بہتر ین اصول یہی ہے کہ ظلم اور بدی کے آگے سر نہ مارے۔ اگر وہ ایک گال پر تھپڑ کھا کر دوسری پیش کر دینگے۔ تو اغلب ہے کہ ان کے فرمانرواؤں اور آقاؤں کے دل میں کوئی رحم آجائے۔ اور اگر ایک ذلیل اور مغلوب انسان لیت و لعل کرے تو اس سے حاکم کے دل میں غصہ کی آگ اور بھی بھڑک اُٹھتی ہے۔ لیکن اگر بھیگی بلی کی طرح تسلیم خم کر دے تو افسر کا دل موم ہو جاتا ہے۔ اور اغلب ہے کہ وہ اپنے ظلم کو ترک کر کے اس پر ترس کھائے۔ ذرا ایک ایسی قوم کی حالت کا نقشہ اپنے ذہن میں جماؤ۔ جس کے حاکم ان کو از حد حقیر اور ذلیل خیال کرتے ہیں۔ اور جن کے پاس اس غیر مناسب حقارت اور نفرت کا بدلہ لینے کے لئے کوئی سامان یا ذرائع نہوں۔ تو کیا ایسی قوم کیلئے جناب مسیح کے کلمات اکسیر کا کام نہ دینگے حضرت عیسیٰ ایک یہودی تھے۔ اور اپنی قوم کے سچے خادم تھے (سید القوم خادمہم) انکا کام صرف بنی اسرائیل (ابن یعقوب) کی اصلاح تھی۔ وہ اللہ کے نبی اور بڑے دور اندیش انسان تھے۔ جو جو مصائب اور تکالیف آپ کی قوم پر آنیوالے تھے ان کا ٹھیک اندازہ آپ نے لگایا۔ اور یہ نتیجہ نکالا کہ اگر یہودی قوم کے یہی چالے رہے تو عنقریب ان کی ساری قوم کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹ جاویگا۔ اور اسی وجہ سے ان کو ایک ایسی تعلیم دی جو ان کے حسب حال تھی۔ یورپ کے یہودیوں کی پرانی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُن کو ہر طرح کے عذاب اور دکھ دیتیں

دیکھیں اور کہیں بھی ان کو ترقی کا موقع ہی نہ دیا جاتا تھا۔ عیسائی فرمانرواؤں نے بھی ان پر ظلم کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا لیکن آج یہی مظلوم قوم یورپ کی گورنمنٹوں پر ایک بڑا گہرا اثر رکھتی ہے۔ اور مغربی اقوام کی مالی تدابیر کو جس طرح چاہے بدل سکتی ہے۔ اگر انہوں نے آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت والی تعلیم پر عمل کیا ہوتا تو دُنیا کی اور بہت سی قوموں کی طرح ان کا بھی آج پتہ نہ ملتا لیکن ظلم کے آگے سر جھکانے اور تعدی کی مخالفت نہ کرنے سے انہی کے ظالم حاکموں اور فرمانرداؤں کے دلوں میں ان کیلئے رحم ہمدردی اور ترس پیدا ہوگیا اور اُن کے دشمنوں ہی میں ان کے حامی اور مددگار پیدا ہو گئے۔ دُنیا کی ایک اور قوم کی تاریخ بھی بالکل اُن کے مشابہ ہے میرا مطلب ہندوستان کی قوم اہل ہنود سے ہے۔ قدیم زمانے کی شامی۔ مصری۔ ایرانی اور بے بلیونی طاقتور اور ذی شان اقوام کا پتہ سوا تاریخ کے صفحوں کے اور کہیں نہیں ملتا لیکن اہل ہنوُد نے باوجودیکہ اُن کو بڑی بڑی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا اور بڑی بڑی مصیبتیں اور مظالم جھیلنے پڑے لیکن تاہم آج تک ان کی ہستی موجود ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح یہ قوم آج تک زندہ رہی باوجودیکہ نسلاً بعد نسلاً غیر اقوام نے ان پر حملے کئے اور صدیوں تک ان کو اپنا مطیع اور محکوم رکھا ان کی زندگی اور زیست کا راز صرف یہی تھا کہ انہوں نے جور و جبر کا جواب خاموشی اور رضا سے دیا۔ ظلم کے آگے سرنگوں کیا۔ اور بلا چون و چرا ہر طرح کی سختیاں جھیلا کئے۔ جناب مسیح خدا کے ایک رسُول تھے۔ اور یہ خیال کرنا کہ انہوں نے ہم کو ایسے اصُول بتائے جو قابل عمل نہیں ہوسکتے ان کو مرتبہ مصلحت سے ایک مجنُون خواب بین کی حیثیت میں گرا تا ہے ایک معمولی اخلاقی مصلح کی بابت تو یہ خیال کیا جا سکتا ہے لیکن ایک رسُول کی بابت جو کہ خدائے علیم سے الہام پاکر لوگونکو سُنائے اسکی بابت یہ خیال کرنا کہ کس طرح جائز ہے کہ ان کی تعلیم ناقابل عمل ہوتا تو درکنار ایسی ضرر رساں ہے۔ کہ اگر اس پر عام لوگ عمل کرنا شروع کریں تو انتظام دنیا ہی میں گڑبڑ مچ جائے مسیح کو اسکے حقیقی مرتبہ پر بٹھاؤ۔ اسکو ایک خاص قوم کا مصلح مانو اس کے احکام کو خاص حالات اور اوقات کے ماتحت خیال کرو تو ان کا ہر ایک لفظ اور حکم حکمت کا خزانہ اصلاح کی کنجی اور زندگی کا اصُول ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر آپ اُسکو

بحیثیت ایک ایسے مصلح کے پیش کرینگے جس کا رُوئے سخن تمام دُنیا کی طرف ہو جس کے احکام دُنیا کے ہر طبقے اور ہر زمانے کے لئے موزون حال ہوں تو آپ اسکو ایک مایوس کُن خواب بین کے سوا اور کیا ثابت کرسکتے ہیں۔ مسیح نے جو پہاڑی پر وعظ سُنایا اس کا مقصد حقیقی اپنی قوم کو رحم کی تعلیم دینا نہ تھا بلکہ ایک ایسے رویہ زندگی کی تعلیم دینا تھا جس سے دوسروں کے دلوں میں رحم اور ترس پیدا ہو جائے اور ان کی قوم پر جو مظالم ہوتے تھے ان میں تخفیف ہو جائے +

خواجہ کمال الدین

محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) آیت اللہ

ازجناب شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹرایٹ لاء

خدا نگویمش از ترس حق مگر بخدا ۔ خدا نماست وجودش برائے عالمیان

تاریخ انسانی کے مختلف مدارج ہوئے ہیں۔ مثلاً شروع شروع کا زمانہ جاہلیت اور بعد کا زمانہ ترقی وتجلی۔ ان ہر دو وقتوں میں جہاں تک ہمارا اسم کام کرتا ہے ہمیں ایک نہ ایک شکل میں ایک معبود کا پتہ چلتا ہے۔ انسان نے کسی نہ کسی طاقت اور ہستی کے سامنے۔ جو اس سے ارفع و بالا ہے ہمیشہ سر جھکایا ہے۔ اور خوف یا شُکر گذاری دونوں میں سے ایک کی وجہ سے وہ اس کا پرستار رہا ہے۔ عبادت کا پہلا محرک وہ خوف اور بیم تھا جو معبود کی بابت پرستار کے قلب پر جاگزین ہوا۔ ہر ایک عظیم الشان اور قوی چیز کا وجود اس قسم کی عبادت گذاری کے لئے کافی تھا۔ یہی حجر۔ شجر اور نجم پرستی کا موجب ہوا جن کے مظہر مختلف دیوی دیوتا سمجھے گئے۔ اوہام پرستی کا بہترین مجموعہ شاید قوم مذہب ہنود ہے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ کائنات کے تمام عناصر مادی یا غیر مادی سب کسی نہ کسی دیوی یا دیوتا کے مظہر ہیں۔ بہر انصاف یہ کہہ دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ برخلاف زمانہ موجودہ کی عیسائیت کے جس میں صرف دیوتا کے وجود کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ اہل ہنود کی دیویاں بھی تھیں۔ موسیقی کی دیوی علیحدہ تھی۔ اور حسن ظاہری کی علیحدہ۔ کسی کا نشان آتش تھی اور کسی کا آب۔ غرضیکہ ہر چیز کے لئے ایک علیحدہ معبود مقرر تھا۔ پھر جب ہندو رشیوں نے اس کثرت پرستی کی اصلاح کی تو ان کے مذہب کی حالت بجنسہ

ایسی ہو گئی جیسی کہ آج کل عیسائیت کی ہے۔ جو تثلیث کو ایک قسم کی توحید ہی سمجھنے لگ گئے ہیں۔ اہل ہنود بھی تو یہی مانتے تھے کہ کائنات کے مختلف مظہر اور شکلیں دراصل ایک ہی معبود کی مختلف حیثیتیں ہیں جس کا نام برہم یا اوم ہے +

الغرض انسانی فہم کی ابتدائی منازل میں ہر ایک عجیب و عظیم الشان چیز ایک خدا بن گئی۔ کچھ تھوڑا ہی عرصہ گذرا ہے کہ ہندوستان میں جب سب سے پہلا انجن دیکھا گیا تو بعض جاہل اہل ہنود نے اُسے بھی کسی دیوی یا دیوتا کا قائمقام سمجھا +

خود یورپ میں ہیلی کا دُمدار ستارہ جو چند سال ہوئے فضائے فلک پر نمودار ہوا تھا کسی آنیوالی مصیبت کا پیش خیمہ سمجھا گیا۔ برخلاف اس کے ایسے اہل علم اور اہل فضل بھی گذرے ہیں جنہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ کل کائنات اپنی مجموعی حالت میں بھی کسی معبود کا مظہر نہیں۔ خوش قسمتی سے ایسے فلسفیوں کی تعداد آج بھی چنداں زیادہ نہیں جن کے نزدیک خدا یا معبود کوئی ہستی ہی نہیں۔ اور ان کا منطق فلسفہ و علم ان کے لئے کچھ نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوا۔

معبود حقیقی صرف ایک ہے

بوجہ ان مُقدس اور روشن تعلیمات توحید کے جو اسلام میں پائی جاتی ہیں تمام کے تمام علما اور فلاسفران یورپ کثرت پرستی کے اوہام سے آزاد ہوتے جاتے ہیں۔ ہندؤں کا ایک جدید فرقہ موسوم بہ برہمو سماج روز افزوں ترقی پر ہے عیسائیوں کے فرقہ یونیٹیرین کی طرح ان کا بھی یہی خیال ہے کہ معبود پرستی کیلئے توحید کا عقیدہ نہ صرف دُنیا کے بیشتر صحیح خیال طبقے کا ہے۔ بلکہ سائنس جدیدہ کی رُو سے بھی اِسی خیال کو ثبات حاصل ہے۔ باقی تمام ایسی تصوریاں جو نظام عالم کو کسی ایسی طاقت کے ماتحت ٹھیراتی ہیں جو بالا و برتر از فطرت انسانی ہو تو اگر اِس ہستی کو خدائے واحد نہ مانا جائے تو وہ سب تصوریاں غلط ثابت ہوتی ہیں خواہ اِس نظام کا نام قدرتی قضا و قدر کا عمل بروئے قوانینِ مقررہ رکھ لیجئے۔ اور خواہ یوں کہئے کہ اس نظام کے مختلف منازل ابتدا سے فطرتی طور پر وابستہ اور لاحق ہیں۔ یہ گویا دو مختلف تاویلیں ہیں جو زمانہ جدیدہ کے سائنسدان اِستقرار ہستی کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں +

مندرجہ بالا بیانات جو مل جیسے وسیع عالم کے قلم سے نکلے ہیں۔ اس امر کا کافی ثبوت ہیں

کہ سائنس اور فلسفہ دان بھی کسی نہ کسی رنگ میں خدائے واحد کی ہستی کو تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک انکار توحید صد درجہ مشکل ہے حکیم بکلے کا قول ہے کہ ثبوت توحید واقعی مشکل ہے لیکن انکار توحید اس سے بھی مشکل تر ہے۔ ان کی ساری بحثوں اور تنقیحوں کا لُب لباب یہ ہے۔ کہ پروردگار کی ہستی کے ثبوت میں کسی آیت اللہ کا وجود چاہتے ہیں۔

طلب آیت

ایسے لوگ جن کی طبیعت مذہب سے بہت غیر مانوس واقع ہوئی ہے۔ یا ایسے لوگ جنہیں مذہبی اذکار و مشاغل سے کچھ لگاؤ نہیں وہ بعض دفعہ یہ کہتے ہیں کہ خدا کو اپنا وجود منوانا منظور تھا تو کیوں اُس نے کوئی ایسی بیّن وظاہر علامت اپنی ہستی کی پیدا نہ کر دی جس کے مشاہدے سے دہریہ متشکک بھی قائل ہو جاتا۔ اس دلیل کے خلاف کہ کائنات کا وجود خدا کی ہستی اسکی محبت اسکی عظمت کا ثبوت ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ بقائے عالم کے موجب ذرات (Atoms) اور برقی جوہرات (Electrons) ہیں ان کا خیال ہے کہ کائنات کے قیام میں اقتضائے اولے کا حصہ ہی نہیں۔ کیونکہ وہ چیز جو ازلی ہے کسی اقتضائے اولے کی محتاج نہیں۔ اور جہانتک انسانی تجربہ کام دیتا ہے۔ مادہ اور طاقت کی ابتدا کا پتہ مطلق نہیں چلتا۔ لیکن قوتِ حسِ قلبی کے متعلق یہ عذر نہیں کیا جا سکتا۔

یہ دلیل کہ جمہورِ عالم ہستی باریتعالیٰ کے قائل ہیں ایک صائب الرائے کے اطمینان کا موجب نہیں ہو سکتی اُسے کیا ضرورت ہے کہ ناحق دوسروں کی تقلید کرے۔ اسیطرح بیجان مادہ میں احساس و عقل کا پیدا ہو جانا مسٹر مِل کے نزدیک کوئی وزنی یا منطقی دلیل نہیں۔ ہاں کائنات میں اور اس کے نظام میں جو ایک ارادہ اور یکجہتی نظر آتی ہے۔ اور جس کو خدا پرستوں نے وجود باریتعالیٰ کیلئے بطور ایک قوی اور لاجواب دلیل پیش کیا ہے۔ وہ مل کے نزدیک تو وزن رکھتی ہے لیکن مل کے بعد کی نسل کے ماہرین علوم جدیدہ نے اِس سے انکار کر دیا ہے۔ ان کے پاس وہی دلائل ہیں جو سب سے اوّل ڈارون نے وضع کئے مثلاً بقاے بہترین یا تاثرات مورثیہ ان تصویروں کے ماتحت اشرف المخلوقات یعنی انسان ایک نامعلوم اتفاقات کے ماتحت ایک ذرّہ کی حالت سے ترقی کرتا کرتا بن مانس اور بندر بن گیا ہے۔ اور انھوں نے ان اتفاقا

اور قوانین کی تشخیص کرکے اس کا نام "بقائے بہترین" یا "انتخاب قدرت" ہے۔ اور پھر اس بن بائنس اور بندر نے ڈارون اور ہیکل کی شکل اختیار کرلی۔ لیکن یہ خیالات کسی ذی فہم انسان کے لئے کیسے تسلی بخش ہو سکتے ہیں۔ ان حکما و فلاسفروں کے دلائل بالکل قاطع نہیں۔ آج تک کوئی حکیم یا فلاسفر یا منطقی ایسا نہیں گذرا جو خدا کا کوئی ایسا قائم مقام پیدا کر سکا ہو جو ایک دہریہ کو بھی تسکین دے سکے۔ اور یہی دہریت کے تنزل کی ایک زبردست وجہ ہے محض دہریت آج بھی ایک مضحکہ انگیز خیال ہو گیا ہے۔ اور ایک مسلم دہریہ پر اسی کے ہمخیال ہنستے اور مضحکہ اڑاتے ہیں۔ عموماً آج کل کے دہریہ اپنے آپ کو "معقول پرست" کے نام سے پکارتے ہیں اور یہ معقول پرستی یا ریشنلزم کوئی نئی بات نہیں۔ اور دراصل اس کا وجود ہی دہریت کے ضعف پر شاہد ہے۔ اور خدا پرستی سے صرف ایک ہی منزل دور ہے +

ہاں صحیفۂ فطرت میں سے خدا کی ہستی کے دلائل ایک معقول پرست ریشنلسٹ کی کورگی کو ایسی بینائی نہیں دے سکتے۔ کہ وہ خدا کو دیکھنے لگ جائے۔ یہ گروہ تو خدا کی ہستی کا ایسا ثبوت چاہتا ہے جیسے ۲ + ۳ = ۵ ہے۔ لیکن یہ لوگ اس امر کو بالکل فراموش کر دیتے ہیں کہ دو اور تین کا حاصل جمع پانچ صرف اس حالت میں ہوتا ہے۔ جب ہم عدد ۲ اور ۳ کو ایک خاص مقدار یا اعداد تسلیم کر لیں +

اقلیدس نے ایک نہایت باقاعدہ اور بااصول علم قائم کیا ہے لیکن اس سارے علم کی بنیاد نقطہ و خط کی ایسی تعریفوں پر ہے جن کا تشکل ناممکن ہے۔ اور اگر محض اس بنا پر کہ یہ دو تعریفیں غیر واضح ہیں نقطہ و خط کو رد کر دیا جائے۔ تو سارے کا سارا علم خاک میں ملجاتا ہے

علم اللہ بروے آیت اللہ

یہ تو کسی کی طاقت میں نہیں کہ منکر الوہیت کو انگلی سے پکڑ کر پروردگار کی بارگاہ میں لیجا کر کھڑا کر دے۔ تاکہ وہ عین مشاہدہ کرکے ہستی باریتعالی کا قائل ہو جائے۔ انسانی وجود محدود ہے۔ اور وہ مادی ہے۔ انسانی روح کو بھی وہ اوج لطافت اور کلی غیر مادیت حاصل نہیں جو اس منبع روحانیت کو ہے۔ جو حاضر۔ ناظر۔ عالم و قادر ازلی اور ابدی ہے محض دلائل سے تصدیق الوہیت ممکن نہیں۔ کیونکہ انسان کی طرح اسکی تقریر اور گفتار بھی محدود طریقہ سے اسکے

خیالات کو ظاہر کر سکتی ہے بلکہ بعض حالتوں میں اسکی تقریر کا نتیجہ بالکل غیر اطمینان دہ ہوتا ہے۔ پروردگار بالکل یکتا اور بیمثال ہے اس کا کوئی ثانی نہیں خدائی طاقتوں کی تمثیل دینا بالکل ناممکن ہے۔ بیزنود کرنا رانسان اپنی بعض رُوحانی حالتوں کا بھی مثلاً حیات بعد الموت کا کوئی شافی وکافی بیان ادا نہیں کر سکتا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کہ ایک واقعہ بالکل ٹھیک اور سچا ہے۔ لیکن قانونی بحث میں وہ پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچایا جا سکتا۔ قابل وکلائے بار محض اپنی خوبیٔ بحث کے زور پر ایسے کئی خیالی واقعات کو اپنے دلائل میں شامل کر لیا ہے جن کا وجود بھی نہ تھا۔ مولا رومی بالکل صحیح فرماتے ہیں ؎

پائے استدلالیاں چوبیں بُود پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

البتہ بعض وجدانی اور رُوحانی ذرائع ضرور ایسے ہیں جن کی رُو سے انسان خدا کی ہستی کا بہ نسبت اپنی ہستی کے زیادہ قائل ہو سکتا ہے اس حالت میں گویا وہ خدا کو دیکھتا ہے سُنتا بھی ہے۔ اس کا قلبِ عشقِ آلہی سے کچھ ایسا معمور ہو جاتا ہے۔ کہ اس میں کسی اور توجہ یا شغف کی تاب ہی نہیں رہتی۔ حضرت علیؓ کا قول ہے۔ کہ اگر وہ حجاب ظاہری جو خدا اور اس کے درمیان حائل ہے ہٹا بھی دیا جائے تو اُس کا ایمان کچھ زیادہ نہ بڑھیگا۔ کیونکہ جو ایمان اور حسنِ عقیدت اُسے پہلے تھا وہ کچھ کم نہ تھا۔ لیکن یہ رُوحانی تسکین ہر ایک کا حصہ نہیں۔ اور نہ ہی یہ غیر معمولی حُسن عقیدگی عام طور پر قابل تقلید ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس کا اطلاق عام پر نہیں ہو سکتا

معجزات اور خوارق کافی بیّنات نہیں

زمانۂ اولے میں جب کبھی کوئی رسُول یا پیغمبر خدا کی طرف سے آتا تو اپنی بعثت کے ثبوت میں چند معجزات لایا کرتا تھا۔ لیکن ان معجزات کا اثر چنداں دیر پا یا وسیع نہ ہوتا تھا علاوہ ازیں یہ معجزات اس پیغمبر کی پیغمبری کا ثبوت تو ہو سکتے تھے لیکن خدا کے وجود کی دلیل پھر بھی نہ تھے۔ اگر کائنات کی بوالعجبیاں ایک متشکک کے اطمینان کا موجب نہیں ہو سکتیں تو پھر معجزات اس پر کیا اثر کر سکتے ہیں۔ جن کی تہ میں نامعلوم قانون کام کر رہا ہے۔ خود انسان ہی کو لیجئے کیا اس کا نظام جسم کچھ کم حیرت انگیز ہے ہر ایک انسان کے خط وخال مختلف ہیں۔ کیا یہ بذاتِ خود ایک معجزہ نہیں۔ اور انسانی خیالات وجذبات سے بڑھ کر اور کیا حیرت افزا بات ہو سکتی ہے۔ اگر

ادراک انسانی خدا کی ہستی کا کسی کو قائل نہیں کر سکتا۔ تو معلوم نہیں ہوتا کہ معجزات اور خوارق کس طرح کر سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں کسی ہادی یا نبی کے معجزات صرف اُس کے اپنے زمانے اور قوم کیلئے باعث ہدایت ہو سکتے ہیں۔ یا خود اسکی اپنی فضیلت کا نشان کہے جا سکتے ہیں۔ اور وہ بھی ایک حد تک۔ حضرت مسیح کی بابت یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے بڑے بڑے معجزات دکھائے لیکن اُن کا حاصل کیا ہُوا کوئی قابلِ تحسین نتائج اُن سے اخذ نہ ہُوئے۔ اور بجائے اسکے کہ اس زمانے کے لوگ اُن معجزات کو دیکھ کر خدا کی ہستی پر ایمان لے آتے۔ وہ خود اعجاز کنندہ سے مُنحرف ہو گئے۔ اس پر طرّہ یہ کہ وہ لوگ جو خدا کی وحدانیّت کے پہلے سے قائل تھے (یعنی یہودی) وہی خاص طور پر حضرت عیسیٰ کے مخالفین میں سے تھے۔ اُنہوں نے اسکی کرامات کی کوئی پرواہ کی بلکہ حضرت عیسیٰ کی سخت تکلیف اور تذلیل کا باعث ہوئے۔ حتّےٰ کہ اُن کو سُولی پر لٹکا دیا۔ جنابِ مسیح جو مُردوں کو جلاتے تھے اپنے آپ کو سُولی کے عذاب سے بچا نہ سکے۔ اور از رُوئے انجیل ایلی ایلی لما سبقتنی کہتے ہُوئے رُخصت ہوئے +

اگر پروردگار کو معجزات ہی کے ذرائع سے اپنا وجود منوانا منظور ہوتا تو وہ ہر ایک زمانہ میں ایک خاص نمائندے کو ابدی زندگی عطا کر کے بھیجتا رہتا۔ تا کہ وہ لوگوں کیلئے خدا کی ہستی اور اسکی قُدرت کا ایک زندہ ثبوت ہوتا لیکن یہ امر اقتضائے ایزدی نہیں۔ خود حضرت مسیح جن کی نسبت یہ خیال کیا جاتا ہے۔ کہ وہ حالتِ موت سے لوٹ کر حیات میں آئے۔ وہ بھی کسی عالمِ رُوحانی میں پنہاں ہیں کیوں نہ اسی زمین پر رہے تا کہ آج ہمارے لئے جو ان سے دو ہزار سال بعد ہُوئے ہیں باعث ہدایت ہوتے۔ خصوصاً آج کل اُن کا وجود ایک بہت ہی مشکوک امر ہو گیا ہے۔ اور فضلا کا ایک گروہ اُن کی ہستی سے بالکل انکاری ہے معجزات کے غیر ضروری ہونے کا ایک اور باعث یہ بھی ہے کہ انسانی فہم اور اِدراک بھی تو آخر کوئی چیز ہے۔ بلکہ یہ تو خدا کی بہترین داد ہے۔ جو انسان کے حصّہ میں آئی ہے کیوں خدا نے ایسے نشان نہ بھیجے جو عقلِ انسان میں آسکے۔ کیوں کوئی جیتا جاگتا۔ بولتا چلتا پھرتا نشان نہ بھیجا جو اپنی زندگی میں اپنے اعمال اپنے افعال و اقوال سے نہ صرف خدا کے وجود کا مظہر بنے۔ بلکہ اسکی عظمت اور محبّت کا سکّہ بھی لوگوں کے دلوں پر بٹھا دے۔ اور یہ ثابت کر دے کہ ایمان باللہ

محض رُوحانی فلاح کا باعث ہی نہیں بلکہ دُنیاوی اور مادی ترقی کی راہ دکھانے والا بھی ہے۔ وہ دن گئے جب ایک زلزلہ ایک شہاب یا ثاقب یا اُن سے بھی گئی گذری چیز مثلاً کوئی عجیب الخلقت پرندہ یا دو سر والی گائے وغیرہ کو نشانِ ربّی سمجھ لیا جاتا۔ اُس کے بعد وہ لوگ آئے جو معجزات کو آیت اللہ مانتے تھے اور آج کل تو معجزات کا بھی کوئی اثر نہیں رہا۔ زمانہ سابقہ کے بہت سے خوارق آج کل معمولی لوگ کر سکتے ہیں۔ حضرت سلیمان کا معجزہ یہ مانا گیا ہے۔ کہ وہ ایک تخت پر بیٹھ اُڑتے پھرتے تھے۔ کیا آجکل کے ہوائی جہاز اور زیپلن کچھ کم ہیں۔ تار برقی ٹیلیفون گراموفون عجیب عجیب قسم کی زُود اثر کیمیاوی مرکبات وغیرہ ایسی باتیں ہیں جو آج سے ایک نسل پہلے بہت عجیب معجزے مانے جا سکتے تھے +

بہت عرصہ نہیں ہوا کہ زنجبار میں ایک ایسی مچھلی پکڑی گئی ہے جس کی پُشت پر الفاظ "نشان اللہ" صاف طور پر پڑھے جا سکتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی انسان مہرِ تاباں کی ضو میں نُورِ خدا نہ دیکھ سکے تو بھلا ایک بچاری مچھلی کا "نشان اللہ" کیا کر سکتا ہے ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اور بفرضِ محال اگر ہم محض معجزات کی بنا پر کسی ایسی برتر و بزرگ ہستی کو تسلیم بھی کر لیں جس کے قبضۂ قدرت میں خوارق ہوں تو اِس حُسنِ عقیدت سے ہماری زندگی میں کونسا تغیر واقع ہوگا۔ اور خدا کو اس سے کونسا فائدہ ہوگا۔ اگر اس کا اپنا ایک بنایا ہوا انسان اُس کے وجود کو تسلیم کر لیگا۔ خدا ہمارے ایمان یا کُفر سے غنی ہے۔ اگر اسکی ذات واقعی بلند اور ارفع اور غنی حمید ہے تو ہماری عبادت اور ہماری قربانیوں کی اُس کو کچھ حاجت نہیں۔ اور خدا جو یہ چاہتا ہے کہ ہم مومن بنیں اور ہمارے ایمان کی تقویت کے لئے نشان بھی بھیجتا ہے تو یہ اسلئے کہ اسمیں ہمارا ہی فائدہ ہے ہم ہی کمال عروج اور ترقی کو حاصل کرتے ہیں۔ اگر ہم ایک کل کسی خاص غرض کیلئے بنائیں تو تاوقتیکہ اس کا جائز استعمال نہ ہو ہم کو چین نہیں آ سکتا۔ پروردگار اپنے نشانات اس واسطے بھیجتا ہے تاکہ ہم اس مقصد کو حاصل کرنے کے قابل ہوں جس کیلئے ہم پیدا کئے گئے ہیں تاکہ ہم اپنے جذبات اور قوے کا جائز استعمال کر کے ان سے مستفید ہوں معجزات ہم کو اُس منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتے جس کے لئے ہم پیدا کیے گئے

ہیں۔ اِنسان ہی انسان کو سمجھ سکتا ہے۔ اور وہی اس کا بہترین رہنما بن سکتا ہے +

صرف اِنسان ہی آیت اللہ بن سکتا ہے

اِس ساری بحث کے بعد ہم اِس نتیجے پر پہنچتے ہیں۔ کہ اگر منشائے الٰہی میں کسی ایسے عالمگیر۔ پائدار۔ اطمینان دہ اور ہادی نشان کو بھیجنا منظور تھا جو اسکی رحمت اور جبروت کا سکہ ہمیشہ کیلئے لوگوں کے دلوں میں بٹھادے۔ تو وہ نشان سوائے انسان کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ایک انسان کی زندگی کو اسکے ہمجنس خوب سمجھ سکتے ہیں۔ ایک انسان ہی اپنے اعمال و افعال سے دوسرے انسانوں پر خدا کی ان صفات کو ظاہر کر سکتا ہے۔ جن کا تعلق و اثر انسان پر بہت ہے صرف ایک انسان ہی کی قدرت میں ہے۔ کہ وہ اپنے وجود سے اسبات کو ثابت کر دے کہ ان بینظیر طاقتوں اور استعدادوں کے ذریعہ سے جو خالق اکبر نے اسمیں ودیعت کی ہیں وہ اپنے درجہ کو اِس قدر بڑھا سکتا ہے کہ نیابتِ الٰہی کا رُتبہ حاصل کرے۔ اور یہ کہ پروردگار نے انسان کی ضروریات کی ہر ایک چیز اِس دُنیا میں مُہیّا کر دی ہے جو مفرد ہ اور مناسب ذرائع پر عمل کرنے سے باعثِ نفع عظیم ہو سکتی ہے۔ اور یہ کہ اعمال میں ہم کو اس کے نقشِ قدم پر چلنا چاہئیے جس کو خدا نے اپنا نشان بنا کر بھیجا۔ خدا کے اوتار اسکے بیٹے اور اُس کی بیٹیاں کبھی بھی آیات من اللہ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ یہ تو خدا کی شان اور عظمت کو کم کرتے ہیں۔ اور بجائے لوگوں کو خدا کی طرف رجوع کرانے کے دُوری اور شرک کا باعث ہو جاتے ہیں نیز اس امر کی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ پروردگار کو کونسی ایسی ضرورت تھی۔ کہ وہ اس قسم کے نشان بھیجتا جن سے اس کی اپنی شان پر حرف آتا۔ یا انسان کی شکل اختیار کرتا۔ یا بیٹے اور بیٹیوں کا باپ بنتا اور اگر اسے واقعی اپنی صداقت اور طاقت کا اظہار کرنا منظور تھا تو بجائے اپنی شان کے منافی فعل کرنے کے اُسنے کیوں نہ کسی انسان کو ایسے جسمانی اور رُوحانی کمالات عطا کر دیئے جن سے وہ آیت اللہ ہو جاتا۔

آیت اللہ کی ضروری صفات

اِنسانوں میں بھی صرف وہی انسان آیت اللہ ہو سکتا ہے۔ جو سب انسانوں سے بالا اور ارفع ہو + آیت اللہ بننے کیلئے مندرجہ ذیل صفات کا ہونا لازمی معلوم ہوتا ہے +

(۱) جو انسان آیت اللہ ہو کر آیا ہو وہ اس امر کا اعلان کرے کہ وہ تمام عالم کیلئے اللہ کے وجود

اسکی رحمت اسکی قدرت کو منوانے اور تسلیم کرانے آیا ہے +

(۲) اسکی زندگی کوئی پُر اسرار پہلو اپنے اندر نہ لئے ہوئے ہو۔ اور وہ اپنے بھائیوں کے .... غلط خیالات اُن کے ذہن نشین نہ کرائے بلکہ ان کی عقل اور فراست کو اپیل کرے اور اپنی زندگی ہی میں اپنے عملی نمونہ کے ذریعہ سے لوگوں کو خدا پرست بنانے میں کامیاب ہو جائے +

(۳) اپنی قابلیت اور استعداد سے اپنے آپ کو سب سے بالا اور برتر ثابت کر دے اور دوسروں کے لئے ایک اعلےٰ نمونہ بنے۔ اور آنے والی نسلوں کیلئے ایک ایسی پائدار ہدایت چھوڑے جو مبّرا از نقائص ہو اور ساری دُنیا کے لئے صاف رہبری ہو +

(۴) وہ اس امر کو عملی طور پر واضح کر دے۔ کہ خدا پر ایمان لانے سے اور اس کے احکام پر عمل کرنے سے انسان نہ صرف روحانی تربیت حاصلکر سکتا بلکہ ہر قسم کے جسمانی دماغی اور اخلاقی مفاد بھی حاصل کر سکتا ہے۔ اور اس کا وجود نہ صرف اپنے لئے بلکہ اس کی قوم اس کے ملک بلکہ ساری دُنیا کیلئے موجب برکت ہو سکتا ہے +

چار عظیم الشان انسان

دُنیا میں چار ہی ایسے عظیم الشان انسان گذرے ہیں جن کی زندگی نے دُنیا میں بہت حد تک ایک تبدیلی اور اثر پیدا کر دیا۔ مہاتما بدھ حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور جناب سرور کائنات محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وسلم +

مہاتما بُدھ بلاشُبہ ایک حیرت انگیز انسان تھا۔ اس نے زندگی کے اعلےٰ ترین مدارج حاصل کیئے۔ نروان یعنی وصال اور عرفان تک پہنچ گیا۔ اسکی تعلیمات نہایت اعلیٰ پایہ کی تھیں۔ اور ایک رنگ میں تو وہ حضرت عیسیٰ سے بھی گوئے سبقت لیگیا تھا یعنی جناب مسیح نے صرف اخلاقی اصُول دُنیا کو بتائے اور مہاتما بُدھ نے ان پر عمل بھی کر کے دکھایا۔ اس نے اپنی سلطنت دولت خویش واقارب ان سب کو خیرباد کہا تاکہ اپنی ذات کو ارفع کرے۔ یہ ایک نہایت زبردست

اور قابل قدر ایثار تھا۔ اس نے بلاشک وشبہ اپنے لئے اعلےٰ مدارج ڈھونڈے اور اُن کو پالیا لیکن وہ تمام دُنیا کے لئے ایک عام نمونہ نہیں ہوسکتا۔ اگر تمام کے تمام انسان اسکی پیروی کرنے لگجائیں تو انسانوں کا وجود ہی صفحۂ ہستی سے مٹ جائیگا۔ اگر بُدھ کی رُہبانیت اور تجرد کی زندگی کو جس کے بغیر وہ بھی اپنے مقصد کو نہ پاسکا ہم آج اپنا اصول قرار دے لیں تو چند ہی دنوں میں دنیا کا خاتمہ ہوجائے۔ نروان تو ملے یا نہ ملے۔ مگر اس دُنیا سے ضرور ہاتھ دھو بیٹھیں۔ انسان کا فرض ہے کہ وہ اس دنیا کو بھی بہتر بنائے اور خود بھی بہتر ہونے کی کوشش کرے اگر ہم سب بُدھ کی طرح نروان کی منزل مقصود پر پہنچ جائیں تو اس دُنیا کی بہترین چیز کا وجود معدوم ہوجائیگا۔ یقیناً خدا کی یہ منشا نہ تھی۔ اور ان وجوہات کے ماتحت بُدھ خدا کا کامل نشان نہیں ہوسکتا +

حضرت موسیٰ واقعی ایک بہتر نشان تھے۔ اور انہوں نے ایک خُدا کی پرستش لوگوں کو سکھائی۔ انہوں نے اپنے بندوں کی راہنمائی کیلئے قوانین بنائے۔ اور انہوں نے عملاً اِسبات کا ثبوت دیا کہ خدا کی پرستش کرکے انسان اپنی منزل حقیقی تک پہنچ سکتا ہے لیکن حضرت موسیٰ کی تبلیغ کا دائرہ بہت ہی محدود تھا۔ وہ صرف ایک ہی قوم کا پیغمبر بن کر آئے تھے۔ اور صرف اسی قوم کیلئے آیت اللہ تھے۔ اُن کی تعلیم عالمگیر نہ تھی اور انکی تبلیغ کا اثر بہت محدود اور تنگ تھا۔ اور اپنے اندر دُنیاوی رنگ بہت کثرت سے رکھتا تھا۔ اور دُنیا کے عظیم الشان انسانوں میں سے اگر کسی انسان کو نیابت الٰہی کا بہت ہی کم حصہ ملا تو وہ جناب مسیح تھے۔ حضرت عیسیٰ ایک حلیم الطبع بُردبار خداترس اور خدا انسانوں کو محبت کرنیوالے انسان تھے لیکن وہ لوگوں کے دلوں پر خدا کی عظمت اور جلال کا رُعب ہرگز پیدا نہیں کرسکتے۔ حضرت عیسیٰ ایک ایسے خدا کا مظہر نہیں ہوسکتے جو قادر مطلق ہے جو احکم الحاکمین ہے خالق و آفریندہ روزگار ہے اور رب العلمین ہے۔ ایک ایسا انسان جس پر دشمنوں نے پُورے طور پر غلبہ پایا ہو جس کو اپنی تعلیم ادھوری اور نامکمل چھوڑنی پڑی ہو۔ جس نے اپنے آخری لمحوں میں یہ خیال کیا کہ خدا نے اس کو فراموش کردیا ہے۔ وہ جس کی بیکسی اور بےبسی پر لوگوں نے ہنسی اُڑائی اور مضحکہ اُڑانے کیلئے اسکے سر پر کانٹوں کا تاج رکھا۔ جس کا سر دشمنوں کے آگے سرنگوں ہُوا جس کی پسلی میں برچھا مارا گیا جس کے ہاتھوں میں میخیں گاڑی

گئیں۔ ایسا انسان کس طرح ایک کامل آیت اللہ ہو سکتا ہے* +

باوجودیکہ حضرت موسیٰ کے جلال اور ظفر کا زمانہ بہت مختصر اور قلیل تھا۔ تاہم اُن کو فتحمندی کی ایک جھلک تو ضرور دکھائی گئی۔ اُنہوں نے اپنے اعدا کا مقابلہ کیا۔ آپ کے دشمن ہلاک ہوئے اور اُنہوں نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو غلامی اور قید سے نجات دلوائی۔ جناب مسیحؑ سے تو اتنا بھی نہ ہؤا کہ اس قوم کی کھوئی ہوئی عظمت اور بادشاہت جس کی طرف آپ مبعوث ہوئے تھے واپس دلادیں +

الغرض جناب مسیحؑ کی تبلیغ اور تعلیم حضرت موسیٰؑ سے بھی کم نتیجہ خیز تھی۔ آپ نے ان احکام کا وعظ فرمایا۔ جن پر خود عمل نہ کیا۔ یا یُوں کہیئے کہ جن پر وہ عمل نہ کر سکتے تھے۔ بذاتِ خود تو وہ یہودیوں کو بھی اپنی انجیل سے قائل نہ کر سکے۔ اور کہا یہ جاتا ہے۔ کہ جب وہ آسمان پر جا رہے تھے تو اپنے حواریوں کو یہ وصیت کی کہ میری تعلیم کو دوسری قوموں تک پہنچانا۔ ان کے اپنے قول کے مطابق ان کا مشن ایک بہت محدود خطے کے لئے تھا فرمایا۔

"مَیں تو صرف بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کیلئے بھیجا گیا ہوں" (متی باب ۱۵ آیت ۲۴)

ہمیں اس بات کا علم تو نہیں کہ آیا جناب مسیح ان گمشدہ بھیڑوں کو راہِ راست پر لا سکے یا نہ لیکن یہ بات تو یقینی طور پر مُسلم ہے کہ بنی اسرائیل کی ان بھیڑوں نے جن کو گم شدہ کہا جاتا تھا اپنے گڈریئے کو قابلِ دار سمجھا۔ اور اپنی زندگی میں آپ کسی قوم کو عظمت کی معراج پر نہ پہنچا سکے آیت اللہ بھیجنے سے پروردگار کی جو غرض و غایت ہے وہ بالکل مفقود ہو جاتی ہے اگر انسانوں کیلئے ایسا کوئی موقع رہجائے جس سے وہ اس آیت کو اپنے سے بالا خیال کرنے لگیں۔ جیسا کہ بعض نے مسیح کو خدا یا خدا کا بیٹا مانا۔ اسرار کی وہ گھٹا جو حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش موت اور زندگی کے حالات پر چھائی ہُوئی ہے وہ بذاتِ خود ایک بیّن دلیل ہے کہ وہ کامل آیت اللہ نہ تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی یا تعلیم کا کوئی معتبر اور قابلِ اعتماد بیان نہیں چھوڑا۔ ممکن ہے کہ آج سے دو ہزار سال پہلے بعض لوگوں نے آپکے معجزات دیکھ کر خدا کی ہستی اور اسکی رحمت کا اقرار کیا ہو۔ لیکن آج کل کے زمانہ میں یہ باتیں کسی کیلئے باعثِ تسکین نہیں ہو سکتیں۔ جب ہم محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات پر نگاہ ڈالتے ہیں۔ تو ہم کو بے اختیار ماننا

*یہ سب ہتک آمیز واقعات انجیل ہی نے جناب مسیح کی طرف منسوب کئے۔ قرآن شریف نے تو انکو ایک اعلیٰ مرتبہ عطا فرمایا ہے۔ ادیر

پڑتا ہے۔ کہ آپ نے اپنے وجود اور اپنے افعال سے ثابت کر دیا کہ کامل آیت اللہ کی ساری ضروری صفات آپ کے وجود باہر کات میں تھیں۔ اگر انسان اشرف المخلوقات ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اشرف الناس ہیں۔ آپ ایک کامل اور عظیم الشان انسان تھے۔ اور اگر کسی انسان ہی نے آیت اللہ بننا ہے تو آپ سے بڑھ کر اس کا کوئی حقدار نہیں۔ وہاں تمام صفات حمیدہ اور اوصاف جمیلہ کے کامل مظہر تھے جو گذشتہ انبیاؑ و بزرگان میں ظلی طور پہ پائی جاتی تھیں۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

تاریخ میں محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم جیسا عظیم الشان انسان ملنا دشوار ہے۔ *حیثیت ایک نبی اللہ۔ صلاح کنندہ۔ بادشاہ۔ مشیر۔ مقنن۔ حاکم۔ دوست۔ خاوند۔ والد۔ سپاہی زاہد۔ سالک۔ بیکس۔ یتیم۔ ایک شہزور انسان اور ایک صوفی جس پہلو سے دیکھئے۔ آپ دنیا جہان کے لوگوں سے برتر اور لاثانی نظر آتے ہیں۔ آپ سے بڑھ کر کسی اور انسان کے واقعات زندگی پر اس قدر باریک نقطہ چینی نہیں ہوئی۔ اور باوجود اسکے کہ آپ کے ہر ایک پرائیویٹ معاملہ کو طشت از بام کیا گیا۔ اور اس پر بحث کی گئی۔ لیکن پھر بھی متعصب سے متعصب دشمن بھی آپ کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکا۔ کیا عجیب بات ہے کہ ایسے انسانوں کو جن میں ہرگز نبی کریم جیسے صفات عالی نہ تھے۔ بلکہ جن کی زندگی اور حالات پوشیدہ اسراروں سے پُر ہیں ان کو خدا اور معبود ٹھیرایا جاتا ہے۔ اور برخلاف اسکے محمد صلے اللہ علیہ وسلم جیسے عظیم الشان انسان کو جس میں واقعی ایسی طاقتیں تھیں جو بشری استعداد سے بالا ہیں۔ اور جسمیں وہ صفات پائی جاتیں تھیں جن کو عموماً خدا کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ بموجب اسکی اپنی خواہش و حکم کے مرتبہ انسانی سے ذرا بھی بڑھایا نہیں گیا۔ اور آپ کے معتقدین بھی باوجودیکہ وہ اپنے جان و مال سے بڑھ کر آپ کو چاہتے تھے ہرگز آپ کو رتبہ الوہیت نہیں دیتے۔ اگر کوئی انسان قابل پرستش ہو سکتا ہے تو وہ نبی کریم ہیں۔ لیکن آپ نے خود بڑے کھلے الفاظ میں فرمایا۔ انما انا بشر مثلکم۔ میں تو تمہارے جیسا ایک انسان ہوں۔ مسلمان آپ کے ان الفاظ کی اس طرح قدر اور فرمانبرداری کرتے ہیں۔ جس طرح آپ کے دیگر احکام کی +

* لمعات انوار محمدیہ میں آپکو مختلف حیثیتوں میں پیش کیا گیا ہے۔ قیمت ۲ر از دفتر ہذا

آپ اس شہاب کی مانند نہ تھے جو ایک وقتی جھلک دکھا کر آسمان کو منور کرتا ہے۔ اور پھر نگاہوں سے نہاں ہو جاتا ہے۔ آپ تو اس مہر تاباں کی طرح جلوہ گر ہیں جو گذشتہ تیرہ سو سال سے برابر دن رات چمکتا رہا ہے اور اسی طرح چمکتا رہیگا جتنے کہ یہ سورج جس کو ہم اپنے اوپر چمکتے دیکھتے ہیں۔ یہ بھی تاریک ہو جائیگا لیکن آپ کی ضوا اور تجلّی تا ابد قائم رہیگی +

نبی کریم کا تبلیغ کرنا

پیشتر اس کے کہ آپ کو منصب نبوّت عطا ہو آپ نے چالیس سال اس دنیاوی زندگی میں کاٹے تھے۔ اور اس کے بعد آپ کو آیت اللہ بننے کا منصب جلیل تفویض ہوا تاکہ آپ خدا کی عظمت اور شوکت اور انسانوں کی بھلائی سے لوگوں کو آگاہ کریں۔ پہلی وحی جو آپ پر نازل ہوئی۔ اور جس کا ٹھیک مفہوم سمجھ لینا کوئی آسان بات نہیں بڑی قابل توجہ ہے اور وہ یہ ہے:۔

اقرأ باسم ربّك الذی خلق ۞ خلق الانسان من علق ۞ اقرأ وربّك الاکرم الذی علّم بالقلم ۞ علّم الانسان مالم یعلم ۞ (سورۃ العلق) (ترجمہ۔ اپنے پروردگار کے نام سے پڑھ جس نے (مخلوقات کو) پیدا کیا۔ جس نے آدمی کو گوشت کے لوتھڑے سے بنایا پڑھ تیرا پروردگار بڑا کریم ہے۔ جس نے (آدمی کو) قلم کے ذریعے علم سکھایا۔ اور وہ باتیں سکھائیں جو اسکو معلوم نہ تھیں) +

یہ پہلا سبق تھا جو ایک ایسے اُمّی کو دیا گیا جس نے ۴۰ سال ایک ایسے زمانہ جاہلیت میں گذارے تھے۔ جس وقت قلم کا استعمال اور علم انسان کی توسیع کا وہم و گمان بھی گذر نہ سکتا تھا۔ اور یہ بات کبھی کے خیال میں آ ہی نہ سکتی تھی۔ کہ علم اور قلم خدا کی عظمت اور رحمت کا سکّہ جمانے کا بہترین ذریعہ ہونگی اور خود نبی کریم اس ترقی اور اشاعت علوم کے سب سے زیادہ سرگرم اور اعلےٰ ذریعہ بننگے + اس کے قریباً تین سال بعد یہ حکم نازل ہوا:۔

یا یہا المدّثر ۞ قم فانذر ۞ وربك فکبر ۞ وثیابك فطھر ۞ والرجز فاھجر ۞ ولا تمنن تستکثر ۞ ولربك فاصبر ۞ (سورۃ المدثر) (ترجمہ اے چادر لپیٹنے والے اُٹھ اور (لوگوں کو عذاب سے) ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر۔ اور اپنے

کپڑوں کو پاک رکھ۔ اور نجاست سے الگ رہو۔ اور (تبلیغ کو) بڑا کام سمجھ کر احسان نہ کر (۔ جو مشکلات آویں اُن پر) اپنے پروردگار کی خاطر صبر کر" +

نبی کریمؐ کو اُس خدا کی پرستش کرانے کا حکم نہ تھا جو کسی خاص قوم یا مُلک کا رب ہو بلکہ آپ تو ربّ العالمین (دُنیا جہان کی ربوبیت کرنیوالا) کی عبادت کے لئے بُلاتے تھے۔ اِسی طرح نبی کریمؐ کسی مخصوص قوم یا ملک کیلئے آیت اللہ بن کر نہیں آئے تھے۔ بلکہ آپ رحمۃ للعالمین تھے ہر مُلک اور ہر زمانے کے لئے آیت اللہ اور اُسوۂ حسنہ بن کر آئے تھے +

نبی کریمؐ نے خدا کی توحید اسکی رحیمیّت رحمانیّت۔ اُس کا قادرِ مطلق ہونا۔ الغرض اسکی ذات کو تمام اعلیٰ صفات کا مجموعہ اور تمام نقائص سے پاک اور مبرّا اعلان کیا۔ اور جب آپ کے ہموطنوں نے آپ کو دھمکیاں دے دے کر کہا۔ کہ اپنے اس وعظ توحید اور بتوں کی توہین چھوڑ دیں تو آپ نے دو ٹوک جواب دیا +

" اگر وہ میرے دائیں طرف سُورج اور بائیں طرف چاند بھی رکھ دیں تو مَیں اس کام کو چھوڑنے کا نہیں جو مجھے تفویض ہؤا ہے" (اسلام۔ اس کے اصُول اور غرض مصنّفہ جے جے لیک اور ابو الفدا) +

جب نبی کریمؐ نے تبلیغ کا کام شروع کیا تو آپ کی مخالفت بیحد بڑھ گئی۔ اور ایک سے زیادہ دفعہ آپ کی جان کے لالے پڑ گئے۔ خود آپ کے رشتہ داروں اور اہلِ قبیلہ نے آپ کے قتل کیلئے بڑے بڑے انعاموں کا اعلان کیا۔ آپ تنہا بے یار و مددگار تھے۔ اور سارا مُلک آپ کی دشمنی پر کمر باندھے کھڑا تھا۔ باوجودیکہ جو لوگ آپ سے بخوبی واقف تھے وہ مسلمان بھی ہو گئے۔ اور آپ کی بیوی خدیجہؓ۔ آپکے چچا زاد بھائی حضرت علیؓ۔ آپ کا غلام زیدؓ اور آپ کے رفیق صادق حضرت ابُوبکرؓ اور چند اور لوگوں کے مسلمان ہو جانے سے آپ کی ڈھارس بندھ گئی۔ لیکن مخالفت دن بدن بڑھتی جاتی تھی۔ اور کامیابی کی کوئی صُورت نظر نہ آتی تھی۔ لیکن نبی کریمؐ نے تو خدا کی طاقت اور قدرت کا مظہر بننا تھا۔ آپ کو یہ ثابت کرنا تھا کہ خدا قادرِ مطلق ہے۔ اور وہ جو چاہے اپنے ارادے سے کر سکتا ہے خواہ وہ انسان جیسی کمیں چیز ہی کو اپنا ذریعہ بنا لے۔ جے جے لیک صاحب لکھتے ہیں:۔

"ہم محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو نبی اللہ تو نہیں مانتے لیکن یہ ماننے سے بھی چارہ نہیں کہ خدا نے آپ کو بت پرستی۔ شرک اور عیسائیت کو دور کرنے کے لئے منتخب کیا"*

محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے والد بزرگوار آپ کے پیدا ہونے سے پہلے ہی چل بسے۔ اور جب آپ ۶ سال کے تھے تو آپ کی والدہ ماجدہ نے بھی اس دار فانی سے کوچ کیا۔ آپ ایک بنجر اور خشک ملک میں ایک ایسی قوم میں پیدا ہوئے جو جہالت اور اکھڑ پن کو مائیہ ناز سمجھتی تھی۔ بت پرستی میں ضرب المثل تھی۔ اور ۳۶۵ دیوتاؤں کو معبود مانتی تھی۔ گویا کہ ظاہری اسباب میں کوئی آپ کا حامی و مددگار دکھائی نہ دیتا تھا لیکن ان سب مشکلات سے قطع نظر کر کے آپ نے علے الاعلان توحید کی تبلیغ شروع کر دی۔ اور اپنی قوم اور نسل انسانی کی اصلاح میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ جس بات کا آپ نے دعویٰ کیا تھا۔ وہ آپ نے اپنی وفات سے پہلے پوری کر کے دکھا دی۔ اور تمام عرب میں سے بت پرستی و شرک کا نام و نشان مٹا کر چاروں طرف احد احد کا ڈنکا بجا دیا

نبی کریم کی زندگی معموں اور اسراروں سے بالکل معرا تھی

کرشنا۔ بدھ اور مسیح کی طرح نبی کریم کی پیدائش میں کوئی انہونی یا پر اسرار بات نہ تھی آپ ایک کامل آیت اللہ تھے۔ تاکہ لوگوں کے دلوں میں خدا کی رحمانیت کا یقین کوٹ کوٹ کر بھر دیں۔ ایک انسان ہی دیگر بنی نوع انسان کے لئے ایک کامل ہادی و مرشد ہو سکتا ہے۔ اگر ایک آدمی تیز دوڑنا سیکھنا چاہتا ہے تو وہ ہمیشہ کسی انسان سے سبق حاصل کریگا نہ کہ گھوڑے سے۔ اگرچہ گھوڑا انسان سے بہت زیادہ تیز رو و سبک رفتار ہے۔ اسی طرح اگر انسان کو نیکی کی تعلیم دینی منظور تھی تو اسکے لئے ایک انسان ہی کو بھیجا جانا چاہئیے تھا۔ نہ کہ کسی فرشتے کو نہ خدا کے بیٹے یا بیٹی کو اور نہ خدا خود اس کام کے لئے نیچے آسکتا تھا*

نبی کریم کی ذات بابرکات سے ثابت ہو گیا ہے کہ بہ نسبت ایک جزوی خدا یا فرضی اوتار خدا کے ایک محض انسان بہتر آیت اللہ ہو سکتا ہے۔ اور اپنے ہمجنسوں کے لئے زیادہ فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم ایک محض انسان تھے اور دنیا کیلئے نذیر بن کر آئے تھے*

* کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس مصنف کے ذہن میں نبی اللہ کی کونسی تعریف جاگزین ہے۔ اگر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا کام بموجب قول مصنف کے ایک صاحب اصلاح زمانہ تھا اور آپ اس کام میں کامیاب بھی ہوئے تو یہ نبوت نہیں تو اور کیا ہے (اڈیٹر)*

آپ اپریل سنہ ۵۶۹ء میں مکہ شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ قبیلۂ قریش میں سے تھے۔ جو عرب میں بہادری اور دلیری میں ہمیشہ سے ممتاز اور نامور چلا آیا ہے۔ آپ کے جدامجد ہاشم مکہ کے ایک مشہور محسن گذرے ہیں۔ اور کعبہ جو کہ قدیم سے اہل عرب کا مرکز اور جائے عبادت چلا آیا ہے۔ اور جس کی حفاظت کا سپرد ہونا بڑی عزت اور منزلت سمجھی جاتی تھی۔ اسکی نگاہداشت بھی آپ ہی کے بزرگوں کے سپرد تھی (محمد صلے اللہ علیہ وسلم) اور آپکے پیرو مصنفہ ڈبلیو ارونگ) +

اور حقیقت تو یہ ہے کہ کعبہ کی نگاہداشت جس قبیلہ کے سپرد ہوتی شہر کے تمام اعلیٰ رتبے اور حقوق اس کے ہاتھ میں آجاتے اور ایک رنگ میں وہ سارے شہر مکہ کے حاکم بن جاتے۔ آپکی دودھ پلانے والی دائی کا خاندان بھی بڑا پرانا اور معزز قبیلہ تھا +

آپ کی پیدائش کے ساتویں دن آپکے دادا عبدالمطلب نے تمام بڑے بڑے قریشیوں کو ایک دعوت دی۔ اور اسمیں آپ کو یہ کہتے ہوئے پیش کیا کہ ہماری نسل کی اُٹھتی ہوئی اُمنگیں اس کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اور آپ کا نام محمد یعنی بہت تعریف کیا گیا قرار پایا +

خوش قسمتی سے نبی کریم کی نبوت ملنے سے پہلے کی زندگی کے سارے حالات محفوظ ہمارے سامنے ہیں۔ عام طور پر بڑے آدمیوں کی زندگیوں کے حالات اس وقت سے شمار کئے جاتے ہیں جس وقت ان کی عظمت تسلیم کرلیجاتی ہے۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اس زمرہ میں نہیں۔ ہر ایک طالب ہدایت آپ کی اوائل زندگی کے مفصل حالات معلوم کرسکتا ہے۔ جو سفر آپ نے اپنے چچا یا بحیثیت خدیجہ رضی اللہ عنہ کے سپردکار ہونے کے کئے وہ سب صحیفوں میں مذکور ہیں۔ اس بات میں شک کرنا ممکن ہی نہیں کہ اپنی اخلاقی قابلیت کی وجہ سے آپ اپنی قوم اور ملک میں ایک ممتاز اور ذی اثر آدمی خیال کئے جاتے تھے۔ ایک مشہور سیاح ابوالفید لکھتے ہیں دیانتداری اور خوش خلقی کے تمام لوازمات آپ کی ذات میں پائے جاتے تھے۔ آپ ایک صادق مصدوق اللسان تھے اور اس وجہ سے آپ کو الامین کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ آپ کے انصاف اور حق شناسی کی اس قدر دھاک تھی کہ دُور دُور سے لوگ آپ سے فیصلہ کروانے آیا کرتے تھے (محمد اور آپکے پیرو مصنفہ ولیم ارونگ)

اہل تاریخ مندرجہ ذیل واقعہ بیان کرتے ہیں:-

کعبہ شریف کی متبرک عمارت کو ایک دفعہ آگ لگ گئی۔ اور بعد میں مرمت کرنی پڑی لوگوں میں

اِس بات پر بہت جھگڑا ہوا۔ کہ کس آدمی یا قبیلہ کو یہ عزّت دی جائے۔ کہ وہ حجرِ اسود کو اسکی جگہ میں نصب کرے۔ آخر کار یہ قرار پایا کہ جو آدمی دروازۂ الحرام سے سب سے پہلے داخل ہو وہ جو فیصلہ کر دے وہ سب کو منظور کرنا پڑیگا۔ خُدا کا کرنا کہ سب سے پہلے وہ شخص داخل ہؤا جس کو سب عزّت اور اکرام کی نگاہوں سے دیکھتے تھے یعنے الامین محمد صلے اللہ علیہ وسلم۔ خدا تعالیٰ نے اس اوائل عُمر میں ہی ایک ہاتھ سے ایک قومی جھگڑے کو مٹا کر جمہوریت کی بُنیاد ڈلوانی تھی اور حجرِ اسود کو جمہوریت کا نشان مقرر کرنا تھا۔ جب نبی کریمؐ کو سارا جھگڑا سُنایا گیا تو آپؐ نے حکم دیا کہ ایک بڑا کپڑا لایا جائے اور حجرِ اسود کو اس پر رکھا جائے۔ پھر آپؐ نے کہا کہ ہر ایک قبیلہ اپنے میں سے ایک آدمی کو چُن لے۔ جب ان سب حکموں کی تعمیل کی گئی تو آپؐ نے اُن منتخب آدمیوں کو فرمایا کہ وہ سب کپڑے کے کنارے پکڑ کر حجرِ اسود کو اسکی جگہ پر لیجاویں۔ اور اِس طرح اس متبرک پتھر کو اسکی جگہ پر رکھنے کے شرف میں ہر ایک قبیلے کو حصہ ملگیا۔ اور اسکے بعد ان سب نے آپ کو اس بات کے لئے چُنا کہ آپ حجرِ اسود کو اسکی ٹھیک جگہ میں رکھ دیں* +

محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو کہ نظم عالم قوّت ارادی کا نتیجہ ہے اپنی ذات سے ثابت کر دیا

اگر ہم نبی کریمؐ کی زندگی کو غور سے مُطالعہ کریں تو ہم ہرگز انکار نہیں کر سکتے کہ دُنیا کا خالق اور حاکم ایک مُدبّر بالارادہ ہستی ہے۔ ہم یہاں تک تو کہہ سکتے ہیں کہ نظامِ شمسی خدا کے مدبّر بالارادہ ہونے کی کوئی قطعی اور یقینی دلیل نہیں۔ کیونکہ نہ تو ہم کو یہ بتایا گیا ہے کہ اس نظام کی غرض غایت کیا ہے۔ اور نہ ہی ہم اسکے وجود میں آنے کی اصلیت سے واقف ہیں۔ سائنسدانوں نے ایک مسئلہ پیش کیا ہے کہ یہ سارا نظام شمسی خود بخود اِس موجودہ حالت میں ترقی کر کے آگیا ہے۔ اور جب انہوں نے یہ کہہ دیا کہ نظامِ شمسی بھی اپنے عجیب وغریب نظم کے باوجود کسی مدبّر بالارادہ ہستی کا ثبوت نہیں رکھتا تو اس سے بہتر ثبوت مظاہر قدرت میں ملنا مشکل تھا۔ لیکن نبی کریمؐ کی ذات واقعی خدا کا ایک مدبّر بالارادہ ہستی ہونے کی بیّن اور قاطع دلیل ہے + ذرا اس وقت کی تاریخ پر نظر ڈالیئے تو آپ کو معلوم ہو گا۔ کہ نسل انسانی اس وقت ہر طرف سے جہالت اور گناہ سے بھرپور تھی۔ ہر ایک مذہب میں ملاوٹیں اور بدعات آچکی تھیں +

* میرا دل چاہتا ہے کہ ہر ایک مسلم جو حج کرنے وقت حجرِ اسود کو بوسہ دیتے ہیں اسوقت یہ یاد رکھیں کہ اس حجرِ اسود کو جمہوریت کی نشانی سمجھکر کریں (ایڈیٹر)

پروفیسر جے لیک صاحب لکھتے ہیں کہ اس انٹی منطق نے جس کا آخری نتیجہ شرک اور بُت پرستی ہے نہ صرف عیسائی ممالک میں بلکہ دُنیا کے ہر ایک حصہ میں اپنا رنگ جمایا ہوا تھا۔ یہی نام نہاد کا فلسفہ جس نے سپنوزا کے نام سے نئے سر سے ترقی حاصل کی۔ اس نے مشرق کی اوائل الہامی کتابوں کو مغلوب کر لیا تھا۔ وسطی اور مشرقی ایشیا کی شامی قوموں میں اس نے بُت پرستی کے ازحد قبیح منظر پیدا کر دیئے تھے۔ اور عیسائی ممالک مع یورپ کی شامی اقوام کے اُن سے کچھ کم نہ تھے گویا یُوں کہیئے کہ اُس وقت کی ساری معلومہ دُنیا گناہ اور بد اخلاقی کے اسفل السافلین میں گری ہوئی تھی اور بعد کی تحقیقات سے ثابت ہوا ہے ۔ کہ اس وقت کی غیر معلومہ دُنیا کے باشندے بھی اِسی گڑھے میں اوندھے پڑے ہوئے تھے یہود بھی اس عالمگیر وبائی مرض سے بچ نہ سکے اور ان کی رسُومات میں بھی شرک کا رنگ آگیا تھا۔ اور وہ بھی عرب کے مشرکوں کی طرح کعبہ میں منّتیں چڑھاتے تھے۔ جب سائیرس کے بھائی ارٹیکسرکسی منیمان نے مائی تھرا اور فیلک کلٹس کی پرستش کا رواج ڈالا تو اس وقت سے اہل فارس کے مذہب میں بدعات آنی شروع ہوگئیں لیکن چھٹی صدی عیسوی میں تو حد ہی ہوگئی۔ جب مزدک صاحب نے یہ وعظ لوگوں کو سُنانا شروع کیا کہ ہر ایک مال و عورتوں میں اس طرح حصہ لینے کا حقدار ہے جس طرح آگ پانی اور گھاس پر سب کا مشترکہ قبضہ ہے ہر ایک آدمی کا حق ہے کہ دُنیا کے نیک و بد سے فائدہ اُٹھائے۔ ملکیت مخصوصہ ایک انصافی اور غیر واجب اصُول ہے۔ ملک فارس کی بعض صحیح فطرتوں نے اس خطرناک اصُول کو ناقابل برداشت سمجھ کر ان سے منہ موڑا اور آخر کار مزدک کو قتل کر دیا گیا۔ تاہم آپ کے اصُول اہل مغرب کے دلوں کو مسخر کر چکے تھے اور ان کا دُور کرنا کوئی آسان بات نہ تھی +

اور عرب میں تو بُت پرستی کی حد ہوگئی تھی۔ قدرت کے ہر ایک منظر کی پرستش کیجاتی تھی لکڑی۔ حجر۔ پتھر۔ اناج۔ اور ایسی ایسی چیزوں کو معبود ٹھہرایا گیا تھا۔ جس کا نام لینے شرم آتی ہے۔ ہر ایک قبیلہ کے علیحدہ علیحدہ بُت اور مندر تھے اور انسانی قربانی ایک عام رسم تھی +

عرب کی تمدنی، سیاسی، اخلاقی اور علمی حالت دُنیا کے کسی حصہ سے بہتر نہ تھی۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اِس ظلمت اور جہالت کے زمانہ میں سب سے زیادہ جہالت اور ضلالت میں بڑھی ہوئی

قوم عربوں کی تھی - ان کے آپس کے فساد - مار دھاڑ - قتل انتقامی جنگ وغیرہ ان سب کی وجہ سے عرب لوگ بڑے قسی القلب ہو گئے تھے - شراب خوری - زنا اور جوا بالکل عام تھے ان کو برائی اور گناہ سمجھا ہی نہ جاتا تھا - کوئی اخلاقی مذہبی یا تمدنی قانون ان کو روکنے کے لئے نہ تھے - شادی یا طلاق کیلئے کوئی حدود یا قیود نہ تھیں - حتے کہ بیٹا اپنے باپ کی بیوہ کو بطور ورثہ پاتا تھا - اکثر اوقات لوگ یتیم لڑکیوں کا مال خرد برد کرنے کے لئے ان سے شادی کر لیتے تھے - اور جونہی کہ مال ان کے قبضے میں آجاتا تو اس بیچاری کو یا تو تن تنہا چھوڑ دیتے اور یا اس سے بدسلوکی کرتے کہ وہ خود ہی تنگ آکر چلی جائے مطلوقہ عورت کسی سے شادی نہ کر سکتی تھی - کیونکہ اس سے خاوند کی ہتک سمجھی جاتی تھی - اور اکثر اوقات کینہ رکھنے والی عورتیں جب تک اپنے دشمنوں کے خون سے ہاتھ نہ رنگ لیتی تھیں انکو چین نہ آتا تھا - غلاموں کے ساتھ حیوانوں سے بدتر سلوک کیا جاتا تھا - انسانی قربانی بچوں کو زندہ دفن کر دینا - خودکشی یہ سب معمولی باتیں سمجھی جاتی تھیں اور آئے دن ایسے جھگڑے ہو جاتے تھے جن کا انجام خونریزی ہوتا تھا - اور اکثر دفعہ ایک جلدی سے کہے ہوئے لفظ کا بدلہ خون اور قتل سے لیا جاتا تھا - الغرض بقول گبن صاحب اس شروع شروع اور ذلیل حالت میں جس کو انسانیت کے نام سے موسوم کرتے ہوئے شرم سی آتی ہے - انسان اور دیگر حیوانوں میں چنداں فرق نہ تھا - انسان نہ فہم سے کام لیتا تھا نہ نطق سے - تمام دنیا کی اس وقت یہ حالت تھی اور خصوصاً عرب کے ملک کی - اور پھر یہ قابلِ شرم حالت کس طرح تبدیل ہوئی - نہ تو ایسی پست حالت کسی اچانک قدرتی منظر سے جسکو ہم اتفاقیہ کہہ سکیں اس سے تبدیل ہوئی - اور نہ ہی کسی خارق عادت معجزہ سے ہوئی - کہ اس کا نام ہم توہم پرستی رکھ لیں - عرب کی حالت اور اس کے ذریعہ سے ساری دنیا کی حالت ایک خاص ارادہ کے ماتحت ہر ایک پہلو سے بہتر کر دی گئی - اللہ تعالےٰ نے اپنے اس ارادہ کی تکمیل کیلئے عرب کے ملک میں ایک آدمی اصلاح نسل انسانی کیلئے چن لیا - لوگ اس آدمی کو خوب جانتے تھے - کہ اس وقت اس کی جوانی ڈھل چکی تھی - اس کے حالات میں کسی قسم کا شبہ اسرار نہ تھا جس نے معجزات کو اصلاح کا ذریعہ بنانے سے انکار کیا - اور جس نے خدا کی وحی کے مطابق اپنی زندگی ہی میں اصلاح قومی کر کے دکھا دی - یہ اصلاح ہر پہلو سے کامل تھی - اس کا اثر دیرپا اور عالمگیر تھا - لیکن ہر ایک

قدم جو اسکے حاصل کرنے کیلئے اُٹھایا گیا بڑے غور و فکر سے اُٹھایا گیا۔ تا کہ کوئی فطرت صحیحہ والا منصف انسان اس بات کا انکار نہ کر سکے کہ یہ سب ایک مُدبّر بالارادہ ہستی کے حکم کے ماتحت ہوٗا۔ حتّٰی کہ الہام بھی سارا یکدفعہ نہیں ہوٗا۔ اگرچہ اس کا اثر دائم اور عالمگیر تھا + آیا وہ اصلاح کامل تھی یا نہیں ہم اس کا اندازہ متعصب عیسائی مُصنّفوں کی تحریروں سے کر سکتے ہیں۔ واشنگٹن ارونگ صاحب عرب کی ناگفتہ بہ اور بیکسی کی حالت کا نقشہ کھینچنے کے بعد لکھتے ہیں۔ کہ:۔

"وہ وقت آن پہنچا تھا جبکہ عرب کی باہم برسرپیکار قومیں ایک جگہ جمع ہوں۔ اور ایک ہی غرض مشترک کو مدّنظر رکھیں۔ اس وقت ایک ایسی خداداد استعدادوں والے کی ضرورت تھی جو ان منتشر اعضا کو اکٹھا کر دے۔ اپنے دلیر اور پُرجوش ولولوں سے اُن کو خواب غفلت سے جگا دے اور اس اژدہے ریگستانی کا لیڈر بن کر دُنیا کی سلطنتوں کو تہ و بالا کر دے۔ تلاطم مچا دے" +

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى

ایک میم صاحب میرے پاس تشریف لائیں۔ ان کا خیال تھا کہ ہم مسلم لوگ بھی مغربی عالمان علم الٰہیات کی طرح اپنے مذہب اور اسلامی زندگی کے اصولوں کو زمانہ کی روش اور ضروریات کے مطابق موڑ توڑ لیتے ہیں۔ مَیں نے ان سے کہا " باوجودیکہ مغربی علوم اور ترقی تہذیب سے مجھے بڑا گہرا تعلق ہے لیکن میرا یہ لگاؤ میرے لئے کسی طرح اس بات کا مانع نہیں کہ میں قرآن اور اُس کی ترتیب کو خدا کا کلام مانوں "۔ وہ تو یہ سمجھے بیٹھی تھیں۔ کہ جس طرح عیسائیوں کو اب یہ ماننا پڑا ہے کہ موجودہ انجیل کا ہر ایک لفظ اور فقرہ یقینی طور پر جناب مسیح کا فرمودہ یا کلام اللہ نہیں اسیطرح مسلمان بھی قرآن کریم کی بابت اسی قسم کا کوئی عقیدہ رکھتے ہونگے۔ اور بدیں وجہ میرا یہ جواب سُنکر ان کو بہت حیرت ہوئی۔ لیکن جب میں نے کھول کھول کر اس کی تفصیل کی تو ان کا تعجب بہت حد تک جاتا رہا۔ میں نے کہا۔ اگر ایک درخت کو خدا کی صنعت ماننے میں کوئی منطق یا علم طبعی میرا مانع نہیں تو اسی طرح میں ایک کتاب کو بھی خدا کا کلام مان سکتا ہوں کیا ایک درخت اُسی مادہ کی ایک نئی شکل نہیں جو پہلے ہی قدرت میں موجود تھا۔ اگر بعض موجود؟

عناصر کو ملا کر ایک درخت بنا دینا خدا کی طرف منسوب ہو سکتا ہے تو کس طرح بعض ایسے الفاظ کا جمع کر کے بھیج دینا جو اس دنیا کی کسی زبان میں پائے جاتے ہوں خدا کا کلام نہیں کہلا سکتا +
مندرجہ بالا استدلال ہر ایک الہامی کتاب کی بابت کہے جا سکتے ہیں۔ لیکن خدا کے جمع کردہ الفاظ میں صفات ہونی ضروری اور لابد ہیں جو خدائی صنعت کو انسانی صنعت سے ممیز کرتے ہیں میرے خیال میں شہد کی مثال میرے مفہوم کو خوب صاف کر دیگی۔ شہد ایک ایسا مرکب ہے جو مشیت ایزدی کے ماتحت شہد کی مکھی مختلف پھولوں کے رسوں سے تیار کرتی ہے۔ ہم بھی مختلف قسم کے عرق اور شربت پھولوں کے رسوں اور نچوڑ سے بناتے ہیں لیکن جو چیز یہ چھوٹی سی مخلوق اپنے خالق کے بتائے ہوئے قوانین پر عمل کر کے پیدا کر لیتی ہے۔ تمام نسل انسانی کی مجموعہ کوشش بھی پیدا نہیں کر سکتیں۔ خدا کی کتاب یعنی القرآن اس حقیقت کو یوں واضح فرماتا ہے۔ فرمایا:۔

واوحی ربك الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا ومن الشجر ومما یعرشون ۝ ثم کلی من کل الثمرات فاسلکی سبل ربك ذللا یخرج من بطونها شراب مختلف الوانه فیه شفاء للناس ان فی ذلك لآیة لقوم یتفکرون (سورۃ النحل آیت ۶۸ و ۶۹) ترجمہ۔ اور تمہارے پروردگار نے یہ بات شہد کی مکھی کے دل میں ڈالی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور لوگ جو اونچی اونچی ٹٹیاں بنا لیتے ہیں اُن میں چھتے بنا۔ پھر ہر طرح کے پھلوں میں سے (ان کا عرق) چوستی پھر اپنے پروردگار کے آسان طریقوں پر چل۔ ان کے پیٹوں میں سے ایک چیز نکلتی ہے۔ جس کے کئی رنگ ہوتے ہیں۔ اور اس میں لوگوں (کی بہت سی بیماریوں) کی شفا ہے۔ بے شک غور کرنیوالوں کیلئے اس میں ایک بڑی نشانی ہے"+

مادی اور جسمانی اشیاء میں سے یہ مثال اس واسطے پیش کی گئی ہے تا کہ بتایا جائے کہ قوانین ربی کا اطلاق روحانی دنیا پر بھی اسی طرح ہوتا ہے۔ اس آیت کے آخری الفاظ خصوصاً قابل غور ہیں۔ فرمایا۔ اسمیں غور کرنے والوں کے لئے ایک بڑی نشانی ہے۔ اگر پھولوں کے رسوں سے ایک ایسا مرکب تیار کرنے کے واسطے جس سے انسانوں کی جسمانی امراض دور کیجائیں ایک شہد

کی مکھی کی وساطت کی ضرورت ہے۔ تو یہ بات کس طرح خلاف قیاس ہو سکتی ہے کہ ایک رسول خدا کے رُوحانی اور اخلاقی قوانین کی اطاعت پورے طور پر کر کے بذریعہ الہام خدا ان تمام صداقتوں اور اعلےٰ باتوں کو جو دوسرے مذاہب میں پائی جاتی تھیں جمع کر کے اس کا نام قرآن رکھ دے +

اگر اس مجموعہ الفاظ میں تمام صفات ممیزہ موجود ہوں جو عموماً خدا کی دوسری صنعتوں میں نظر آتی ہیں تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ کیوں اسکے ہر ایک لفظ ہر ایک فقرے اور اسکی ترتیب کو صنعت الٰہی نہ مانا جائے۔ میں یہ مانتا ہوں کہ انجیل کی بابت بھی اسی قسم کے الفاظ کہے جا سکتے ہیں لیکن چونکہ بوجہ اس کے نقائص طبعی خود اس کے معتقدین اس کے بعض حصص کو الہامی نہیں مانتے اس واسطے اس پر بحث کرنے کی مجھے چنداں ضرورت نہیں +

جو چیز خدا کی طرف سے ہو وہ اپنی ذات اپنی صفات اور اپنی خصوصیات میں لاثانی ہونی چاہیئے۔ کوئی انسان کوئی لاشریک چیز پیدا نہیں کر سکتا۔ جو کتاب کہ خدا کی طرف سے ہونے کا دعوے کرتی ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر رنگ میں نرالی ہو اور سب انسانی تصانیف اسکے آگے ہیچ ہوں۔ القرآن اس قسم کا دعوی مندرجہ ذیل آیات میں کرتا ہے۔ فرمایا وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداء کم من دون اللہ ان کنتم صٰدقین ۰ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ ۔ سورۃ البقرہ آیت ۲۳و۲۴ (ترجمہ۔ اگر تم کو اس میں شک ہو جو ہم نے اپنے بندے (محمدؐ) پر اُتارا۔ تو اُس جیسی ایک سُورۃ بنا لاؤ اور اللہ کے سوا اپنے حمایتیوں کو بھی بُلا لو اگر تم سچّے ہو۔ اور اگر نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو دوزخ کی آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں) +

اِسی قسم کا چیلنج سورہ یونس کی اٹھتیسویں آیت میں اور سُورہ ھُود کی تیرھویں آیت میں دیا ہے۔ اور سورۃ بنی اسرائیل کی اٹھارہویں آیت میں تو سارے بنی نوع انسان کو قرآن کی مثل کوئی صحیفہ پیش کرنے کے ناقابل ٹھیرایا ہے۔ اور ایک الہامی کتاب کا دعوی ہونا بھی یہی چاہیئے۔ یہی دعوے ایک سیب ایک پھول ایک دانے ایک گھاس کے تنکے کی بابت کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر قُدرت کی ان اشیا کی ساخت بوجہ ان کے لاثانی اور بے نظیر ہونے کے

خدا کی طرف منسوب کیجا سکتی ہے تو ضرور ہی ہے کہ ایک ایسی کتاب جس کا طرز بیان ہر رنگ میں ناقابل نقل ہو۔ اس کا منبع بھی کوئی لاشریک ہستی ہو۔ مجھے اسبات کے کہنے کی ضرورت نہیں کہ عربی علم ادب میں کوئی کتاب آج تک قرآن کا مقابلہ نہیں کر سکی۔ اور اسکی طرز بیان کو اعلےٰ ترین معیار زبان سمجھا گیا ہے۔ خود اس کے دشمنوں نے بے اختیارانہ اسکی تعریف کی میرے خیال میں اس موقعہ پر بعض عیسائی مُصنّفوں کی رائے کو لکھ دینا غیر محل نہ ہوگا +

"یہ بات تو پورے طور پر مسلم ہے کہ قرآن کی زبان بڑی پاک اور فصیح ہے۔ اور بلا شبہ عربی زبان کا معیار ہے"۔ (جارج سالے)

قرآن کریم کے مضامین میں کثرت سے ایسی خوبی اور زور کا اظہار پایا جاتا جو کہ عموماً شاعرانہ خیالات کے اظہار میں ملتا ہے۔ اِس لطیف زبان کیلئے اُس سے بہتر کوئی تمہید نہیں ہو سکتی جو آنحضرت کے فصیح کلام میں پائی جاتی ہے۔ جن کی زبان نہایت پُر زور اور اعلےٰ درجہ کی شستہ ہے قرآن کی زبان اعلےٰ ترین عربی سمجھی جاتی ہے۔ اور اس کا طرز بیان اسقدر دلفریب ہے۔ اور اسکی مُقفّٰی عبارت ایسی خوبصورت ہے کہ آج تک اسکی کوئی مثل پیش نہیں ہو سکتی"۔ (پاپولر انسائیکلوپیڈیا +)

"قرآن کے محاسن اور فصاحت کا ایک نشہ بھی کوئی عربی خواں کسی اور تصنیف سے پیش نہیں کر سکتا۔ لائق سے لائق اور ہوشیار سے ہوشیار مصنف بھی اس قسم کی عبارات اپنی مرضی سے نہیں لکھ سکتا" (انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا) +

یہ کتاب ایک ایسے وقت پیش کی گئی جبکہ عرب میں فصاحت اور بلاغت کی حد ہو گئی تھی عربی لٹریچر کے لئے یہ ایک زرّین زمانہ تھا۔ اور بڑے بڑے قابل آدمی اپنی تصانیف و اشعار میں ایکدوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن جب انہوں نے قرآن کی اعجاز نما فصاحت کو دیکھا کہ وہ کس قدر مُدلل اور پُر حکمت تھی۔ اور جو کہ عموماً ایک شخص ناخواندہ اُمّی کی زبان سے ایک بیہوشی کی حالت میں نکل جاتی تھی تو انہوں نے سر تسلیم خم کیا اور اسکی بلاغت کے قائل ہو گئے نزول قرآن کے وقت سے لیکر آج تک قرآن کا یہ دعویٰ کہ میری مثل اور نظیر نہیں پیش کیجا سکتی بالکل سچّا اور محکم رہا ہے +

نیز خدا کی طرف سے جو کتاب ہو لازمی ہے کہ اس میں کچھ ایسے علوم ہوں جو انسانی احاطہ طاقت سے باہر ہوں۔ قرآن اس قسم کے علوم سے بھرا پڑا ہے۔ اور مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر میں ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ فرمایا

وجاوزنا ببنی اسرائیل البحر فاتبعھم فرعون وجنودہ بغیا وعدوا حتیٰ اذا ادرکہ الغرق قال امنت انہ لا الہ الا الذی امنت بہ بنوا اسرائیل وانا من المسلمین ء الئن وقد عصیت قبل وکنت من المفسدین فالیوم ننجیک ببدنک لتکون لمن خلفک ایۃ وان کثیرا من الناس عن ایٰتنا لغٰفلون (سورۃ یونس آیت ۹۰ تا ۹۲) (ترجمہ۔ ہم نے بنی اسرائیل کو دریا کے پار اُتار دیا۔ پھر فرعون اور اسکے لشکریوں نے سرکشی اور شرارت کی راہ سے ان کا پیچھا کیا۔ یہاں تک کہ جب فرعون پر (پانی) آ پہنچا تو لگا کہنے کہ اب مجھ کو یقین آ گیا جس خدا پر بنی اسرائیل ایمان لائے۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور اب میں (اسی کے) فرمانبردار وں میں ہوں۔ (خدا نے فرمایا) کیا اب (ایسے وقت میں ایمان) اور (تیرا حال تو یہ تھا کہ اس سے) پہلے برابر نافرمانی کرتا رہا اور تو مفسدوں میں سے ہے۔ اور آج تیرے بدن کو ہم (پانی میں تہ نشین ہونے سے) بچا دینگے۔ تا کہ جو لوگ تیرے بعد آویں اُن کیلئے نشان عبرت ہو۔ البتہ بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں) +

مندرجہ بالا آیات کے آخری حصے میں بعض ایسے واقعات کا ذکر ہے جن کا پتہ بائبل یا تاریخ کی کسی اور کتاب میں نہیں ملتا۔ ان میں صاف لکھا ہے۔ کہ فرعون موسیٰ کی لاش پانی میں گم نہیں ہوئی۔ بلکہ اس کو ساحل پر پھینک دیا گیا تھا۔ اور آجکل کی تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ فرعون موسیٰ کی نعش مصر کے ممیز* میں محفوظ پڑی ہے۔ یہ بات تو حال ہی میں معلوم ہوئی ہے۔ اور نبی کریم کو اس کا علم قطعاً نہیں ہو سکتا تھا۔ کیا یہ علم غیب کی ایک بیّن دلیل نہیں جو کسی ایسی کتاب میں نہیں پایا جاتا جو انسانی دماغ سے لکھی گئی ہو۔ بلکہ صرف اس کتاب میں پایا جا سکتا ہے جو عالم الغیب کی طرف سے نازل ہوئی ہو +

---

* مصر میں یہ قاعدہ تھا کہ لاشوں کو مصالحہ لگا کر رکھ چھوڑتے تھے۔ اس قسم کی نعشوں کو جو مصالحہ لگا کر سوکھی ہوئی ہوں ممیز کہتے ہیں +

مسئلۂ ارتقائے انسانی

صحیفۂ ارتقا

صحیفۂ قدرت کا کوئی سا صفحہ مطالعہ کرو تو ہر جگہ ترقی اور فلاح کا قانون بڑے شوخ حروف میں لکھا ہوا پاؤ گے۔ کائنات کا ہر ایک ذرہ رُو بہ ترقی ہے۔ اسمیں کچھ اس قسم کی خداداد استعدادیں رکھ دی گئی ہیں کہ وہ خود بخود اپنے کمال کی طرف ترقی کر رہا ہے۔ ایک بیج کچھ مدت کے بعد پودہ بن جاتا ہے۔ پھر وہی ترقی کرتے کرتے درخت کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اور پھر ایک شجر بارور بن جاتا ہے۔ گویا کہ قدرت کی بادشاہت میں ہر چیز رُو بہ ترقی ہے" ایک گھونگے سے لیکر ایک کلیسیا تک۔ گھاس کے تنکے سے لیکر ایک عظیم الشان شاہ بلوط کے درخت تک جگنو کی خفیف سی چمک سے لیکر بجلی کی ضو تک ایک جھینگر کی آواز سے لیکر اعلے سے اعلے مقدس راگ تک۔ غرض مادہ اور طاقت مختلف صورتوں اور خاص تقسیموں کے مطابق ہر وقت ایک غیر منتہی ترقی کی طرف چلے جا رہے ہیں۔ قدرت کی کوئی چیز ساکن یا تنزل کرنیوالی نہیں +

قدرت کے جسقدر منازل موجودہ سائنس نے معلوم کئے ہیں۔ ان سب میں ترقی اور بڑھنا پایا جاتا ہے۔ یہ جس قدر مناظرِ قدرت ہمارے مشاہدہ میں آتے ہیں۔ اور علاوہ ازیں وہ جن کو ابھی ہم نے معلوم کرنا ہے یہ سب اس وسیع عنصر کے ہر ذرہ میں قدرتی اور پیدائشی طور پر موجود ہیں۔ جس کو ایتھر کہا جاتا ہے۔ اور جو تمام کائنات پر احاطہ کیئے ہوئے ہے۔ یہ ذرات جب ایک خاص نسبت سے جمع ہوتے ہیں تو ان سے برقی جوہر پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور انہی برقی جوہروں کے مختلف متنوع اجتماعوں سے مادہ کے ذرات پیدا ہو جاتے ہیں جن سے تمام مادی عالم بنا ہوا ہے۔ اسکے بعد زندگی آتی ہے۔ جو خود گو مادہ یا طاقت نہ ہو لیکن اسکی ترکیب مادہ اور طاقت کی انفعالی قوت کے بغیر کوئی کام نہ دے سکتی تھی۔ یہی صورت جب اور ترقی پذیر ہوتی ہے۔ تو اس سے دماغ پیدا ہوتا ہے جو دل کے تفکرات کے لئے جسم کا کام دیتا ہے۔ پھر اسی کی مزید ترقی سے احساس پیدا ہوتا ہے۔ جو آخر کار علم اخلاق فلسفہ اور مذہب کی اعلیٰ درجہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ دِل جس کو عام گفتگو میں رُوح کہہ دیا جاتا ہے۔ خواہ ایک الگ ہستی ہو یا اس مادی کُرہ پر ارتقا کے

آخری مرتبہ ہی کا دوسرا نام ہو۔ اس سے ہماری بحث پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ اور نہ ہی اس اختلاف رائے سے اس رائے سے اس مسئلہ پر کوئی زد پڑتی ہے۔ کہ ہر ایک ذرہ قدرت رو بہ ترقی ہے۔ ممکن ہے کہ بیرونی طاقتیں کے قابو میں ہو لیکن یہ بیرونی اشیا کچھ بھی فائدہ نہ دے سکتیں۔ اگر مادے میں طاقت قبولیت نہ ہوتی۔ یہیں ایسے خواص رکھے گئے ہیں۔ کہ وہ ترقی کرے نہ کہ تنزل مخلوق کی ہر ایک چیز اس طرح پر بنائی گئی ہے کہ وہ ترقی کرتے کرتے اپنی حد قابلیت کے اندر کمال حاصل کرے۔ اس سے نہ صرف اس غلط عقیدہ کا ازالہ ہو جاتا ہے کہ انسان زوال پذیر ہے اور اپنے اعلیٰ مقام سے گر رہا ہے بلکہ عیسائی مسئلہ نجات کا بطلان بھی اسی ایک بات سے ہو سکتا ہے اس قسم کے عقاید ہر قسم کی ترقی کے روکنے کے علاوہ تمام علمی اور سائنس کی صداقتوں کے خلاف ہیں۔ کائنات میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو اپنی ابتدائی حالت میں کمال کو پہنچی ہوئی ہو آہستہ آہستہ درجہ بدرجہ ترقی کرنے سے منزل کمالیت حاصل ہوتا ہے نجات یعنی انسانی زندگی کے مقصد اعظم کا حصول کفارہ نہیں ہے۔ خدا کی کسی مخلوق میں کوئی پیدائشی اور قدرتی نقص نہیں ہو سکتا نقص تو بعد میں پیدا ہوتا ہے +

یہ ایک مسلم صداقت ہے اور قدرت کا ذرہ ذرہ اسکی شہادت دے رہا ہے! اور بریں وجہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے اور خود اپنے اندر ایک چھوٹی سی دنیا رکھتا ہے بھلا اسکی ساخت کس طرح اس قاعدے کے خلاف ہو سکتی ہے! اگر وہ اپنی قدرتی بزرگی میں یا اپنی ترقی کرنے کی قابلیت میں شک کرے تو وہ گویا اپنی فطرت اور ساخت کے خلاف کام کرتا ہے انسان کو بہترین مخلوق اور صانع حقیقی کی اعلیٰ ترین صنعت قرار دیا گیا ہو تو کیا یہ لازمی نہیں کہ اسکے قوائے اور قابلیتیں بھی سب سے افضل ہوں اسکی یہ استعدادیں اپنے کمال تک پہنچ جاویں تو اس کا درجہ اپنے خدا اور خالق کے سوا کسی سے کم نہ ہو۔ یہ سب وجوہ اسقدر صاف اور کھلے تھے کہ ان سے کوئی غلط نتیجہ اخذ کرنا قریباً محال تھا لیکن پھر بھی دنیا کو یہ معمولی سی بات سمجھنے میں ہزاروں برس لگ گئے۔ اور مذہب اگر وہ خدا کی طرف سے ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ سمجھانے میں ہماری رہبری کرے۔ کیونکہ الہام آلہی کا اولین مقصد یہی ہونا چاہئے +

مٹی کے ناچیز اور سیاہ ڈھیلوں کو جب انسانی فہم کے ماتحت کام میں لایا گیا تو بہشت جیسے باغات اس سے پیدا ہو گئے۔ سائنس اور علوم نے ہماری مدد کی اور اس دنیا کے جسمانی حصے کو فرحت وہ اور مقام عشرت بنا دیا لیکن سائنس کوئی چیز خود پیدا نہیں کر سکتی۔ مخلوق میں ہر ایک چیز موجود تھی۔ اور جب اسکے خاص قوانین پر عمل کیا گیا تو اس کا ثمرہ مل گیا۔ سائنس کا کام صرف اسقدر ہے کہ وہ ان قوانین کو معلوم کرے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ انسان جو اعلیٰ سے اعلیٰ اور افضل سے افضل قوے کا مرکز ہے کیا وہ جسمانی مملکت کے باہر بھی کوئی

قابل قدر ترقی کر سکتا ہے یا نہیں۔ یقیناً وہ کر سکتا ہے بشرطیکہ اسکو نور ہدایت اور صداقت ملجائے اور الہام الٰہی کی ضرورت اور غرض صرف اسی قدر ہو سکتی تھی۔ کہ وہ اس نور کو مہیا کرے۔ اور وہ صحیفہ یا کتابیں جو یہ غرض پوری نہ کر سکیں۔ ان کی غرض قصے کہانیوں کی کتابوں سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی۔ کلیسیائے مغربی کے پاس بھی رومن یونانی اور ہندو قصے کہانیوں سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں جس کے ذریعے سے ایک بچہ ترقی پاکر ایک انسان بنتا ہے۔ اور اگر چند قصے کہانیوں کے علاوہ کتب سماوی میں کچھ نہو تو بھلا اسمیں خدائی ہاتھ یا الہام کی کیا ضرورت تھی لیکن بد قسمتی سے اعتقاد فاسدہ نے مذہب کا منصب لے لیا۔ اور لوگوں کو گمراہی اور ضلالت کے گڑھے میں ڈالدیا اندھی تقلید اور ایمان بلا فہم سے انسانی دماغ اور ذہن بالکل زائل ہو گئے۔ توہم پرستی نے بھی خوب غلبہ پایا۔ اور بہت سی قوموں نے اس قسم کے عقائد اور اصول اختیار کر لئے جن کے ماننے سے نہ صرف عقل و فہم کو خیرباد کہنا پڑا بلکہ جو ان کے زوال اور بربادی کا باعث ہوئے۔ انسان جس کو اشرف المخلوقات بنایا گیا تھا۔ وہ خود اپنے زعم میں حقیر اور ذلیل ہو گیا۔ اور جس کو قدرت کا حاکم بنایا گیا تھا وہ اپنی محکوم قدرت کے ذرات کا شکار ہو گیا۔ ان حالات کے ماتحت یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں کہ مذہبی ترقی کے ابتدائی منازل میں انسان کا میلان شرک اور بت پرستی کی طرف ہو گیا۔ مذہب کی ستار پر افریقہ کے حبشیوں سے لے کر یورپ کے مہذب عیسائیوں تک ان سب نے سنگ پرستی سے لیکر آدم پرستی تک جتنی سُریں تھیں وہ سب کی سب بجائیں اور اس کے علاوہ اور کوئی نتیجہ ہو ہی کیسے سکتا تھا جبکہ انسان کو یہ یقین دلا دیا گیا۔ کہ وہ گناہ کے قعر عمیق میں گرا ہوا ہے۔ اور گناہ کو انسان کا فطرتی خاصہ سمجھا گیا۔ کہ ایک بڑے آدمی کی موت کی بابت جو تاریخی قصے ہیں اگر ان پر ایمان نہ لاؤ گے تو ابدی جہنم اور نار دوزخ میں جھونک دیئے جاؤ گے۔ اس سے بڑھ کر مایوس کن اور ہمت کی کمر توڑنے والی اور کونسی بات ہو سکتی تھی۔ پیدائشی گنہگار ہونے کا خیال ہی تمام انسانی ترقیات کو روک دینے کیلئے کافی ہے۔ اس سے تو سارا جوش ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ اور کوشش کرنے یا ہاتھ پاؤں مارنے کے خیال پر سر بسر پانی پھر جاتا ہے +

کفارہ پر ایمان لانا خود اپنی ہتک کرنا ہے

اگر ہم کفارہ پر ایمان لے آویں تو ہم خود اپنی نظروں میں ذلیل ہو جاتے ہیں۔ ... تو ساری

نسل انسانی کی عزت پر بٹہ لگانے والی بات ہے۔ کفارے پر ایمان لانے سے پہلے ضروری ہے۔ کہ ہم انسانی فطرت کو بہت ہی ذلیل اور گرا ہوا مان لیں۔ اور اگر ہم پیدائشی طور پر اس قدر گرے ہوئے نہیں تو ہم کو کفارے کی کیا ضرورت ہم اس سے بالا ہیں ہمیں تو ان دماغوں اور فہموں کی منطق ذرا بھی سمجھ میں نہیں آتی جو ایک طرف تو انسان کو خدا کی تصویر مانیں اور ساتھ ہی یہ بھی مانیں کہ انسان فطرتی طور پر گنہگار ہے۔ اس بات سے قطع نظر کرکے کہ یہ دو باتیں متضاد ہیں۔ اور ان کا جمع کرنا عقل صحیح کا کام نہیں ہم یہ پوچھتے ہیں کہ کیا اس قسم کے الفاظ اور عقاید سے ذات باری تعالےٰ کی توہین نہیں ہوتی۔ اگر ہم انسان کو جو خدا کی تصویر اور خلیفہ بنایا گیا ہے۔ فطرتی اور پیدائشی گناہ گار مان لیں تو نعوذ باللہ من ذالک خدا کی کیا عاک وقعت ہمارے دل میں باقی رہیگی۔ اس قسم کے عقائد کے ہوتے ہوئے کسی قسم کی ترقی کرنا سخت محال اور ناممکن ہے۔ اور مغربی ممالک میں ایسا ہی ہوا۔ جب تک اہل یورپ پر کلیسیا کا غلبہ رہا انہوں نے کوئی ترقی نہیں کی۔ ہر قسم کی اصلاح کی راہ میں کلیسیا سب سے زیادہ روک اور دافع تھا علوم اور سائنس کا گلا گھونٹنے کے لئے کلیسیا نے از حد کوشش کی۔ وہ یہ کب گوارا کر سکتے تھے کہ نور علم گرجا کی چار دیواری سے باہر جائے۔ جب کبھی کوئی ایجاد کی جاتی تو اسکو جادو اور جالا کی سے منسوب کرکے لوگوں کو اس سے الگ رکھا جاتا۔ الغرض یورومین تہذیب کی تاریخ میں جہاں کہیں کوئی ترقی کا زینہ حاصل ہوا وہیں پر کلیسیا نے اسکی سخت مخالفت کی۔ لیکن ہم یہ کہے بغیر بھی نہیں رہ سکتے کہ کلیسیا اپنی تعلیم کے مطابق حق بجانب تھا۔ ان کا ایمان تھا۔ کہ آدم کے گناہ کی وجہ سے انسان اپنے درجہ اعلےٰ سے ہمیشہ کیلئے گر گیا اور خون مسیح کے سوا اسکی نجات ناممکن ہو گئی ہے۔ سینٹ پال صاحب لکھتے ہیں۔ جس طرح ایک آدمی کے گناہ کی وجہ سے تمام انسانوں پر سزا اور لعنت کا فتویٰ چسپاں ہو گیا اسی طرح ایک آدمی کی نیکی سے تمام انسانوں کے لئے نجات کا حکم جاری ہو گیا پس جب ایکدفعہ مسیح کے خون پر ایمان لانے سے نجات کا ملنا لیقین ہو گیا۔ تو اب ان کا فرض تھا۔ ان تمام علوم کو دباتے اور بڑھنے نہ دیتے جو اس عقیدے کو باطل ٹھہرا دیں یا متزلزل کر دیں +

مذہب کی بابت باطل خیالات اور عقائد فاسد ترقی کے لئے سم قاتل ہیں

پس مذہب نے جو صورت یورپ میں اختیار کی وہ اس انسانی ترقی کے لئے روک بن گئی جو انسان کا

مقصد اعلیٰ والا ہونا چاہئے تھی۔ اسیطرح دوسرے ممالک میں بھی الہام الٰہی جیسی نعمت عظمےٰ کی قدر صحیح طور پر نہ کی گئی۔ خدا کو پہچان لینے اور اس کی پرستش کرنے کو انسانی زندگی کا مقصد قرار دیا گیا اور کہا گیا کہ اس سے انسان بہت ترقی کر سکتا ہے۔ یہ سب سچ ہے۔ لیکن یہ کیسے معلوم ہو کہ خدا کا عرفان اور اسکی پرستش کیا چیز ہے اور کس طرح حاصل ہوتا ہے۔ اگر خدا کا عرفان صرف اسکو کہتے ہیں کہ ہم خدائے احد کی ہستی پر ایمان لے آئیں اور عبادت اسکو کہتے ہیں کہ ہم اسکو بعض صفات کا ظاہر کرنیوالا مان لیں جیسا کہ بہت سے مذہب اپنے پیروؤں کو سکھاتے ہیں۔ تو ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس عقیدے یا علم سے ہماری ترقی میں کونسا اضافہ ہو جاتا ہے علاوہ ازیں اس سے تو کسی خاص مذہب کو برتر سمجھ کر اختیار کرنے کا اصول ہی مفقود ہو جاتا ہے۔ اور بت پرستی اور شرک کی ہر ایک شکل مہذب دنیا کے اکثر مذاہب کے متوازی اور برابر ہو جاتی ہے۔

اہل ہند کی جدید بت پرستی اور اہل مغرب کی انسان پرستی

موجودہ زمانے کا بت پرست جب ایک مورتی کے آگے سجدہ کرتا ہے۔ تو وہ پتھر اس کے زعم میں ایک اوتار کے قائممقام ہوتا ہے جس کا ظہور قدیم زمانے میں ہوا جس نے اپنے وقت میں بڑے بڑے معجزے اور انسانی طاقت سے بالا کام کرکے دکھائے اور جس نے لوگوں کو ہدایت کی اور اسی وجہ سے وہ خدا کہلایا۔ مغرب میں دو دن پیغمبر اور جیسیز اور ہندوستان میں رام و کرشن یہ سب انسان تھے۔ جن کو دنیا کے مختلف حصوں میں خدا نے خلق کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا۔ اپنے اپنے وقت میں ان سب میں اس قسم کے اوصاف پائے جاتے تھے جو انسانی قوت سے بالا معلوم ہوتے تھے۔ اس زمانے کی جہالت اور حسن عقیدت یا مبالغہ آمیز محبت نے صفات الوہیت بھی ان کی طرف منسوب کر دیں۔ اور آہستہ آہستہ انکی پرستش شروع ہونے لگ گئی۔ جب یہ بزرگ وفات پا گئے تو ان کی یاد کو تازہ رکھنے کے لئے ان کے مجسمہ اور بت بنا لئے گئے۔ ایک آدمی جو جناب کرشن سے دعا مانگے یا ان کی استعانت چاہے اور اپنے دل میں ہندوؤں کے خدائے واحد کا تصور باندھ لے۔ کیا اس آدمی میں کوئی فرق ہو سکتا ہے۔ جو فعل تو یہی کرے۔ لیکن کامل توجہ کو مبذول کرنے کیلئے اور تمام خیالات کو اس کی طرف منتقل کرنے کے لئے جناب کرشن کی مورت اپنی جسمانی آنکھوں کے آگے رکھ لے عقل تو ان دونوں میں فرق کرنے سے عاجز ہے +

رومن کلیسا بہتر اور افضل ہے

اور اسی وجہ سے ہم ہمیشہ رومن کیتھولک صاحبان کی عیسائیت کے زیادہ مداح ہیں۔ اگر آپ مسیح کو خدا مانتے ہیں۔ اسکو مستجاب الدعوات جانتے ہیں۔ اسکی استعانت پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اور جب کبھی حضور باریتعالی میں خلوص نیت سے متین ہونا چاہتے ہیں تو مسیح کا تصور باندھتے ہیں تو اس سے تو یہی بہتر اور افضل تر ہے۔ کہ مسیح کے مجسمہ یا اسکی مورت کو سامنے رکھ لیا کریں۔ تاکہ کامل توجہ دینے میں آسانی ہو جائے۔ اور اگر چشم بصیرت سے دیکھا جائے تو ان دو میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ اگر رومن کیتھولکس مسیح اور اسکی والدہ ماجدہ کے مجسمہ سامنے رکھنے کی وجہ سے مشرک کہلا سکتے ہیں تو پراٹسٹنس ان سے کچھ کم نہیں دُعا کرتے وقت یا نماز پڑھتے وقت وہ بھی اسی قسم کی بُت پرستی میں حصہ لیتے ہیں خیر سوال تو یہ تھا کہ جب ہم مسیح کی پرستش اس کے مجسّمے کو آگے رکھ کر یا خیالی تصوّر باندھ کر کرتے ہیں تو کس طرح یہ طرز عبادت ہماری ترقی اور تہذیب کو مدد دیکر عروج پر پہنچاتی ہے۔ فرض محال ہم اگر یہ بھی مان لیں کہ جناب کرشن یا جناب مسیح کو خدا کا اوتار ماننے سے خدا کو دیکھنے اور ملنے کی خواہش جو ہر دل میں جاگزین ہے پُوری ہو جاتی ہے۔ تو ان دیگر جذبات کو کیا کریں جو اسکے علاوہ انسان میں رکھے گئے ہیں۔ مثلاً جذبۂ محبت۔ جذبۂ اخلاق۔ رُوحانی جذبہ وغیرہ۔ آخر ان کی تکمیل کرنے اور ترقی دینے کیلئے بھی تو کوئی سامان ہونا چاہئے تھا۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ ایک خیال ہمارے دل میں گذرتا ہے۔ اور پھر ہم اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ لیکن کسی انسان کو خدا کا مظہر یا اوتار ماننے سے ہمارے خیالات یا افعال پر کونسا اثر پیدا ہو سکتا ہے۔ کسی ایک انسان کی پرستش کرنے سے ہمارا علم یا ہماری تہذیب میں کونسی ترقی ہو سکتی ہے۔ الغرض یہ کہنا کہ الہام الٰہی کی غرض صرف اسقدر ہے کہ چند باتیں خدا کی ذات کے متعلق بتا دیجائیں اور کچھ عبادت کی طرزیں سکھائی جائیں بہت ہی کچی اور غیر تسلی دہ سی بات معلوم ہوتی ہے خدا غنی حمید ہے اسکو ہماری عبادت کی کیا پرواہ ہے ہماری تقدیس یا تسبیح سے اسکی عظمت یا جلال میں کوئی فرق نہیں آسکتا

انسان کیلئے اپنی اصلاح کرنا ہی بہترین تسبیح ہے۔

حقیقی تسبیح تو یہی ہے کہ ہم وہ غرض پوری کریں جس کیلئے انسان جیسی اعلےٰ اور اشرف مخلوقات پیدا کی گئی اور الہام کو انسان کی مدد کیلئے آنا چاہئے تھا۔ تاکہ وہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے قابل ہو جائے جس کیلئے اسکو دنیا میں بھیجا گیا۔ خود اپنی اصلاح ہی ایک انسان کی بہترین تسبیح ہے اور جو مذہب اس بات کو فرض اولین کر کے

نہ سکھائے وہ تو برائے نام مذہب ہے اور سراسر دھوکا ہے +

ہر ایک انسانی نظم کی غرض و غایت ترقی اور کمال کو پہنچانا ہی سمجھی جاتی ہے تو پھر وہ نظم جس کا بانی مبانی خود خدائے قیوم ہو اسکو تو سب سے بڑھکر اس منزل مقصود پر پہنچانیکی فکر کرنی چاہئے۔ کیا اب اس بات کا کافی ثبوت نہیں ملگیا کہ ہماری فطرت میں ترقی کرنیکی لاانتہا استعدادیں موجود ہیں تو پھر وہ مذہب یا وہ صحیفہ جو اس مقصد اعلیٰ کے حصول کا کوئی راہ نہ بتائے ہم کس طرح اسکو آسمانی اور الہامی مان سکتے ہیں محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر لاکھوں درود ہوں کہ ان پر اس از سربستہ کا انکشاف ہوا مندرجہ ذیل آیات قرآنی اس حصے کے اہتمام پر ہیں جسکو ایک قسم کی تمہید یا دیباچہ کہنا چاہئے فرمایا

والذین یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک وبالاخرۃ ھم یوقنون۔ اولئک علی ھدی من ربھم واولئک ھم المفلحون (سورۃ بقرہ آیت ۳ و ۴) ترجمہ۔ اور وہ جو ایمان لاتے ہیں جو تجھپر اُترا اور جو تم سے پہلوں پر اُترا اور آخرت کا بھی یقین رکھتے ہیں یہی لوگ اپنے پروردگار کے سیدھے رستے پر ہیں اور یہی مراد پائیں گے +

یہ بات بھی غور کے قابل ہے کہ قرآن نے مفلحون کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا مادہ فلاح ہے۔ اور اسکے معنی کامیابی اور مخفیہ استعدادوں کا ظہور میں آنا ہے۔ پس قرآن کے الہام الٰہی کی غرض خواہ وہ الہام نبی کریمؐ پر ہوئے یا ان سے پہلے نبیوں پر مندرجہ بالا آیات میں یہی فرمائی ہے کہ انسان کی استعداد کامل ظہور پائیں۔ سمیں شک کہ قرآن پہلی کتابوں پر ایمان لانا بھی ضروری قرار دیتا ہے لیکن ان کا حقیقی اور اصلی ہونا اسی بات سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ کس حد تک انسانی قوے کو ترقی دینے والے ہیں ہم تمام دنیا کے انبیا کے صحیفوں کو مانتے ہیں لیکن جب تک انمیں انسانی استعدادوں کی نشو ونما کے راہ نہ پائے جائینگے۔ انکے اصلی یا حقیقی ہونیکے قابل نہیں ہو سکتے علے ہذا القیاس تمام وہ عقائد اور اصول جو دنیا کے لوگوں نے انکی طرف اب منسوب کر دیئے ہیں۔ انکو بھی ہم اسوقت تک قابل اعتماد نہیں مان سکتے۔ جب تک وہ انسان کی اصلاح میں نمایاں مدد نہ دیں۔ قرآن شریف کی پہلی آیت میں اللہ کا ذکر

رب العالمین

سے کیا گیا ہے۔ یہ جملہ دو لفظوں کا مرکب ہے۔ رب اور عالمین عالمین تو علم کی جمع ہے جس کے معنے دنیا یا جہان ہے لیکن لفظ رب بہت کچھ باتیں اپنے اندر لئے ہوئے ہے جسمیں نشو ونما کرلے۔ پالنے اور پرورش کرنے کے علاوہ تربیت کرنے تکمیل کرنے اور عروج دینے کا مفہوم بھی آجاتا ہے۔ امام راغب لفظ رب کے معنے یوں فرماتے ہیں "کسی چیز کی تربیت اس طرح پر کرنا کہ وہ یکے بعد دیگرے مختلف مدارج و منازل طے کرتا ہوا اپنے کمال کو پہنچ جائے" + گویا کہ تمام مخلوقات کا قیام صفت ربوبیت کے ماتحت ہے۔ جس نے نہ صرف پرورش اور زندگی کے سامان مہیا کئے بلکہ

پہلے ہی سے اِس قسم کی استعدادیں اوران کے ظہور کے ذرائع و اسباب پیدا کردیئے تاکہ وہ اپنے کمال کو پہنچ جائے یعنی تمام پوشیدہ استعدادیں و قویٰ ظاہر ہوکر اصلیت کی شکل اختیار کریں (اقتباس از انگریزی ترجمۃ القرآن از مولٰنا حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم اے ایل ایل بی) گویا کہ خدا کی آخری الہامی کتاب نے شروع ہی میں ہمکو ایک ایسے خدا کی پرستش سکھائی جو ہماری تکمیل نفس میں ہمارا ناصر و مددگار ہے۔ یہ جملہ رب العالمین یعنی تمام مخلوقات کی تکمیل کرنیوالا ہم کو کائنات کے مختلف مناظر اور انکی ترقی کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ قدرت کے ہر ایک ذرہ کی خلق اور پرورش کے علاوہ اسکی تکمیل بھی رب العالمین ہی کے ہاتھ میں ہے غور کرنیسے معلوم ہوگا کہ ہر ذرہ ترقی کرسکتا ہے اسمیں ایسی استعدادیں موجود ہیں جن کا پتہ ابھی سائنس کو نہیں لیکن حالات موافق ہوتے ہی وہ اپنے کمال کیطرف قدم اٹھاتے ہیں۔ کیا یہ اسقدر وسیع مشاہدہ بھی ہم کو اپنی فطرت اور اپنی تکمیل کی طرف توجہ نہیں دلاتا +

معبود

بعض کا قول ہے کہ خدا کی عبادت شکر یہ ادا کرنا اور اسکی پاکی بیان کرنا ہے۔ اور اس کا طریقہ بعض مقررہ الفاظ کا دہرانا یا بعض صفات الٰہی کو بعض حرکات جسمانی کے ساتھ بیان کرنا ہے۔ اگر ہم یہ خیال کریں کہ خدا ان حرکات جسمانی سے یا کوئی توصیف کے الفاظ سنکر خوش ہوتا ہے تو گویا ہمنے خدا کی بڑی سخت ہتک کی۔ اور اسکو ایک معمولی فرلیف انسان کے برابر بھی سمجھا۔ اگر صرف منہ سے شکریہ کرتے رہو اور لفظوں سے خدا کی عظمت بیان کرتے رہو۔ اور ان الفاظ کے مطابق کوئی عمل نہ کرو۔ تو حیف ہے ایسی نماز اور دعا پر۔ یہ تو سراسر ظاہر داری اور فریب دہی ہے حقیقی اور سچی عبادت تو وہ ہے جسمیں یہ کوشش کیجائے کہ خود انسان صفات باری تعالیٰ کا مظہر بننے کی کوشش کرے۔ خدا سے دعا مانگنے کا اصلی مفہوم ہی یہی ہے کہ ان حالات کو پیدا کیا جاوے جس کا نتیجہ خدا کی ان صفات کا ظہور ہو جن کا ذکر ہم اپنی دعا یا نماز میں کرتے ہیں۔ اگر ہم اپنی دعاؤں میں خدا کو ارحم الراحمین کہکر پکارتے ہیں تو اس کا مدعا صرف اسقدر ہے کہ ہم اپنے آپ کو رحم کے قابل بنائیں۔ اور خدا کا رحم ہم پر نازل ہو۔ اگر ایک مسلم اپنی نماز کو رب العالمین یعنی خالق پرورش کنندہ۔ تربیت دہندہ۔ تکمیل کنندہ کہکر شروع کرتا ہے تو اس سے یہی مطلب تھا کہ وہ سوچے کہ مجھ میں کونسی استعدادیں موجود ہیں۔ اور جن کی تکمیل مجھے رب سے مانگنی چاہئیے۔ اور لفظ رب یعنی تکمیل کنندہ ہمکو اسبات کی ڈھارس دیتا ہے کہ ہم اگر اس کام کو شروع کریں گے۔ تو خدا ضرور ہماری مدد کریگا پس خدا کا آخری الہام آج سے تیرہ سو برس پہلے وہ صداقت لیکر آیا جو آج بیسویں صدی عیسوی میں آکر لوگوں اور سائنس دانوں کو معلوم ہوئی ہے۔ اس نے تو کفارے کو جڑ ہی سے اکھاڑ پھینکا اور خود تکمیل نفس کی کوشش شروع کرادی۔ اور نسل انسان کیلئے اس سے بڑھکر اور کونسا بہتر راستہ صلاحیت اور کامیابی کا ہوسکتا تھا۔ کفارے کا عقیدہ اگر سچ بھی ہو تو اس کا نتیجہ اور فائدہ توم

م بعد از مدت ملیگا۔ اور تکمیل نفس کا اصول تو اسی دنیا میں ہمکو عروج پر پہنچانا چاہتا ہے اور ساتھ ہی زندگی بعد از موت کی فلاح ابدی اور کامل راحت حاصل کرنیکی کوشش میں کوئی روک وٹ پیش نہیں کرتا +

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

بہی خواہانِ اسلام و مسلم مشن ووکنگ

سے

اپیل

مکرم بندہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ جو کچھ کام اس وقت تک ووکنگ مسلم مشن خدمتِ اسلام کا فرض ادا کر چکا ہے۔ جو کچھ آئندہ کر رہا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ اور نہ اسکی ترقی و کامیابی کسی مبالغہ آمیز تحریر کی محتاج ہے۔ اب اس مشن کو قائم ہوئے چھٹا سال گذر رہا ہے۔ اور محض فضل ایزدی سے کافی تعداد انگریز نژاد اخوان وخواتین کی حلقہ بگوش اسلام ہو چکی ہے۔ ان نومسلمین میں تعلیمیافتہ اور یونیورسٹیوں کے اعلےٰ ڈگری یافتہ بھی ہیں۔ فوجی افسران مثلاً جنرل کپتان لفٹننٹ وغیرہ واہل قلم بھی ہیں۔ اعلیٰ سوشیل حیثیت کے لوگ بھی ہیں بہرحال جو کچھ بھی نصرت وکامیابی ہم کو تبلیغی رنگ میں یورپ میں ہوئی۔ وہ محض اللہ تعالےٰ کا فضل ہے۔ اور اس پر جسقدر بھی سجداتِ شکر ادا کریں کم ہیں لیکن اس کامیابی ونصرت کے ساتھ اخراجات کی افزونی بھی لازمی امر ہے۔ جس کا نتیجہ مشکلات پیدا کر دیتا ہے آپ پر خوب روشن ہے کہ موجودہ جنگ کے ماتحت انگلستان میں ہر ایک قسم کی قلت وگرانی ہے۔ اخراجات مشن سابقہ سے کہیں گنا زیادہ ہو گئے ہیں۔ اس وقت مشن مذکورہ آپ جیسے بہی خواہان اسلام کی توجہ کا اشد محتاج ہے۔ اگر ایسے آڑے وقت میں آپنے اس عظیم الشان اسلامی کام کی طرف توجہ مبذول نہ فرمائی۔ تو مجھے احتمال ہے کہ کہیں مشن کو مالی

ضعف نہ پہنچے۔ صحابہ کرامؓ و بزرگان سلف نے اشاعت اسلام کے پاک مقصد کیلئے تو جانیں تک قربان کر دینے میں دریغ نہ کیا۔ وہ دن ہماری قومی موت کا ہوگا۔ خدا وہ دن نہ لائے۔ کہ ہالی اضطراری میں ہم کو سرزمین تثلیث میں توحید کا جھنڈا اکھاڑنا پڑے۔ مسلم مشن ووکنگ آپ کا اپنا ہی مشن ہے۔ آپ مسلم ہیں۔ اور اسکی آبیاری آپ پر بحیثیت مسلم ہونے کے فرض اولین ہے۔ مشن مذکورہ کو موجودہ حالات کے ماتحت استثنائی ضرورت ہے۔ میں اس خاص فریضہ کی طرف آپ کی گرامی توجہ ایک نہایت ضروری امر کی طرف منعطف کرنے کی جرأت کرتا ہوں۔ اور قوی امید رکھتا ہوں کہ جس طرح آپ ہمیشہ خدمت اسلام کے ثواب کو حاصل کرتے رہے ہیں اس موقعہ پر بھی پوری توجہ فرما کر عنداللہ ماجور ہونگے +

زکوٰۃ کا فریضہ ایک ایسا فریضہ ہے کہ جس پر نہ صرف قرآن شریف نے بار بار زور دیا ہے۔ اور قیام نماز کے ساتھ اسے اسلام کا دوسرا رکن عظیم قرار دیا ہے۔ بلکہ ادائے زکوٰۃ اور اسکے بیت المال میں جمع ہو کر ضرورت اسلامی پر خرچ ہونے کی بھی صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہاں تک ضرورت کو سمجھا۔ کہ ان لوگوں سے جنہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا۔ جنگ کیا گیا۔ اور آج تک ان کے نام کے ساتھ مرتد کا لفظ بولا جاتا ہے +

اکثر احباب ان لوگوں کو زکوٰۃ کا روپیہ دیتے ہیں۔ جو اسکے مستحق نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں زکوٰۃ کے متعلق حکم ہے۔ کہ وہ ایک بیت المال میں جمع ہو کر مسلمانوں کی ضروریات پر خرچ ہو۔ مگر اب چونکہ وہ انتظام تو نہیں۔ اسلئے خود اشاعت اسلام سب سے بڑھ کر اس زکوٰۃ کا حقدار ہے۔ اسلام ایک بیکسی و غربت کی حالت میں ہے۔ اسکی توسیع اشاعت کا اسکی پاک صداقتوں کو دنیا میں پھیلانے کا کوئی انتظام مسلمانوں میں نہیں ہے۔ اسلئے اگر زکوٰۃ کا سارا روپیہ اشاعت اسلام میں چلا جاوے۔ تو حرج نہیں لیکن اگر بحصہ رسدی بھی ان آٹھ مصارف میں جو خود قرآن کریم نے تجویز فرمائے ہیں زکوٰۃ کا روپیہ خرچ کیا جائے۔ تو ان مصارف میں جہاد یعنی اشاعت اسلام اور مولفۃ القلوب یعنی جو لوگ اسلام کے قریب ہیں ان پر روپیہ خرچ کرنا یہ ایسے امور ہیں۔ جن کو اس وقت رسالہ اسلامک ریویو اور مسلم مشن ووکنگ ہی بہترین طریق پر ادا کر رہے ہیں۔ اسلئے میں جناب سے یہ امید رکھتا ہوں۔ کہ آپ خود بھی اپنی زکوٰۃ کی رقم میں سے کم از کم نصف ووکنگ مشن کی اغراض کے لئے مرحمت فرمائیں

اور اپنے احباب اور دیگر تعلقداروں سے بھی یہ اپیل فرمائیں۔ کہ وہ اس موقعہ پر بہ حال قرآن کریم کے حکم کے ماتحت انہوں نے اپنے اپنے مال کا ایک حصہ خدا کی راہ میں نکالنا ہے تو تبلیغ و اشاعت اسلام کے کام کو مقدم کر کے بڑا حصہ اپنی زکوٰۃ کا اس مصرف کے لئے عطا فرمائیں۔ الدال علی الخیر کفاعلہ۔

آپ اگر لوگوں کو اس نیکی کی ترغیب دینگے۔ تو آپ خود تو بہرحال اجر عظیم کے مستحق ٹھیریں گے۔ لوگوں کو نیکی کی طرف بلانا بھی بہترین کار ثواب ہے۔ اور ضرورت ہے۔ تو اس طرح تبلیغ اسلام کی مشن کو بھاری مدد اس قلت و قحط کے زمانہ میں ایسی رنگ میں پہنچ سکتی ہے۔ لیکن اس کا انحصار انہی چند احباب پر ہے۔ جو اس کام کی اہمیت کو سمجھتے اور خدمت اسلام کے لئے سچا جوش دل میں رکھتے ہیں۔ امید واثق ہے۔ کہ جناب ازراہ نوازش ان سطور پر غور و تدبر فرما کر جواب سے ضرور مشکور فرمائیں گے بحیثیت ایک مسلم کے اس کا جواب مثبت میں دینا آپ پر فرض ہے عام طور پر دیکھا گیا ہے۔ کہ چھپی ہوئی چٹھیوں پر بہت کم توجہ کی جاتی ہے۔ اور ردی کی ٹوکری میں پھینکدی جاتی ہیں۔ لیکن عریضہ ہذا ایک نیک و پاک مقصد اسلام کے متعلق ہے۔ امید ہے کہ اس سے وہ بدسلوکی روا نہ رکھی جاویگی۔ اگر جناب مسلم مشن ووکنگ کو اسکے سابقہ احسن نتائج کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے کسی اعانت و زکوٰۃ کا مستحق سمجھتے ہیں۔ تو اس آڑے وقت میں اس کی امداد کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ یوں تو مشن اللہ تعالےٰ ہی کا بپا کردہ مشن ہے۔ اور وہی اس کی آبیاری فرمائیگا۔ لیکن مبارک ہے وہ انسان جو وقت شناسی کر کے اس کار خیر میں حصہ لے کر داعی الی الخیر کے زمرہ میں شامل ہوتا ہے۔ توحید کا ڈنکا چار اکناف عالم میں بجانا آنحضرت صلعم کی بعثت کی غرض اولین تھی۔ دوستو اس کے لئے اٹھو اور جاگو+

تمام ترسیل زر بنام شیخ رحمت اللہ منیجر اسلامک ریویو مالک انگلش ویئر ہاؤس
نولکھا لاہور ہو

مختلف علمی - مذہبی - تمدنی - اخلاقی تصنیفات

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
رسول عربی	۶ر	جمیلہ خاتون ..	۳ر	حالات زمین	۵ر
جنت رسولؐ	۵ر	علم کی دیوی	۵ر	تعلیم الصبیان	۲ر
حکایت شعاری	۴ر	قومی گیت ..	۴ر	لائق ماں کا لائق بیٹا	۳ر
چڑیا چڑے کی کہانی	۳ر	خوش انجام	۲ر	حجاب النساء ..	۳ر
آداب نسوان	۶ر	راحت جنت ..	۳ر	تربیت النساء	۵ر
سہیلی نامہ ..	۶ر	ناصح مشفق	۳ر	کرن	۱ر
صبر کی دیوی	۳ر	لیکچر اسلام	۲ر	تاثیر صحبت	۸ر
لاڈلا بیٹا	۳ر	لوری نامہ ..	۲ر	دیوانہ	۱۰ر
عقیلہ بیگم	۲ر	زنانہ خطوط	۵ر	باورچی خانہ	۴ر
حوران جنت ..	۴ر	اخلاقی کہانیاں	۴ر	بنو کہانیوں کا دلچسپ مجموعہ	[illegible]

سیرۃ النعمان یعنی حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کی سوانحعمری — مصنفہ شمس العلماء مولینا شبلی نعمانی حصہ اول میں امام صاحب کا حسب و نسب ولادت سن رشد تعلیم و تربیت شیوخ حدیث درس و تدریس لقب نہ کی لو دربار کے تعلقات و فات اخلاق و عادات مناظرات فتاوے ذہانت و طباعی اس قسم کے تمام حالات نہایت تفصیل سے مذکور ہیں دوسرے حصہ میں امام صاحب کے اقوال و مسائل جو علم کلام اور فن حدیث کے متعلق ہیں تفصیلی بحث خاتمہ میں امام صاحب کے نامور اور ممتاز شاگردوں کے مختصر حالات ہیں قیمت عہ

الفاروق — شمس العلماء مولینا شبلی نعمانی نے برسوں کی جانکاہی اور محنت سے حضرت عمر فاروقؓ کے حالات پر جو ضخیم کتاب تیار کی ہے اور جس کیلئے انہوں نے ممالک عثمانیہ و مصر کا سفر کیا اور بیشمار تاریخی کتابوں کی ورق گردانی کر کے تیار کی قیمت [illegible]

المامون — مصنفہ شمس العلماء شبلی نعمانی اس کتاب کے دو حصے ہیں پہلے حصے میں تمہید تربیت خلافت مامون رشید کی ولادت تعلیم و تربیت ولیعہدی تخت نشینی خانہ جنگیاں فتوحات ملکی اور وفات کے حالات ہیں دوسرے حصے میں ان مراتب کی تفصیل ہے جن سے اس عہد کے حالات اور مامون رشید کے تمام اخلاق و عادات کا اندازہ ہو سکتا ہے قیمت ۸ر

الغزالی یعنی امام غزالی علیہ الرحمۃ کی سوانحعمری مصنفہ شمس العلماء مولوی محمد شبلی صاحب نعمانی قیمت صرف عہ

مطبوعہ یونین سٹیم پریس لاہور

(رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸)

چندہ سالانہ سات روپیہ (انگریزی) — قیمت سالانہ مسلمانوں کے لیے پانچ روپیہ

اسلامک ریویو ووکنگ لنڈن

ایڈیٹر حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی و حضرات مولوی صدرالدین صاحب بی اے بی ٹی

بلاد غربیہ میں اشاعت اسلام کا مشعل دار تثلیث کے مرکز میں توحید کا پیغامبر۔ قرآن کریم کے حسن و جمال کا فوٹو

آنحضرت صلعم کے پاک حالات اور آپ کے خلق عظیم کا آئینہ۔ حسن سیرت و معاشرت کا فوٹو علمی۔ ادبی۔ تمدنی۔

اخلاقی و اصلاحی مضامین کا دلنواز مجموعہ آنحضرت صلعم کے مختلف شعبہ ہائے زندگی کا دلکش مرقع۔ ملت بیضا

کی طرف دین اسلام کی دعوت کا واحد ذریعہ سیاہ ظلمت و شب دیجور کی تاریکی میں تجلی کا کام کرنیوالا ایک ہی

انگریزی زبان میں ماہواری رسالہ جس نے ایسے وقت میں جبکہ اسلام کے چہرہ پر افترا۔ غلط فہمی اور غلط بیانی کی سیاہ چادر

پڑی ہوئی تھی۔ اس نے اس چادر کو پھاڑ اسلام کے منور چہرہ سے یورپین آنکھ میں چکاچوند کردی۔ اس کا

اردو ترجمہ رسالہ **اشاعت اسلام** (ے سالانہ) ماہواری لاہور سے شائع ہوتا ہے۔ ہر دو ماہواری

رسالوں میں ہر ماہ نومسلمین و نماز عیدین کی تصاویر ہوتی ہیں +

المشتہر منیجر اسلامک ریویو و اشاعت اسلام عزیز منزل لاہور

ضروری اعلان

کہ مندرجہ ذیل ہر سہ احباب دفتر ہذا کی طرف سے بطور سفیر دورہ پر ہیں تاکہ رسالہ اسلامک ریویو و رسالہ اشاعت اسلام کی مختلف مقامات پر توسیع اشاعت کریں۔ امید واثق ہے کہ ناظرین کرام ان کا ہاتھ اس اسلامی خدمت میں

بٹا کر عند اللہ ماجور ہوں گے +

۱۔ جناب بر محمد خان صاحب ہیڈ کلرک دفتر کیمیکل اگزیمینر نینی تال انہوں نے فی سبیل اللہ سفارت مسلم مشن ووکنگ منظور فرمائی ہے

اور تقریباً قریباً تمام ہی ہندوستان کا سال بھر میں دورہ فرماتے ہیں اور مشن کیلئے بھی دوران دورہ میں تحریک فرماتے رہتے ہیں +

۲۔ خواجہ عبد المجید صاحب دہلی۔ آگرہ کانپور کی سے ہوتے ہوئے انشاء اللہ بنگال و برہما پہنچینگے +

۳۔ خواجہ عبد الغنی منیجر اشاعت اسلام عنقریب انشاء اللہ جنوبی ہند کی طرف روانہ ہونگے +

ضروری نوٹ کہ رنگون دیوبی کلکتہ بنگال و برہما کے کل ناظرین رسالہ از راہ کرم خواجہ عبد المجید صاحب کو اور جنوبی ہند کے خواجہ عبد الغنی منیجر رسالہ ہذا کو ہر ایک قسم کی امداد دے کر عند اللہ ماجور رہیں +

Khwaja Abdul Ghani دستخط منیجر بحروف انگریزی

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

ماہوار رسالہ

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا مجریہ لندن

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین بی اے ایل ایل بی مسلم مشنری

مولوی صدر الدین بی اے بی ٹی

قیمت تین روپے سالانہ

اس سے بڑھ کر اور کوئی نیکی نہیں کہ آپ رسالہ ہذا کی خریداری بڑھائیں کیونکہ انہیں رسالوں کی بدولت تک مسلم ووکنگ مشن کے اخراجات کی کفیل ہے۔ رسالہ ہذا کی دس ہزار اشاعت ووکنگ مشن کے لیے اخراجات کی ذمہ دار ہو سکتی ہے +

جلد (۴) | بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۱۸ء | نمبر (۳)

فہرست مضامین

مسلم پرنٹنگ ورکس لاہور میں باہتمام لالہ دیوی چند پرنٹر کے چھپوا کر ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ سکرٹری انجمن اشاعت اسلام لاہور نے شائع کیا

ووکنگ مسلم مشن

ناظرین کرام ووکنگ مسلم مشن کے کارہائے نمایاں سے خوب واقف ہیں۔ اللہ تعالےٰ کا فضل و احسان ہے کہ اسکو گذشتہ سالوں میں ہر قسم کی نصرت و کامیابی ہوئی۔ اس مشن کو قائم ہوئے اب چھٹا سال گذر رہا ہے۔ اس چھ سال کے عرصہ میں نہ صرف اسلام کی تبلیغ کی راہ ہی صاف ہوگئی ہے۔ کہ جس اکیلے کام پر اگر تیس سال بھی لگ جاتے تو بہت نہ تھے۔ بلکہ ایک خاصی بڑی قابل و اہل قلم نومسلمین کی جماعت پیدا ہوگئی ہے لیکن ہمیں افسوس سے لکھنا پڑتا ہے۔ کہ **اسلامک ریویو** انگریزی جس کے ذریعہ سے یہ تبلیغ اس وقت ہو رہی ہے۔ اس کا حلقہ اشاعت دن بدن تنگ ہو رہا ہے۔ اس طرف موجودہ حالات کے ماتحت یورپ میں ہر ایک چیز کی قلت و گرانی ہے۔ اخراجات طبع و کاغذ میں بھی قیمت کا کئی گنا زیادہ اضافہ ہو گیا ہے۔ اسلئے اشاعت اسلام کے پاک مقصد سے جو ہمدردی رکھتے ہیں۔ وہ اس وقت مشن کی امداد کیلئے کھڑے ہو جائیں۔ وگرنہ ان کی عدم توجہ سے مشن مذکورہ کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے +

بہی خواہاں مسلم مشن ووکنگ مندرجہ ذیل طریقوں سے اس وقت مشن مذکورہ کی اعانت فرما سکتے ہیں :-

۱- رسالہ اسلامک ریویو انگریزی کی انگریزی دان احباب میں اور اردو دان احباب میں اردو ترجمہ اشاعت اسلام کی توسیع اشاعت فرمائیں۔ کیونکہ انہیں رسالوں کا منافع بہت حد تک مسلم مشن ووکنگ کے اخراجات عظیم کا کفیل ہے اور کم از کم ازراہ کرم تین جدید خریدار سر ایک خریدار عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں +

۲- اپنے اپنے شہر کے معزز و ذی اثر مسلم احباب کی خدمت میں اس مشن کی مالی اعانت کے لئے تحریک فرمائیں +

۳- اپنے حلقۂ اثر میں یورپ میں مفت رسالہ اسلامک ریویو کی تقسیم کے لئے تحریک فرمائیں۔ اور جو تبلیغ اسلام کا شیدائی صرف رحمت فرمائیں تو ہم ان کی جگہ ایک انگریزی رسالہ یورپ میں مفت بطور تبلیغ تقسیم کرینگے +

کسی قدر افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ سالانہ وی پی پر رسالہ اشاعت اسلام کے پانچ صد کے قریب خریداران نے وی۔پی سے انکار کر دیا ہے۔ بعض وقت بالضرور ایسا ہوتا ہے کہ ڈاکیہ کی غلطی سے رسالہ واپس ہو جاتا ہے۔ آپ سمجھ سکتے ہیں۔ کہ اس طرح رسالہ کا انکار کس قدر عظیم اثر اشاعت اسلام کے کام پر ڈالتا ہے۔ بہرحال اشاعت اسلام کے خریداران کا اس وقت فرض ہے۔ کہ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے کم از کم ۲ جدید خریدار فراہم فرما کر عند اللہ ماجور ہوں +

مینیجر اشاعت اسلام بک ڈپو عزیز منزل نولکھا لاہور



Habeeba. Yusuf Akbar. Rasheeda. Sufiyya.

A BELGIAN MUSLIM FAMILY.

ضمیمۂ ... (partial top line)

اشاعت اسلام

ترجمۂ اُردو اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا مجریہ لنڈن

جلد (۴) بابت ماہ مارچ ۱۹۱۸ء جلد (۳)

شذرات

اِس ماہ کے رسالہ کے ساتھ بلجیم مسلم خاندان کی تصویر شائع ہوتی ہے - جو کہ آنحضرت صلعم کے قدموں تلے آچکے ہیں - اور اس تصویر میں دائیں طرف نمبر ۱ پر صفیہ ہیں - جو کہ باقی تین بچوں کی والدہ ماجدہ ہیں - نمبر ۲ پر رشیدہ نمبر ۳ پر یوسف اکبر اور نمبر ۴ پر حبیبہ ہیں - یہ انکے اسلامی نام ہیں۔

ہمارے لنڈن مسلم ہوس کی تبلیغی کوششیں بھی محض فضل ایزدی سے روز افزوں ترقی پر ہیں اور پبلک میں مذہبی مذاق پیدا کرنے میں بہت حد تک کامیاب ہو رہی ہیں - ہر اتوار باقاعدہ لیکچر منعقد ہوتے ہیں - جن کی تفصیل ذیل میں دیگئی ہے - اور ان لیکچروں میں سامعین کی تعداد ہر اتوار بڑھتی چلی جاتی ہے - اور سامعین بڑے ذوق وشوق سے لیکچروں کو سُنتے ہیں - اور ان کی قدر کرتے ہیں - چنانچہ گذشتہ دو ماہ کے لیکچروں کا نہایت ہی دلچسپ خاصہ یہ تھا کہ مضمون تو ایک ہی تھا لیکن مختلف پہلوؤں سے اس پر روشنی ڈالی گئی - اور چونکہ ان مضامین میں مذہب کے ساتھ ساتھ مختلف مواقع پر سائنس کے ضروری اور خاص خاص حوالجات بھی دیئے گئے

اسلئے یہ مذہب اور سائنس کا مطالعہ متقابلہ اسلامی تعلیم کی روشنی میں عوام الناس کیلئے بہت سود مند ثابت ہوا - ذیل میں ان لیکچروں کی فہرست دیجاتی ہے - جن پر گذشتہ دو ماہ میں مبسوط بحث ہو چکی ہے +

(۱) سائنس اور مذہب
(۲) سائنس و الہام
(۳) مختلف اقوام کی الہامی کتب
(۴) تمام الہامی کتب کا نچوڑ قرآن میں ہے -

ہماری مسلم لٹریری سوسائٹی بھی اپنے مفید مذہبی مقصد میں ترقی کر رہی ہے - ہر پندرھویں یوم جلسے منعقد ہوتی ہیں - اور ان جلسوں میں عمدہ عمدہ مضامین پر لیکچر دیئے جاتے ہیں - اور سامعین حسب معمول بڑے شوق سے اس میں بھی حصہ لیتے ہیں - ان مواقع پر مضامین پر بحث دینی و دنیوی دونوں مذاق کے ہوتے ہیں - اور موخر الذکر مضامین اکثر سامعین کی توجہ اختتام لیکچر پر خاص طور سے اُس عجیب و غریب اتحاد (یا ہم آہنگی) کیطرف مبذول کرتے ہیں - جو تعلیمات اسلام اور موجودہ سائنس کے درمیان پائی جاتی ہے - ڈاکٹر سلیمان صاحب نے مسئلہ ارتقا پر عالمانہ تقریر کی - جو کہ ان کی محنت شاقہ و علمیت کا نتیجہ تھی - اور اسکے بعد ایک طول طویل اور مفید بحث اس پر ہوئی - مسٹر اصفہانی صاحب نے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نصیحت آمیز تاریخی مطالعہ کا لیکچر دیا - وہ بھی ان کی علمی قابلیت و تحقیقات کی بین دلیل تھی - اور یہ بھی بڑے حظ و شوق سے سنا گیا -

---

ہمارے ووکنگ کے اتوار کے لیکچر بھی حسب معمول جاری ہیں - اور گذشتہ چند ہفتوں میں جو مضامین زیر بحث رہے اُن کی تفصیل یہ ہے :-

(۱) حقیقت جہنم -
(۲) کیا انسان فطرتاً گنہگار ہے
(۳) الہام کی ضرورت

پندرہ روزہ اتوار کے لیکچر بمعہ نماز کے ۱۱۱ کیمپ ڈن ہل روڈ - ناٹنگ ہل گیٹ ویسٹ لندن میں بوقت سوا تین بجے باقاعدہ ہوتے رہے ہیں - اور مندرجہ ذیل لیکچر حضرت خواجہ کمال الدین صاحب

مسلم مشنری نے مختلف تاریخوں پر مختلف مضامین پر دیئے جو ذیل میں درج ہیں:-

۹ دسمبر ۱۹۱۷ء۔ حضرت ابراہیم کا مذہب
۲۲ دسمبر ۱۹۱۷ء۔ حضرت عیسیٰ کا مذہب۔
۶ جنوری ۱۹۱۸ء۔ خدا کی وحدانیت پر ایمان اور اُس کا انسانی زندگی پر اثر۔

ذیل میں دو اعلان شائع کئے جاتے ہیں جو حال ہی میں ووکنگ ہیڈ آفس سے موصول ہوئے ہیں جو کہ ناظرین کرام کی خوشنودی کا باعث ہونگے۔ بہر حال جو کچھ بھی آج تک تبلیغی رنگ میں ہم کو کامیابی نصرت ہوئی۔ وہ محض فضل ایزدی ہے۔ اور اس پر جس قدر بھی سجدات شکر ادا کریں کم ہیں۔ ورنہ ہم کیا اور ہماری کوششیں کیا +

بلادِ غربیہ میں تبلیغ اسلام

دو خواتین کا قبول اسلام

برادران۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اس سال بھی مجلس میلاد بڑے اہتمام سے کی گئی۔ رائٹ آنریبل سید امیر علی صاحب اِس سال اس مبارک موقعہ پر تقریر کرنے کے لئے منتخب کیئے گئے۔ انھوں نے نہایت مہربانی سے اس فرض کو عمدگی کے ساتھ ادا کیا۔ کچھ تو جنگ کے باعث اور کچھ تعطیلات کرسمس کے سبب کسی اچھے ہوٹل میں جگہ نہ مل سکی۔ اسلئے ۲۹ دسمبر ۱۹۱۷ء مولود شریف کے لئے تجویز کیا گیا۔ پرنس ہوٹل پکاڈلی میں ایک شاندار کمرہ کرایہ پر لیا گیا۔ حاضرین کی تعداد اس سال بھی ڈیڑھ صد کے لگ بھگ تھی۔ ان میں قریباً ایک تہائی مسلم تھے۔ اور باقی مختلف طبقات کے ذی حیثیت اصحاب تھے۔ جن کو من وجہ اسلام سے دلچسپی تھی۔ مرزا ہاشم اصفہانی پریزیڈنٹ سنٹرل اسلامک سوسائٹی نے سید صاحب کو تقریر کرنے کیلئے بلایا اِس تقریر کا اثر خاص حاضرین پر ہوا۔ آپنے مختصر سا تاریخی تبصرہ ان مذاہب کا دیا۔ جو اسلام سے پہلے دُنیا میں تھے۔ اور ظاہر کیا کہ حالات وقت ایک مذہب چاہتے تھے۔ محاسن اسلام

بیان کرتے ہوئے آپ نے اسبات پر زور دیا کہ اسلام جو دُنیا کیلئے ایک نیا مژدہ لایا۔ وہ یہ تھا کہ خدا پرستی اور فرائض دُنیوی ادا کرنا دو ضدیں تھیں جیسا کہ مذاہب قدیمہ نے سمجھ رکھے تھے۔ اسلام دُنیا میں رہکر دُنیا سے بے تعلقی سکھاتا ہے۔ آپ کی تقریر میں وہ حصہ نہایت دلچسپ تھا۔ جسمیں آپ نے دکھلایا۔ کہ موجودہ عیسائیت تعلیم مسیح کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ اسمیں یُونانی۔ رُومی۔ مصری اور ایرانی اباطیل پرستی کے عنصر مرکب حیثیت میں نظر آتے ہیں لندن کے ٹائمز اخبار نے مولود شریف کے متعلق ایک خاص نوٹ بعنوان لندن میں اسلام درج کیا۔ اور سید صاحب کی تقریر کا خلاصہ بھی دیا۔ نومسلم حاضرین میں میجر جنرل ڈکسن خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ وہ لندن سے ۱۰۰ میل پر بود و باش رکھتے ہیں لیکن خاص اس جلسہ میں شریک ہونے کیلئے تشریف لائے اِس سال یہی پسند کیا گیا کہ اس جلسہ کو خالص مذہبی رنگ دیا جائے۔ اسلئے کسی قسم کی موسیقی کا آئیٹم پروگرام میں شامل نہ تھا +

ماہ دسمبر میں دو اور خواتین لندن مسلم ہوس میں بعد از نماز جمعہ شریک اسلام ہُوئیں۔ ایک اُن میں سے مسز کار تھیں۔ اور دوسری اُن کی ایک رفیقہ +

مسلم ہوس کے جلسے دن بدن رونق پذیر ہیں۔ اور مختلف طبقات کے لوگ لیکچروں میں شریک ہوتے ہیں +

خاکسار۔ عبد القیوم ملک بی اے (علیگ) ۔ دو کنگ

آنحضرت صلعم کا اسوۂ حسنہ

(اس مختصر سے آرٹیکل کے مصنف انگلستان کے مشہور اہل قلم مسٹر مارماڈیوک پکتھال ہیں اس میں انہوں نے اس اعتراض کا مختصر سا جواب دیا ہے۔ کہ کلمہ توحید میں رسالت کا کیوں ذکر ہے)

بعض وقت ایک آزاد خیال منتقد یہ کہہ دیتا ہے کہ ایمان بالتوحید کافی ہے۔ اور کسی خاص پیغمبر کی تعلیم کا مرہون ہو جانا ضروری نہیں اس واسطے ہمیں تمہارے عقیدے کے اس حصہ سے جس میں انسانی عنصر شامل ہے اتفاق نہیں +

میرے خیال میں اس اعتراض کی بنیاد یہ ہے کہ ان معترضین نے اسلام کو ان مذاہب جیسا سمجھ رکھا جہاں پیغمبر انکو انکے پیروں نے خدا بنا رکھا ہے۔ یا یہ سمجھنا چاہیئے۔ یہ معترضین بھی حقیقت مذہب سے بھی آشنا نہیں۔ خدا اور اسکے بندوں میں کسی سفارش کنندہ کی تو فی الواقع ضرورت نہیں۔ اور نہ پیغمبر اس اس مقصد کیلئے آئے۔ اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے پیغمبر ہیں جس نے صاف طور پر اس حقیقت کو مبرہن کیا ہاں ایک ایسے پیغمبر کی ضرورت جو نمونہ اور اسوہ ہو۔ اور نمونہ بھی ایسا کہ نہ صرف کسی قوم کیلئے بلکہ تمام مخلوق عالم کیلئے ہو یہ وہ ضرورت حقہ ہے جس کا ثبوت یہ نام نہاد عیسائی دنیا اپنے عقائد خیالات اور اعمال کی غیر ہم آہنگی اور انتشار سے دے رہی ہے حقیقی مذہب کے دو فرائض ہیں ایک خدا سے متعلق اور دوسرا انسانوں کے متعلق اور یہ دو باتیں اسلام میں ہی پائی جاتی ہیں۔ "اللہ رب العالمین ہے" یہی ایک تعریف خدا اسلام کی ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی خاص دعا میں اس حقیقت پر زور دیا "تیری مرضی دنیا میں پوری ہو"۔ وہ رسول برحق تو ضرور ہے لیکن عامۃ الناس کیلئے ان کی زندگی کوئی عملی نمونہ اپنے اندر نہیں رکھتی۔ کیونکہ پیدائش سے لیکر ان کی ساری زندگی کا دور کچھ نرالا سا واقع ہوا ہے۔ ان کے پیروؤں نے انہیں خدا بنا لیا۔ اور ان کے اس فقرہ سے کہ "میری سلطنت اس دنیا کی نہیں" ایک اچھا عذر تراش لیا۔ کہ مذہب کو دنیوی زندگی سے کچھ تعلق نہیں اور یہ امر آیندہ زندگی میں پورا ہوگا۔ لیکن یہی الفاظ انکے نزدیک جو مسیح کو خدا نہیں مانتے اپنے اندر صاف اور کھلے معنے رکھتے ہیں۔ اور ان سے صرف اسقدر مراد ہے کہ اعمال کا عوضہ آیندہ زندگی سے وابستہ ہے۔ یہودی بیشک خدا کی سلطنت کو اس دنیا سے

وابستہ سمجھتے رہے لیکن یہ الٰہی سلطنت ان کے نزدیک انہیں کے حصہ میں آئی تھی جناب مسیح نے ایک حد تک اس غلطی کو دُور کیا۔ اور خدائی قوانین کی حقیقت کو واضح کیا لیکن یہ تو رسُول کریم کا ہی حصہ تھا۔ کہ وہ قوانین الٰہیہ کو پُورے طور پر ظاہر کرتے یعنی ان قوانین کو جو اخلاق اور کائنات سے تعلق رکھتے ہیں (قرآن کا کوئی صفحہ اُٹھا کر دیکھو تمہیں وہاں قوانین کائنات اور قوانینِ الٰہیہ مترادف نظر آویں گے) یہی وہ قوانین ہیں جن کا عمل انسانی زندگی پر ہر وقت اور ہر جگہ ہو رہا ہے۔ اسی سے دُنیوی اور اُخروی حسنات پیدا ہوتے ہیں انہیں قوانین سے تکمیل نفوسِ انسانیہ ہوتی ہے۔ اور یہی قوانین جہاں ایک طرف قرآن کریم میں ہیں وہاں ان کی عملی مثال آنحضرت صلعم کی زندگی ہے۔ اسلئے میرے نزدیک یہ دو امر ایک دوسرے سے لازم ملزوم کا حق رکھتے ہیں آپکے حالات زندگی جس کا ایک ایک واقعہ تاریخ کی کسوٹی پر جچ چکا ہے اپنے اندر انسانوں کیلئے ایک مکمل راہنمائی کا جوہر لئے ہوئے ہے ان میں عسرت و ثروت مصیبت و نصرت۔ بے یاری و طاقت غرضیکہ انسانی حالات کے ہر پہلو کی ایک سچی تصویر ہے اور جو حالت بھی ہے اسمیں آپ کا طرز عمل ایک کامل اُسوہ ہے۔ آپکے کارناموں کی آب و تاب اور آپکے حالات کی تفسیر دُنیا کی عمر کے ساتھ دن بدن منور ہوتی جاتی ہے۔ اور اگر خدانخواستہ اس مقدس انسان کے وجود باجود سے دُنیا ناآشنا رہتی تو بلا شبہ مذہب ایک بے معنی اوہام پرستی اور بیجان رسمیات کا نام رہ جاتا پیغمبر خدا نے اس امر کو ثابت کر دیا۔ کہ انسان اپنی زندگی کے معمولی فرائض کو انجام دیکر بھی بالاتر قوانین الٰہیہ کا پابند ہو سکتا ہے۔ آج دُنیا بھر کے مسلمان آپ کی زندگی کے سُنہری اصولوں پر نظر کرتے ہوئے آپس کے اختلافات اور فرقہ بندیوں کو بھول جاتے وہ انسان تو ضرور تھے لیکن اللہ کی نصرت سے کام وہ کر گئے جو انسانی طاقت سے بالاتر تھا۔ وہ کام آج بھی پائدار ہے۔ گو ہماری غلط کاریوں نے اسے دھندلا کر رکھا ہے۔ ہاں یہ فرض ہمارا ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کی مدد کے بھروسے پر اسکی حقیقی خوبصورتی سے پھر از سر نو خود دُنیا کو آشنا کریں اور خود دُنیا کے فائدے کیلئے اُسے اکناف عالم میں پہنچائیں +

محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ہی تو اسلام کی جان ہے اسلام بلا محمد ایک مہمل کلام ہے اور بالا از فہم امر ہے۔ مزا یہ ہے کہ جو اعتراض آپکے مخالفین کو سُوجھا ہے وہی ایک بے بہا جوہر آپ کی زندگی میں ہے ایک تو اہم بہت انسانی لئے اُٹھیگا۔ کہ آپ کا دشمنوں کے مصائب کو صبر و تحمل سے برداشت کرنا

آپ کا اصلاح خلق کرتے ہوئے ہر قسم کی اذیت کو مکہ میں جھیلنا واقعی ایک اعلےٰ اور سچا نمونہ ہے لیکن جب آپ مدینے میں پہنچے اور طاقت پاکر فوجوں کو اپنے مخالفین کے مقابل لائے پھر آپ نے شادیاں کیں دشمن آپ کے ہاتھ سے ہلاک ہوئے۔ اور بعض ایسے امور کئے جن کا نہ کیا جاتا بدرجہا بہتر ہوتا۔ لیکن آنحضرت صلعم کی زندگی کا مقصد ان توہم پرست لوگوں کو خوش کرنا نہ تھا۔ کہ وہ چند ایک خوشکن لیکن قطعاً ناقابل عمل قواعد وضع کر جاتے۔ اور ایسا ہی مصائب و شدائد کے مقابل اعلےٰ درجہ کا صبر و تحمل و جوانمردی دکھانا بڑے اعلےٰ امور میں سے ہے لیکن صرف ایک خلق میں تو کمالات انسانی کا منتہا نہیں ہے آپ نے ان تمام طبقات انسان کیلئے جو مختلف زندگیوں اور حالات سے البتہ ہیں ان کیلئے عمل پیرا قواعد و ہدایات مرتب فرمائیں۔ اور ان قواعد کو اپنی زندگی میں عمل کا لباس پہنایا تھا۔ اگر آپ نے بذات خود فوجکشی نہ کی ہوتی تو دنیا کے سپہ سالاروں کیلئے آپ کی زندگی بے سبق و خالی از نمونہ ہوتی۔ اگر آپ نے خود نبرد آزمائی نہ کی ہوتی تو آپ ایک ایسے انسان کیلئے جو سچائی سلامتی اور انصاف کیلئے سپاہی بن کر اپنی جان پر کھیلجاتا ہے۔ ان کیلئے کیا نمونہ تھے اگر آپ نے قوانین وضع نہ کئے ہوتے تو واضعان قوانین کی کیا رہنمائی کر سکتے۔ اگر آپ نے کرسی عدالت پر بیٹھ کر انفصال مقدمات نہ کیا ہوتا تو وہ ایک جج کیلئے کس طرح مفید ہوتے۔ اگر آپ قبالہ زوجیت میں نہ آتے تو پھر نصف سے زیادہ زندگی اپنی رہنمائی کیلئے کوئی مثال نہ پاتی اور نہ آپ سبق دے سکتے۔ کہ ہم کس طرح بیوی اور بچوں سے حسن سلوک کر سکیں۔ اگر آپ نے غریب کو اذیت دینے والوں اور معصوموں پر ظلم کرنے والوں کو کیفر کردار تک نہ پہنچایا ہوتا۔ اگر اپنے دشمنوں کو مغلوب کرکے ان کو معاف نہ کیا ہوتا۔ اگر آپ نے اپنے متعلقین کی غلط کاریوں پر چشم عفو سے نہ دیکھا ہوتا۔ الغرض مختلف امور میں آپ نے زندگی کے مراحل طے نہ کئے ہوتے تو آج وہ کیسے ایک کامل نمونہ اور مکمل اسوہ دنیا کیلئے ہوتے۔ فی الحقیقت اور رہنمایان دین کے مقابل آپ میں یہ ایک ممیز نشان ہے کہ آپ نے نہ صرف انسانی زندگی کے کل شعبوں میں آبیاری کیلئے عملی قوانین دیئے ہیں بلکہ آپ خود ان قوانین پر عمل پیرا ہوئے ہیں۔* کیا ہم اسلام کو محمدؐ کے سوا سمجھ سکتے ہیں +

---

*نوٹ: ترجمۃ القرآن از مولینا مولوی محمد علی صاحب ایم اے +

تمام اخلاق عظیمہ اور مکارم اخلاق حلم و ہمدردی کی تعلیمات کاملہ جو قرآن شریف میں موجود ہیں اور جو ایک پُرعظمت اور وسیع دل کا نشان دیتی ہیں وہ سب کی سب رسول کریم کی حیات میں عملی جامہ پہن لیتی ہیں۔ اسی فراست خاتون یعنی حضرت عائشہ صدیقہ نے جن سے بڑھ کر شاید ہی کوئی اور رسول پاک کی سیرت سے واقف ہوگا۔ اس نے کیا بامعنی بات کہی ہے جس نے پیغمبر خدا کی سیرت کو نہایت خوبی سے ظاہر کر دیا ہے۔ جب اُن سے سوال کیا گیا کہ نبی کریم کی سیرت کیا تھی تو انھوں نے فرمایا "کان خلقه القرآن" کہ قرآن اُن کا خلق تھا یعنی سیرت اور اخلاق کے عالیشان مراتب جو قرآن کریم پیش کرتا ہے۔ وہ آنحضرت صلعم کی فطرتِ سلیم کی تصویر ہیں۔ وہ وسعت قلب جس کی تعلیم قرآن کریم دیتا ہے۔ ایک ترجمہ فی الاعمال چاہتی تھی۔ تا کہ ایک عام فہم دل بھی اُسے سمجھ سکے۔ اور یہ بات آنحضرت کی زندگی سے ظاہر ہوتی ہے جس میں طرح طرح کی وسیع القلبی اپنا جلوہ دکھلا رہی ہے مثلاً

اوّل۔ جہاں حضرت موسیٰ اور نوحؑ نے اپنے دشمنوں کی بے انصافی اور ظلم کے بدلے میں انکی تباہی کیلئے دعا کی رسُول خدا نے اپنے دشمنوں کے حق میں باوجود اسکے کہ وہ عداوت اور بغض میں بیحد بڑھ چکے تھے معافی اور مغفرت کی دعا کی +

دوم۔ جب نبی کریم نے مکّہ فتح کیا تو بطیب خاطر اپنے بدترین دشمنوں کو معاف کر دیا ایسے عفو کی نظیر کسی دنیوی یا مذہبی تاریخ میں نہیں ملتی +

سوم۔ آپکے مکارم اخلاق اور انکی وسعت +

چہارم۔ سینکڑوں سخت مشکلات اور مخالفت میں بےصبری اور بےقراری کا لفظ تک آپ کی زبان پر نہیں آیا۔ بالمقابل اس کے حضرت عیسیٰ نے ایلی ایلی لما سبقتنی پکارا لیکن واہ رے محمد صلے اللہ علیہ وسلم اس سے بڑھ کر مصائب کا سامنا پڑا لیکن کیا مجال کہ حرف شکایت کبھی لب تک آوے +

پنجم۔ شدید خطرات کا مقابلہ کرتے ہوئے پروردگار کی ذات پر کامل بھروسہ اور اعتماد رکھنا +

ششم۔ استقلال اور عزم جو ایسے نادر مواقع پر ظاہر ہوا +

ہفتم۔ اپنے تمام مختلف فرائض کو نہایت عمدگی سے ادا کرنا بحیثیت ایک مذہبی پیشوا

ایک اخلاقی مُقنّن - ایک دادرس حاکم - ایک سپہ سالارِ فوج - ایک حکمران بادشاہ - ایک چاہنے والا خاوند ایک شفیق باپ - ایک مخلص دوست - ایک یتیموں کا ملجا غریبوں کا حامی ایسی قسم کی اور بہت سی حیثیتوں کو آپ نے نہایت صدق و صفائی اور خوش اسلوبی سے نبھایا - آخر میں دو اور امور بھی قابل توجہ ہیں - وہ معترضین جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے - وہ خود ہی ذرا ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ اگر آنحضرت کُل بنی نوع کیلئے رہنما اور نمونہ تھے تو پھر ضرور تھا کہ دوسروں کی ہدایت کیلئے ان تمام حالات میں سے آپ خود گذرتے جن سے مختلف انسانی جماعتوں کو تعلق ہے علاوہ ازیں ہر ایک انسان میں طرح طرح کی قوتیں اور عجیب عجیب طاقتیں ہیں ان کا نشو و نما اور ظہور حالات مختلفہ چاہتا ہے بعض اخلاقِ فاضلہ کا ظہور خاص حالات کو چاہتا ہے - اگر کسی شخص کی زندگی ان حالاتِ خاصہ کے ماتحت نہ ہو تو پھر وہ اخلاق حسنہ کس طرح ظاہر ہوں - ضرور تھا کہ کُل دُنیا کا ہادی ان تمام حالات کے تحت اپنی زندگی کوئی نہ کوئی حصہ گذارے - اور ہر امتحان میں پُورا اُترکر "انک علیٰ خلق عظیم" کا مصداق ٹھہرے +

کوہِ استقلال

(اس مضمون کے مصنف ہمارے عالم فاضل پروفیسر نورالدین سٹیفن ہیں) +

آجکل دُنیا کے کام عموماً سمجھوتے سے چلتے ہیں - اور بجائے اسکے کہ حق و انصاف کی پیروی کامل طور پر کیجائے لین دین کے معاملات باہمی رضامندی سے ہو جاتے ہیں مثلاً ایک آدمی کہتا ہے کہ فلاں بات یوں ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ نہیں اصل میں یوں ہے - اور جب وہ دونوں کسی ایسے فیصلے پر نہیں پہنچ سکتے - جو دونوں کو منظور ہو تو وہ اپنی رائوں کو ایک عجب طرز سے خلط ملط کر دیتے ہیں اور وہ دونوں اس فیصلے کو تسلیم کر لیتے ہیں - جو نہ تو بالکل ٹھیک اور نہ بالکل غلط ہوتا ہے بلکہ ایک نرالا ہی مرکب ہوتا ہے - اور اس کا قدرتی نتیجہ لاانتہا فساد اور غلط فہمیاں ہوتیں ہیں - ان حالات کے دوران میں ایک ایسے آدمی کی ذات پر غور کرنا بہت ہی فرحت دہ اور خوشی کی بات ہے کہ جس نے اپنے خیالات کو مناسب الفاظ میں ادا کیا اور اس انداز سے اپنا مفہوم اپنے سامعین کو سمجھایا کہ کسی کو بال بھر

بھی شک نہ رہے۔ اس قسم کا انسان محمد صلے اللہ علیہ وسلم تھے۔ اس مضمون میں آپؐ کی سوانحعمری پر
کوئی بحث نہیں کیجائیگی۔ ہاں جہاں تک میرا علم ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ آپؐ جسمانی قوے کے لحاظ
کوئی تنومند انسان نہ تھے۔ اور آپؐکے مزاج میں زود حسی اور عزلت گزینی کی رغبت تھی۔ لہٰذا
بہ نحوبہ اپنے خیالات کو ایسے صاف اور بیّن طریق سے ظاہر کرنا جس طرح آپؐ نے کرکے دکھایا کوئی
معمولی کام نہ تھا۔ شاید سمجھوتے اور باہمی رضامندی کو کام میں لانے یا بالکل سکوت اختیار
کرنے سے زیادہ فائدہ ہوتا لیکن صداقتِ ایمانی کا جوش آپ میں اس قدر تھا کہ آپؐ نے بڑی
دلیری سے کھلم کھلا اُن کا اعلان کیا۔ جو رائے آپؐ نے مذہب اور معاشرت کے معاملات میں قائم کی
تھی وہ بہت سوچ بچار اور تجربہ کی بنا پر تھی۔ کسی چیز کے وقتی فائدے کی وجہ سے آپؐ اس سے
متاثر نہ ہوتے تھے۔ ان سب کو حق اور انصاف کی کسوٹی پر جانچتے۔ اور اپنی تسلی پورے طور پر
کرنے کے بعد آپ بالکل نڈر اور بیخوف ہو کر اپنے اُوپر بھروسہ رکھتے۔ اسمیں شک نہیں کہ اکثر
اوقات آپ کا رحم آپؐکے انصاف میں ایک گونہ کاوٹ ہو جاتا تھا لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا۔ کہ
صرف رحم کی بنا پر اپنی رائے کو بدل دیا ہو۔ یہ خیال ہمیشہ بعد از فیصلہ آیا کرتا تھا۔ مثلاً ایک منصف
یہ فیصلہ دے سکتا ہے۔ کہ واقعی ایک آدمی نے خطا کی ہے۔ اور سزا کا مستحق ہے۔ اسکے بعد یہ
خیال دل میں آسکتا ہے اور اسکے قصور کو اس پر خوب روشن کرنے کے بعد اس پر رحم کیا جاسکتا ہے
اس وجہ سے نہیں کہ وہ اس کا مستحق تھا۔ بلکہ اس واسطے کہ یہ ایک ایسے آدمی کا سلوک ہے جل
تھا جس کا مقصد ہر حالت میں اللہ تعالےٰ کی پیروی اور رضا تھی۔ اور جو انصاف کی حقیقت اور
عظمت کو یہ دکھا کر منوانا چاہتا تھا کہ انصاف و سزا کا مقصد بدلا اور انتقام نہیں۔ بلکہ اس کی
اصلی غرض وغایت اصلاح مجرم اور اظہار ترحم ہے۔ اور نبی کریم کی یہ حدیث جان کر کہ "خدا ہرگز اس
پر رحم نہیں کرتا جو مخلوق خدا پر رحم نہیں کرتا"۔ تمام سزاؤں کو رحم سے مُتبدّل اور موثر کردے +

آپؐ ہمیشہ صاف اور بیّن الفاظ میں گفتگو کرتے تھے آپؐ کا کلام معمّوں اور چیستانوں سے
مُبرا ہوتا تھا۔ آپؐ ہرگز ان آدمیوں میں سے نہ تھے۔ جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اپنے خیالات کو چھپانے
یا مشتبہ کرنے کی غرض سے ہمکو طرز بیان دیا گیا ہے۔ آپؐ کا قول اور عمل یہ تھا۔ کہ ہمیشہ سچ
کہو خواہ وہ لوگونکو بُرا اور ناپسند ہی کیوں نہ لگے۔ آپؐ کبھی بھی رازداری اور خفیہ کارروائی کو

پسند نہ فرماتے تھے۔ کیونکہ ایک موقع پر جب ایک معتقد آپ سے کچھ مشورہ لینے آیا اور کہا کہ وہ معاملہ بڑا خفیہ اور پوشیدہ ہے تو آپ نے جواب دیا کہ "اگر کوئی بات پوشیدہ رکھنی ہے تو بہتر ہے کہ تو چپ رہے کیونکہ وہ جو آہستگی سے پرندوں کو سنائی جاوے وہی ندیوں کو گا کر سنائی جاتی ہے" +

میرے خیال میں وہ وقعت اور بزرگی جو آپ کو اپنے معتقدوں میں حاصل تھی اس کا راز یہی تھا آپ ہمیشہ سیدھی بات کرتے تھے۔ خواہ جواب و مشورہ دینا ہو یا سرزنش کرنی ہو۔ جتنے کہ وہ لوگ بھی جن کیلئے وہ جواب تھا خواہ نہ ہوتا وہ بھی آپ کا مفہوم فوراً سمجھ جاتے اور یہ اقرار کرتے تھے کہ آپ نے بالکل سچائی سے اپنے دلی خیالات کا اظہار کر دیا ہے۔ مجھے یہ خوب معلوم ہے کہ آپ کی اوائل زندگی کے لکھنے والے مؤرخ اسباب کو تسلیم نہ کرینگے مگر یہ بات بالکل حق ہے اور حق ہمیشہ ظاہر ہو کر رہتا ہے۔ اور موجودہ معلومات نے آپ کی زندگی کو اور بھی قابل قدر ثابت کیا ہے اور یہ بات اظہر من الشمس ہو گئی ہے۔ کہ جس قدر الزام آپ پر لگائے گئے تھے۔ ان سب کا باعث تعصب تھا۔ یا یوں کہیئے کہ عمداً غلط بیانی اور دروغ گوئی سے کام لیا گیا تھا۔ تھامس کارلائل بھی ایک ٹکڑا لکھا ہے وہ لکھتے ہیں:۔

"وہ ایک صادق اور باوفا انسان تھا اپنے قول اپنے فعل اور اپنے خیال میں ہمیشہ سچ سے کام لیتا تھا۔ آپ کبھی مہمل بات نہ کرتے تھے۔ آپ باتونی نہ تھے۔ اور بلا ضرورت آپ گفتگو بھی نہ کرتے تھے لیکن جب کبھی آپ بولتے تو ادب عقل اور ایمانداری سے بولتے اور کسی نہ کسی معاملے پر روشنی ڈالتے" +

اس قسم کی عزت حاصل کرنا کسی مضبوط انسان ہی کا کام ہے۔ اور پھر اسکو حاصل کر کے اسکو نبھانا یہ اور بھی مشکل کام ہے۔ گویا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اپنے وقت میں ایک نہ ہلنے والی چٹان تھے۔ اور آپکے اردگرد ریت کے ذرات تھے جو ادھر ادھر اڑتے تھے۔ آپ نے محسوس کیا کہ اس نے نباتی کو تباہی سے بچانے کی حتے الوسع کوشش کرنے ہی کیلئے آپ کو مبعوث کیا گیا ہے۔ اور اس کام کو پورا کرنے کیلئے آپنے کوئی تدابیر یا ذرائع اختیار نہیں کئے۔ بلکہ ایک چٹان کیطرح آپ ثابت قدم رہے۔ اور آپکے سہارے سے کھڑے ہونے کے بعد بعض نے آہستہ آہستہ بذات خود کھڑے ہونے کی طاقت حاصل کر لی بعض نے آپکو پشت پناہ بنا کر آفات زمانہ سے پناہ لی اور

آرام و غور کیلئے ان کو فرصت ملگئی لیکن اکثر ان میں سے ہوا کے آگے چلتے گئے اور کوئی جائے قرار نہ پا سکے +

ذرا تھوڑی دیر کیلئے ان حالات پر غور کرو جن سے نبی کریم گھرے ہوئے تھے دغا فریب شراب خوری۔ بے عصمتی بے حیائی ظلم و تعدی ان سب کا بیحد زور تھا اور لوگ ہرگز یہ گوارا نہ کرسکتے تھے کہ کوئی انکے عیش میں خلل انداز ہو۔ مذہب کا حقیقی اثر زائل ہوچکا تھا۔ اور اسکی جگہ بت پرستی مادہ پرستی شمس پرستی۔ یہودیت عیسائیت اور دیگر مظاہر قدرت کی پرستش وغیرہ کو مختلف شکلوں اور رنگوں میں خلط ملط کرکے مانا جاتا تھا۔ یہ ایک ایسا کام تھا۔ جو کہ بالکل ناممکن معلوم ہوتا تھا۔ اور بہت کم لوگ ایسے کاموں کا بیڑا اٹھا سکتے ہیں۔ چند نئے خیالات و عقائد کا اس طریقہ سے رائج کرنا کہ حالات زمانہ میں بھی چنداں تبدیلی واقع نہ ہو بڑی احتیاط اور دماغ کو چاہتا تھا +

اس سے بڑھ کر کمزوری ظاہر کرنے اور مصلحت وقت کے ماتحت ہوجانے کا اور کونسا موقع ہوسکتا تھا لیکن محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی کوئی ذلیل یا حقیر ذرائع استعمال نہیں کئے۔ ناجائز ذرائع سے کام لینا بہت برا ہے۔ اور ان سے اسی طرح پہلوتہی کرنی چاہیے جس طرح دیگر افعال قبیحہ سے۔ پانی اور تیل کسی طرح حل نہیں ہوسکتے۔ اور نبی کریم خوب جانتے تھے کہ ناجائز ذرائع بالکل بے سود ہوتے ہیں۔ اور آپ نے علے الاعلان لا الہ الا اللہ کی تبلیغ شروع کی۔ آپ کے پیغام میں غلط فہمی کا خدشہ ہی نہ تھا معاملہ بالکل صاف تھا۔ ہاں یا نہ اگر خدا تعالی سب پر حاکم ہے اور رفیع ہے تو ضرور وہ بے مثال اور لاثانی ہونا چاہیے اور یقیناً وہ واحد بالذات اور واحد بالصفات باقی تمام معبود باطل میں کسی کا کوئی اختیار نہیں۔ یہ ایک ایسا اعلان تھا کہ جسمیں نہ غلط فہمی ہوسکتی تھی اور نہ ہی اس پر کوئی اعتراض ہوسکتا تھا۔ شراب خوری کے ساتھ بھی آپ نے اس طرح سلوک کیا۔ یہ ایک شجر بدی تھا جس کو آپ نے جڑوں سمیت اکھیڑ ڈالا۔ آپ نے میانہ روی کا عذر بالکل نہیں مانا۔ اور نہ ہی آہستہ آہستہ چھوڑنے کی اجازت دی بلکہ اس سے کامل طور پر الگ رہنے کا حکم دیا کسی مسلمان کو خواہ وہ کسی گوشہ زمین میں ہو آپ نے کمزوری دکھانے کا موقع ہی نہیں دیا۔ اگر ایک چیز ذاتی پلید اور گناہ کی جڑ ہے تو اس کا تھوڑا یا بہت دونو یکساں گناہ ہیں اس واسطے اسکو بالکل ہی دفع کرنا چاہیے اس میں آپ ایک چٹان کی مانند ثابت قدم رہے۔ اور کوئی انسان آپکے پاؤں کو تذبذب نہ دے سکا

ایک اور مثال لیجئے اوائل ایام اسلام ہی میں یہ خیال لوگوں کے دلوں کو بھلا معلوم ہوتا تھا کہ سزائے گناہ بجائے مجرم کے کسی اور کو مل جائے اور خدا رسیدہ اصحاب کی دعا عاصیوں کیلئے باعث حفاظت اور سزائے گناہ ثابت ہو۔ ایک بزدل انسان تو ہمیشہ اسباب کیلئے تیار رہے کہ اپنے گناہوں کا بار کسی اور کے سر پر ڈال دے اور بعض لوگ تو وہ یہ خیال کرتا ہے کہ وہ خود خدا پر اثر ڈال کر اس سے رعایت حاصل کر سکتا ہے۔ اسلئے کہ وہ اسکا مستحق تھا یا اس نے مغفرت مانگی بلکہ اس لئے کہ اس سے ایک بہتر ہستی نے اسکے لئے دعا مانگی بہت سے انسانی کام اس طریقہ سے چل جاتے ہیں۔ اور اکثر اوقات وہ انسان کامیاب نظر آتا ہے جو کامیابی کا مستحق تو نہ تھا۔ لیکن دوسرے لوگ اس کا کام کر دیتے تھے اور عموماً اس قسم کی کامیابی کی وجہ رشوت ستانی کی کوئی قسم ہوتی ہے۔ کیونکہ ایسا بہت ہی کم دیکھنے میں آیا ہے۔ کہ بلا کسی غرض و خواہش کے کوئی آدمی دوسرے کا کام کر دے۔ یہ فعل انسانی تو ہے لیکن یہ خدا کے بھی شایان ہو اور کیا یہ خیال کرنا خدا کی ہتک نہیں کہ اسکے الطاف و فضائل حق اور انصاف پر مبنی نہیں بلکہ ان لوگوں کی دعاؤں اور التجاؤں پر منحصر ہیں جن کا پیشہ پیسے لیکر یا بن پیسے دوسروں کیلئے دعا کرنا ہے +

عفو اور درگذر تو عین انصاف و ترحم ہے لیکن مجھ کو کسی اور کے گناہ کی وجہ سے سزا دینا خواہ میں اس کے عوض سزا بھگتنے کیلئے ہر طرح تیار ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ کہاں کا انصاف اور رحم ہے۔ اسیطرح یہ بھی انصاف و رحم سے بعید ہوگا کہ وہ میرے گناہوں کو اس وجہ سے بخش دے کہ مجھ سے ایک کم گنہگار انسان میرے لئے دعا کرتا ہے۔ اس موقعہ پر بھی نبی کریم نے بڑے واضح احکام دئے اور فرمایا کہ ہر ایک انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ وار ہے۔ اور کوئی انسان خالق اور عبد کے درمیان نہیں آسکتا۔ اور ہرگز کبھی اس قاعدے کے خلاف نہ ہوگا۔ حتے کہ وہ خود کسی دوسرے انسان کے لئے خدا کی رائے کو متاثر نہ کرسکیں گے۔ "اگر اللہ سے کوئی فضل چاہتے ہو تو خود التجا کرو"۔ اس قسم کا اعتقاد اس وقت کسی طرح فائدہ مند یا کامیاب ثابت نہ ہوسکتا تھا لیکن یہ عین صداقت تھی اور نبی کریم نے یہاں بھی گول مول بات کرنا اپنی شان کے شایاں نہ سمجھا +

نبی کریم کی زندگی کے حالات میں سے مندرجہ ذیل واقعہ بہت ہی لطیف اور معنی خیز ہے۔ لکھا ہے کہ ایک امیر کبیر آدمی آپکے پاس دعا کرانے آیا (اور یہ تو آپ سمجھ ہی سکتے ہیں کہ وہ خالی ہاتھ تو ہرگز نہ آیا ہوگا) لیکن آپ نے اسکو سرزنش کی اور کہا "جو چیز تم خدا سے حاصل نہیں کرسکتے

وہ میں بھی نہیں لاسکتا جاؤ اور خدا سے دعا کر کے خود مانگو۔" ملتجی نے عرض کی "یارسول اللہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ کیا مانگوں اور کس طرح مانگوں"۔ آپؐ نے فرمایا "جاؤ اللہ کے حضور کھڑے ہو اور طہارت کے بعد دعا کرو کہ اے اللہ تو خوب جانتا ہے۔ اور تیرا بندہ منتظر کرم ہے"

یہاں بھی آپ بالکل بےخوف اور ثابت قدمی کا نمونہ دکھاتے ہیں۔ بار دیگر میں کارلائل صاحب کا حوالہ دیتا ہوں وہ لکھتے ہیں:۔

"شروع میں سے جب یہ انسان حج وغیرہ کیلئے جاتا تو اس کے دل میں ہزاروں خیالات پیدا ہوتے میں کیا ہوں۔ یہ ناقابل فہم چیز جسمیں رہتا ہوں اور جسکو لوگ عالم کائنات کہتے ہیں کیا ہے زندگی کا مقصد کیا ہے۔ موت کس چیز کا نام ہے۔ مجھے کس پر ایمان لانا چاہئے۔ مجھے کیا کرنا چاہئیے۔ غار حرا اور کوہ سینا کی وحشتناک چٹانیں صحرا کے ریتیلے میدان۔ یہ بڑا کرۂ ہوائی جو خاموشی سے ہمارے سروں پر گردش کر رہا ہے یہ ٹمٹماتے ہوئے ستارے ان میں کوئی بھی ان سوالات کا جواب دے سکا۔ خود انسان کی روح اور الہام الٰہی ان استفسارات کا جواب دے سکتے تھے (ہیرو ورشپ)

اور حقیقت بھی یہی تھی اسکی روح نے اسکے دل کو اسی طرح تسکین دی جس طرح اس نے دوسروں کو دی آپؐ کے دل میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہا۔ اور اس وجہ سے آپ اسقدر مستقل اور اولوالعزم رہے آپؐ نے یہ کبھی نہیں کہا کہ میرا خیال یہ ہے بلکہ فرمایا "میں جانتا ہوں کہ یہ بات یوں ہے" آپؐ اس قدر وثوق اور بھروسہ سے بات کرتے تھے کہ شک کا احتمال بھی نہ ہوسکتا تھا بحیثیت انسان ہونیکے آپؐ میں کمزوریاں ضرور تھیں۔ مگر خدا کی قدرت اور طاقت پر آپؐ کو کامل بھروسہ تھا۔ آپؐ ہمیشہ بردباری اور خاکساری اختیار کرتے تھے۔ فرمایا "تحقیق خدا نے مجھے ایک حلیم اور بردبار بندہ بنایا ہے نہ کہ ایک مغرور بادشاہ" معلوم ہوا کہ اپنی ذات کے متعلق بھی آپ بالکل صاف گو تھے۔ اپنی حیثیت کے سمجھانے میں آپؐ نے کوئی شک نہیں رہنے دیا۔ اور اگر بعض نادان معتقدوں نے آپؐ کی ذات کیلئے ان کمالات کا دعویٰ کیا جو آپ میں نہ تھے تو اس کا الزام آپ کی ذات بابرکات پر عائد نہیں ہوسکتا۔ آپؐ کے اپنے الفاظ سے زیادہ صاف اور کیا ہوسکتا ہے۔ فرمایا "انا بشر مثلکم" "میں تمہاری طرح ایک انسان ہوں" ۔ یہ ایک ایسی بات ہے جس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اور ہر ایک انسان اسکو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ اور یہاں پر بھی آپؐ نے صدق و صفا ہی کو

روا رکھا ہے اور اگر مگر" یا "لیکن" سے اپنی حیثیت کو مشتبہ نہیں کیا - اور اپنے عقائد کی تبلیغ بڑے واضح اور کھلے الفاظ میں کی +

چونکہ اور نامہ نگاروں کے مضمون آپ کی ذات کے متعلق لکھے جاتے ہیں اس واسطے مناسب یہی ہے - کہ میں اپنے مضمون کو زیادہ طویل نہ کروں +

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ جس چیز کو آپ گناہ سمجھتے تھے اسکے نزدیک تک نہ پھٹکنے دیتے تھے خواہ اس وقت تک کے لوگ اسکو اچھا ہی کیوں نہ سمجھتے ہوں ذرا خیال تو کیجیئے کہ کتنی دفعہ آپ کو یہ خیال آتا ہوگا کہ آسان راہ اختیار کرلی جاوے - حالاتِ زمانہ کے مطابق حکم پا جاوے تاکہ آپ کے لئے سہولت پیدا ہو جائے - آپ نے کبھی ان خیالات کو اگر وہ آپکے دل میں گذرے کوئی وقعت نہیں دی - آپ کی فطرت صحیحہ اور آپکے عقائد حقہ دونوں نے آپ کو بالکل ثابت قدم رکھا خواہ دوسرے کچھ ہی کریں اور خواہ کتنی ہی مشکلات کا سامنا ہو آپ ہمیشہ حق کی طرف ہوتے تھے - اور اس طرح آپ ایک چٹان تھے - اور آپ کے اردگرد سب ریت کے ذرات تھے جو ادھر اُدھر اُڑ رہے تھے - ہوا کے تھپیڑے آپ کو لگے - آپکے خلاف منصوبے کئے گئے - آپ کے رفیقوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا - لیکن آپ نے اپنے کارِ خیر کے مقابل ان سب کو ہیچ سمجھا اور آج تک بڑے فخر سے لوگ آپ کی مستقل مزاجی اور اولوالعزمی کے مدّاح ہیں - آپ صداقت کے ستون ثابت قدمی کے پہاڑ اور حلیمی کے دریا تھے - انہیں کی بدولت آپنے تمام مخالفت پر فتح پائی - اور آج تک حق کی حمایت پر جمے رہے + نور الدین سٹیفن

لمعاتِ انوارِ محمدیہ

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاک حالات آپکے خلق عظیم کا آئینہ حسن سیرت و معاشرت کا فوٹو علمی - ادبی تمدنی اخلاقی و صلاحی مضامین کا دلنواز مجموعہ - آنحضرت صلعم کے مختلف شعبہ ہائے زندگی کا دلکش مرقع جسمیں جناب خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی و جناب مولوی صدر الدین صاحب بی اے - بی ٹی مسلم مشنری و جناب مولوی محمد علی صاحب ایم - اے ایل - ایل بی و جناب شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی (بیرسٹر) و دیگر مشاہیر قوم کے گرانقدر مضامین ہیں جو نہایت قابل دید ہے - اور آنحضرت صلعم کو مختلف حیثیتوں میں پیش کیا گیا ہے +

قیمت فی جلد ۶ / مجلد ۱۰ /

عورت اور عورت کے حقوق زیر اسلام

از قلم جناب شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی

بسلسلہ صفحہ ۷۰ اشاعت اسلام جلد ۴ نمبر ۲

طلاق

مسئلہ طلاق کو مسئلہ ازدواج سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ اور یہ انسان کیلئے مخصوص ہے قدرت نے حیوانوں اور پرندوں کو انسانوں کیطرح اِس قدر احساس اور غیرت نہیں عطا کی کہ وہ اپنے زوج سے قطع تعلق کرلیں۔ شاید یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ پرندے اور حیوان جو ایک سے زیادہ زوج نہیں رکھتے۔ ان کو فطرتاً باہمی وفا کا مادہ بہت عطا کیا گیا ہے۔ اور انکے مزاج ایکدوسرے سے اس قدر موافق ہوتے ہیں۔ کہ ان میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کی حاجت نہیں ہوتی۔ انسان کو بعض اوقات بوجہ ذی فہم عاقل اور اہل تمیز ہونے کے دوسروں سے کچھ زیادہ تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے۔ خواہ مرد اور عورت کتنی ہی احتیاط اپنے زوج کے انتخاب میں کریں لیکن پھر بھی ممکن ہے۔ کہ ان میں اختلاف اور ناموافقت پیدا ہو جاوے۔ یہ ضروری نہیں کہ ایک میاں بیوی کی ناچاکی اور ناخوشی کا باعث سوائے عصمتی کے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ اکثر اوقات دیکھنے میں آیا ہے کہ میاں اور بیوی کا مذاق اور مزاج اس قدر مختلف اور ایکدوسرے کی ضد ہے۔ کہ ان کے گھر کی ساری خوشی خاک میں ملجاتی ہے۔ شیخ سعدی نے کیا خوب کہا ہے:۔

"اگر ایک بدعورت ایک نیک گھر میں آجاوے تو وہ اِس دُنیا میں اس گھر کو دوزخ بنا دیگی اِسی طرح اگر ایک عورت کو زبردستی ایک ایسے خاوند کے سپرد کیا جاوے۔ جس کو وہ کسی طرح پسند نہیں کرتی تو باوجودیکہ عورت میں خود ناپسندی اور نفس کشی کی استطاعت زیادہ ہوتی ہے لیکن نتیجہ سوائے ناچاکی اور بدمزگی کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ سچ ہے کہ اسکو بہ نسبت مرد کے گھر سے زیادہ الفت ہوتی ہے۔ اور فطرتاً اپنے بچوں کو بہ نسبت خاوند کے زیادہ پیار کرتی ہے"

عام طور پر بھی محبت کا مادہ اسمیں زیادہ ہے۔ اور خصوصاً اپنے شوہر سے وفا کرنے کا میلان اس کا خاصہ ان باتوں میں وہ مرد سے کہیں بڑھ کر ہے۔ وہ ہر طرح کی تکالیف اور دُکھ خوشی برداشت کریگی۔ لیکن اپنے بچوں اپنے میاں اور اپنے گھر کو چھوڑنا پسند نہ کریگی۔ فرقہ اناث کی اس خصوصیت ہی کی وجہ سے سوائے نبی کریم کے جن کو عورتوں کے حقوق کی حفاظت کا فکر سب سے زیادہ تھا۔ کسی مُقنن نے آج تک یہ خیال نہ کیا۔ کہ ایسے واقعات بھی پیش آ سکتے ہیں۔ جن میں ایک عورت اپنے میاں سے طلاق لینا چاہتی ہے۔ سوائے اہل ہنود کے تقریباً ہر ایک مذہب میں مرد عورت کو طلاق دینے کا مجاز ہے۔ لیکن سوائے اسلام کے کوئی اور مذہب عورت کو یہ حق نہیں دیتا کہ وہ بھی اپنے شوہر سے طلاق حاصل کر سکتی ہے۔ یونانی۔ رومن۔ بنی اسرائیل عیسائی ان سب کے نزدیک مرد کو حق حاصل ہے کہ وہ عورت کو طلاق دے +

اہل اسلام میں ایسے مفسر بھی گذرے ہیں جنہوں نے یہ فتویٰ دیا کہ اسلام میں طلاق بالکل ناجائز ہے۔ لیکن اس رائے کو مانا نہیں گیا۔ "ردالمحتار" میں ان دلائل کا جواب دیا گیا جو طلاق کے ناجائز ہونے پر پیش کئے گئے۔ لیکن آخر میں یوں لکھ دیا ہے۔ کہ "طلاق واقعی ممنوع ہے۔ لیکن بعض حالتوں میں مباح یعنی جائز ہے۔ اور اس وجہ سے بعض مفسروں نے اسکو ممنوع قرار دیا ہے +

برخلاف اس کے اسلام میں عورت کی اس قدر عزت کی گئی ہے۔ کہ "دُرالمختار" مرد کی کمزوریوں اور جسمانی نقائص کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے۔ کہ "عورتوں کے حقوق اور مطالبات قائم رکھنے کے لئے طلاق لابد ہے۔" تاہم یہ بات تو بالکل مُسلم ہے۔ کہ طلاق سے بڑھ کر اور کوئی چیز اس عظیم الشان مقنن (نبی کریم) اسکو ناپسند نہ تھی۔ بہت سی احادیث اسبارے میں آپ سے مروی ہیں۔ فرمایا۔ "ابغض الحلل الا الطلاق" +

(۱) تمام حلال چیزوں میں خدا کے نزدیک طلاق سب سے زیادہ کریہہ اور ناپسند ہے (مشکوٰۃ شریف)

(۲) جو کوئی اپنی بیوی سے بلاوجہ قطع کرتا ہے اس پر خدا کی لعنت ہوتی ہے"+

(۳) طلاق سے بدتر کوئی اور چیز رُوئے زمین پر خدا نے پیدا نہیں کی" (ابوداؤد) +

(۴) عورتوں سے نکاح کرو اور بلاوجہ ان کو طلاق مت دو۔ کیونکہ خدا شہوت ران مرد یا عورت

پسند نہیں کرتا (مشکوٰۃ شریف) +

(۵) طلاق خدا کے عرش تک کو ہلا دیتا ہے +

(۶) غلاموں کو آزاد کرنے سے بڑھ کر کوئی اور چیز خدا کو مرغوب نہیں۔

اور طلاق سے بڑھ کر اور کوئی چیز باعث قہر خدا نہیں "

(دار قطنی) +

اور اسی قسم کے بہت سے قول حدیثوں میں مروی ہیں۔ ہر ایک مسلم خوب جانتا ہے کہ نبی کریم طلاق کو بہت ہی ناپسند کرتے تھے۔ لیکن چونکہ آپ تمام دُنیا کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ اور آپ کی شریعت ہر زمانہ اور ہر ملک کیلئے تھی۔ اس واسطے مجبوراً آپ کو طلاق کی بابت بھی قوانین جاری کرنے پڑے لیکن ذاتی طور پر آپ کو اس سے بعید نفرت تھی۔ اور آپ کی نفرت کوئی پوشیدہ امر نہ تھی۔ آپ کی یہ ناپسندیدگی قوم مسلم کیلئے باعث رحمت وبرکت ہوئی ہے۔ ملتان کے سات کروڑ مسلمان باشندوں میں لاکھ میں سے ایک بھی اجازت طلاق کو عمل میں نہیں لاتے۔ اور افغانستان اور ٹرکی کا بھی یہی حال ہے۔ ہاں حجاز اور مصر کے بعض عرب لوگ بعض دفعہ طلاق کی اس محدود اجازت کا ناجائز استعمال کرتے ہیں مسلم ممالک میں طلاق کو معاشرت کے نقطہ خیال سے بہت ہی قابل نفرین عمل خیال کیا جاتا ہے۔ اور جو کوئی بلاوجہ طلاق کو عمل میں لاوے وہ سب کی نظروں میں گر جاتا ہے۔ سب سے بڑا فرق جو عیسائیت اور اسلام کے قوانین طلاق میں ہے وہ یہ ہے کہ عیسائیت صرف ایک وجہ سے طلاق کو روا سمجھتی ہے یعنی بے عصمتی یا زنا۔ اور اس حالت میں طلاق کا فیصلہ لوگوں کے سامنے کھلم کھلا کیا جاتا ہے۔ برخلاف اسکے اسلام نے کوئی محدود شرائط طلاق کے لئے مقرر نہیں کئے۔ اور نیز اس کا فیصلہ پرائیویٹ طور پر کرنے کا حکم دیا ہے۔ الغزالی صاحب تحریر کرتے ہیں:۔

"طلاق سے الگ رہنے کیلئے حتے الوسع کوشش کرنا چاہئے۔ کیونکہ باوجود جائز ہونے کے خدا اس کو پسند نہیں کرتا اور لفظ طلاق کا ایک عورت کے سامنے صرف کہہ دینا ہی اسکو تکلیف دینا ہے اور کس طرح کسی کو تکلیف دینا روا ہو سکتا ہے۔ اور جس حالت میں طلاق بالکل لابد ہو جاوے۔ اور اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو طلاق دینے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ہی دفعہ

تین طلاق وارد نہیں ہو سکتے۔ بلکہ تین مختلف موقعوں پر تین طلاق ہو سکتے ہیں[*] اور جب عورت کو طلاق دی جاوے۔ تو اسکے ساتھ احسان کرو۔ نرمی سے پیش آؤ۔ غصہ اور سخت گوئی سے کام نہ لو بلکہ انصاف برتو۔ طلاق کے بعد مرد کو چاہیئے کہ اپنی مطلوقہ عورت کو کچھ ہدیہ پیش کرے۔ اور ہر ایک کو یہ نہ کہتا پھرے کہ میں نے فلاں فلاں قصور کی وجہ سے اپنی بی بی کو طلاق دیا ہے۔ ایک آدمی کی بابت لکھا ہے کہ جب وہ اپنی بیوی کو طلاق دینے کی تیاری کر رہا تھا تو لوگوں نے اس سے پوچھا کہ کس وجہ سے تم اسکو طلاق دے رہے ہو۔ اس نے جواب دیا۔ میں اپنی بیوی کے راز کسی پر افشا کرنا نہیں چاہتا۔ اور جب اس نے بیوی کو طلاق دیدیا تو پھر لوگوں نے اس سے وہی سوال کیا تو اس نے کہا۔ اب میں اور وہ بالکل اجنبی اور غیر محرم ہیں مجھے اسکے ذاتی معاملات سے کیا واسطہ" +

اسلام نے طلاق کے واسطے قیود اور حدود تو خوب لگا دیئے اور بڑے زور سے اسکو روکنے کی کوشش بھی کی لیکن کوئی خاص محدود شرائط اس پر عمل کرنے کیلئے نہیں بتائے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ دیگر مذاہب مثلاً عیسائیت کی طرح اسلام کسی ایک قوم یا ایک ملک کے لئے نہیں آیا تھا بلکہ اسکی تعلیم تمام دُنیا کے ہر زمانے ہر قوم اور ہر طبقے کے لوگوں کیلئے تھی۔ حضرت مسیح نے فرمایا۔ "میں تو صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لئے آیا تھا" (متی باب ۱۵ آیت ۲۴) اور بدیں وجہ اس کا مسئلہ طلاق صرف یہودیوں کے لئے مخصوص تھا۔ اور اس کا مقصد اُن کو اس گری ہوئی اخلاقی حالت سے نکالنا تھا جسمیں وہ مسیح کی بعثت کے وقت گرے ہوئے تھے اور خوبی تو دیکھیئے کہ ساری انجیل میں عورتوں یا ان کے حقوق کی بابت صرف بھی ایک مسئلہ درج ہے +

اگر ممکن ہو سکتا تو جناب مسیح رسم شادی کو بالکل ہی اُڑا دیتے اور تمام اپنے پیروؤں کو خدا کی بادشاہت کیلئے مخنث بنا دیتے +

اس زمانے کے رائج الوقت قانون موسوی کو بدلتے ہوئے اور طلاق کے وجہ کو صرف زنا عصمتی اور زنا پر محدود کرتے ہوئے جناب مسیح نے فرمایا۔

---

[*] کامل طلاق کا طریق یہی ہے کہ تین مختلف طہروں میں طلاق دیا جائے ورنہ طلاق تو ایک دفعہ کہنے سے بھی ہو سکتا ہے +

"اُس نے ان سے کہا موسیٰ نے تمہاری سخت دلی کے سبب تم کو اپنی جوروؤں کو چھوڑ دینے کی اجازت دی پر شروع سے ایسا نہ تھا اور میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی جورو کو سوا زنا کے کسی اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی عورت سے بیاہ کرے وہ بھی زنا کرتا ہے۔ اُس کے شاگردوں نے کہا۔ اگر مرد کا حال جورو کے ساتھ یہ ہے تو جورو کرنا اچھا نہیں۔ اُس نے ان سے کہا کہ سب یہ بات کو قبول نہیں کرتے ہیں مگر وہ جنہیں دیا گیا کیونکہ بعضے خوجہ (مخنث) ہیں جو ماں کے پیٹ ہی سے ایسے پیدا ہوئے۔ اور بعضے خوجہ ہیں جنہیں لوگوں نے خوجہ بنایا اور بعضے خوجہ ہیں جنھوں نے آسمان کی بادشاہت کے لئے اپنے آپ کو خوجہ بنایا جو اسکو قبول کر سکتا ہے سو کرے" (متی باب ۱۹ آیت ۸ سے ۱۲)

محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے زنا کے علاوہ ان تمام وجوہات کو زیر نظر رکھنا تھا جن کے ماتحت زندگی خانہ کی ساری خوشی خاک میں ملجاتی ہے۔ اور میاں بیوی کا اکٹھا رہنا محال و ناممکن ہو جاتا ہے عیسائی مقننوں کو مجبوراً مسیح کے اِس قانون واحد کو بھی خیر باد کہنا پڑا۔ کیونکہ وہ قانون عالمگیر نہ ہو سکتا تھا اور وہ اِس قابل نہ تھا کہ ہر طبقے کے لوگوں میں ہر واقعات میں اس پر عمل کیا جائے۔ رُوس میں جو کہ یورپ کے تمام ممالک سے عیسائیت میں بڑھا ہوا ہے وہاں طلاق دینے کیلئے ہفتیس (۲۵) وجوہات جائز رکھے گئے ہیں۔ امریکہ میں تو طلاق بچوں کا کھیل ہو گیا ہے۔ خود انگلستان میں ایسی تحریکیں کی گئی ہیں۔ کہ وجوہات طلاق کو زنا یا نے ہمتی کے علاوہ زیادہ وسیع کیا جائے۔ موجودہ مہذب دنیا کا میلان اسلامی اصول طلاق پر عمل کرنے کا ہوتا جاتا ہے۔ اور اسکو زنا کے علاوہ دیگر وجوہات کے ماتحت بھی جائز قرار دینا چاہتے ہیں۔ اور ہونا بھی اسی طرح چاہئے۔ انگلستان میں قانون طلاق غیر معمولی طور پر سخت ہے۔ اور باوجود اس کمیشن کے جس کا مقصد طلاق کے حصول کو آسان کرنا تھا اب بھی ہزاروں ایسے زن و شوہر ہیں جن کی زندگی ایک ناقابل برداشت عذاب ہے۔ اور لاکھوں ایسے ہیں جو اپنے زوج سے بالکل علیحدہ کنواروں کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں۔ ایک عورت کو اگر اس کے خاوند سے الگ کر دیا جائے۔ اسکے بچے اُس سے چھین لئے جائیں۔ نہ کوئی مونس و غمخوار تو یقیناً وہ عورت طلاق کو اس زندگی پر ہزار جا ترجیح دیگی۔ جو اسکو اپنے خاوند سے علیحدہ ہونے کے بعد بسر کرنی پڑتی ہے۔ ایک مرد پر بھی یہ بہت ہی گراں گزرتا ہے۔ کہ جب اسکو اپنی الگ کی ہوئی بیوی کے

اخراجات کا مستقل بار اٹھانا پڑتا ہے۔ اور اپنے گھر کے انتظام کیلئے الگ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اس حالت میں جبکہ مرد اور عورت کو ایک دوسرے سے الگ رہنا پڑتا ہے اور طلاق واقع نہیں ہو سکتی تو زندگی ان دونوں کیلئے بہت ہی ناگوار ہو جاتی ہے۔ اور اگر اس ناگوار زندگی سے نجات حاصل کرنے کیلئے وہ زنا کی مرتکب ہو تو اس کا فعل قابل در گذر ہونا چاہئے۔ اور ایسے حالات کے ماتحت جبکہ علیحدگی لابد ہو جائے تو عورت ہی کی خاطر طلاق جائز ہونا چاہیئے +

یہ بات ایک سربستہ راز ہے کہ کمیشن انگریزی قانون طلاق عیسائیت کے اصول طلاق پر دیگر عیسائی ممالک سے زیادہ زور دیتا ہے۔ مسٹر آرتھر کونن ڈائیل صاحب نے ستمبر ۱۹۱۷ء کے اخبار ٹائمز کو لکھا:-

"جناب من۔ قوانین طلاق کی بابت مجوزہ اصلاحات پیش کی گئی ہیں۔ انکو روکنے کیلئے لارڈ ہیلفکس نے عیسائی روایتوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ انکو یہ بات ضرور مدنظر رکھنی چاہیئے کہ دیگر تمام عیسائی اقوام نے کم و بیش ہمارے قریبی سکاٹ لینڈ کے باشندے اس معاملہ میں ہم سے بہت زیادہ وسعت قلبی کام لیتے ہیں۔ آپ اس بات پر مصر نہیں ہو سکتے کہ وہ تمام ہم سے کم درجے کے عیسائی ہیں۔ اور نہ ہی آپ اصرار کر سکتے ہیں کہ لارڈ ہیلفکس اور اُن کے متبعین ہی ایک ایسا گروہ ہیں جو اصلی حقیقی عیسائیت کی تعلیم پر کاربند ہیں۔ جو لوگ عیسائیت اور مصیبتوں کی رہائی کو ایکدوسرے کے مترادف سمجھتے ہیں۔ وہ آپ کی رائے سے ہرگز اتفاق نہیں کرینگے" +

لیڈی میور میکنزی صاحبہ نے ۲۰ اکتوبر ۱۹۱۷ء بروز منگل کے ایوننگ سٹینڈرڈ میں مندرجہ ذیل عبارت لکھی:-

کیا یہ مناسب ہے کہ ایک ایسے وقت میں جبکہ ملک جنگ میں مصروف ہو معاشرتی اصلاحوں کیلئے مثلاً ہمارے قانون طلاق کی تبدیلی کیلئے زور دیا جائے یقیناً جتنی جلدی ایک غلطی کا ازالہ کیا جائے اتنا ہی بہتر ہے۔ اور ہمارے انگریزی قوانین طلاق ہمارے لئے بحیثیت قوم کوئی باعث فخر نہیں سب سے پہلا نقص ان میں یہ ہے کہ وہ ایک غریب مرد اور غریب عورت کیلئے خواہ وہ امیر ہو یا غریب صریحًا حق تلفی ہیں۔ غیر محقق لوگوں کا بیان ہے کہ آجکل ایک غریب آدمی بھی محکمۂ طلاق سے ایک گوشت کے ٹکڑے کی قیمت خرچ کر کے طلاق حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن ایسے بیانات صرف لنڈن کے غربا کیلئے مخصوص نہیں ہونے چاہئیں۔ کیونکہ برمنگھم۔ مانچسٹر۔ لورپول یا نیوکیسل کا ایک غریب باشندہ

ہرگز کبھی طلاق حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ بات بھی یاد رکھنے والی ہے کہ مسئلہ طلاق پر جو اصل کمیشن نے رپورٹ لکھی تھی۔ اور اس پر ہماری گورنمنٹ عالیہ نے کوئی توجہ نہیں کی اس میں یہ سفارش کی گئی تھی کہ طلاق کے مقدمات کی سماعت ان کے مقامات پر ہی ہونی چاہئے۔ تاکہ وہ لوگ جو لندن سے باہر رہتے ہیں ان کیلئے بھی اسی قسم کی سہولت پیدا ہو جائے جس طرح لندن والوں کیلئے ہے لیکن ابھی تک اِس معاملہ میں کوئی توجہ نہیں ہی گئی ✦

جنگ کے آغاز میں ہم نے سپاہیوں کی غیر منکوحہ بیویوں کی بابت بہت کچھ سُنا۔ اور گورنمنٹ نے بھی از رُوئے انصاف یہ بات تسلیم کی کہ انکو اپنے اور اپنے بچوں کے گزارے کیلئے ایک وظیفہ ملنا چاہیئے جس سے وہ اپنے خاوند کی غیر حاضری میں اپنا گزارا کرے۔ اگر ہمارے قوانین طلاق انسانیت سے اس قدر بعید نہ ہوتے تو غیر منکوحہ بیویوں کی تعداد اس قدر زیادہ نہ ہوتی جو شمار کیا جاتا ہے کہ ہر سال قریباً سات ہزار وظیفے علیحدہ شدہ بیویوں کیلئے منظور کئے جاتے ہیں۔ اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ مجبور مرد اور عورت پھر کبھی جائز طور سے شادی نہیں کر سکتے۔ وہ مذہبی پیشوا اور کار کن جو حقیقی طلاق سے منع کرتے ہیں۔ وہ در اصل بہت حد تک ناجائز تعلقات کے بڑھانے اور حلال زادوں کی تعداد پیدائش کو کم کرنے کا باعث ہو رہے ہیں۔ بہت سے مجبور زن و مرد ایسے ہیں کہ وہ بڑی خوشی سے والدین بننا تو چاہتے ہیں۔ لیکن جب وہ اِس قسم کے تعلقات پیدا کرتے ہیں تو خودداری اور غیرت کا خیال اُن کو یہ اجازت نہیں دیتا۔ کہ وہ ایسی اولاد پیدا کریں جن پر حرامزدگی کا بٹہ ہمیشہ کیلئے لگ جائے اور اس طریقہ سے موجودہ رسم جُدائی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ اس قسم کی ایک شادی سے چار اشخاص اولاد پیدا کرنے سے بالکل محروم رہجاتے ہیں ✦

سلطنت برطانیہ ہی کے اندر بڑے اعلےٰ قوانین طلاق مروج ہیں میرا مطلب سکاٹلینڈ کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ لیکن اگر انگلستان اور ویلز کے اصلاح کنندگان آپس میں فیصلہ کر کے ایک درخواست پارلیمنٹ میں پیش کریں کہ ہمکو بھی سکاٹلینڈ کے نقش قدم پر چلنا چاہئے تو اسی وقت چرچ آف انگلینڈ اور بعض صاحبان ہم پر یہ فتوے دینگے کہ یہ لوگ ہمکو ایک بہت ہی اخلاق سے گری ہوئی اور تہذیب عمل کے مرتکب کرانا چاہتے ہیں ✦

وومین کوآپریٹو گلڈ کے ممبران کے مقاصد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ انگلستان کے قوانین

طلاق کی اصلاح کریں ۱۹۱۶ء میں ان کو یہ اطلاع پہنچی کہ اگر وہ اِس اصلاح کی کوشش سے درگذر کرینگی تو چار سو پونڈ سالانہ کی رقم کی اعانت جو انکو فلاں مذہبی ذرائع سے دی جاتی تھی بند کر دی جاویگی لیکن آخر میں اِس خاتون نے اِس تہدید اور دھمکی سے قطعی انکار کر دیا اور اِس کی رقم کو اپنی گرہ سے پورا کر دیا +

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ موجودہ زمانہ میں کیوں ہم زمانہ سلف کے خیالات اور اس وقت کی ناقابل فہم پیچیدگیوں کی وجہ سے اپنی زندگیوں کو بسر کرتے ہیں۔ ہم کیوں یہ بات دیکھ کر چپ ہیں۔ کہ جو چیز ایک امیر آدمی آسانی سے حاصل کر سکتا ہے اسی کیلئے ایک غریب آدمی ترستا رہتا ہے ہماری بعض بیرونی بستیوں نے وطن مادر کی اندھا دھند تقلید کو خیرباد کہہ کر شادی اور طلاق کیلئے بڑے مدلل قوانین مرتب کئے ہیں۔ گویا کہ انکی نظروں میں ہمارا اسوہ اب اس قابل نہیں رہا۔ کہ باقی دنیا اس کی پیروی کرے۔ جاپان کے باشندوں نے جب اپنی پرانی قبا اتارنی چاہی تو وہاں کے اہل علم و فہم نے مختلف ممالک کے رائج الوقت قوانین کی جانچ پڑتال کی اور یہ فیصلہ کیا کہ قوانین طلاق کے نقطۂ خیال سے انگریزی طرز بالکل پرانی اور دقیانوسی ہے۔ اور اس پر عمل ناممکن ہے۔ اور انہوں نے بعض دیگر یورپین ممالک کے قوانین طلاق کو پسند کر کے اپنے ملک میں رائج کیا +

مثلاً ملک ہالینڈ میں جہاں کے باشندے اپنے جذبات کے بندے نہیں وہاں ایک بڑا اعلیٰ قانون طلاق رائج ہے۔ اور عجیب طرح کی بات ہے کہ جب سے اہل ہالینڈ کو طلاق کے بارے میں سہولتیں دی گئی ہیں اس وقت سے مقدمات طلاق کی تعداد کم ہوتی چلی گئی ہے + مندرجہ ذیل ممالک میں طلاق جائز سمجھا گیا ہے۔ اور انمیں مرد و عورت کے حقوق میں کوئی خاص تمیز نہیں کی گئی :-

آسٹریا (صرف پراٹسٹنٹوں کیلئے) ڈنمارک۔ فرانس۔ جرمنی۔ ہنگری (پراٹسٹنٹوں یونانیوں اور یہودیوں کیلئے) ناروے۔ سویڈن۔ سوئٹزرلینڈ۔ رومانیا اور روس۔ بعینہٖ اسی قسم کا قانون پرتگال۔ کیپ برائونس۔ نیوزیلینڈ اور نیو ساؤتھ ویلز میں مروج ہیں۔ ان میں سے آخری دو ملکوں میں بعض شرطیں زائد کی گئی ہیں۔ مثلاً یہ کہ صرف وہاں کے وہ باشندے ان قوانین سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ جنکو اپنا وطن بنالیں۔ اور امریکہ کی ریاستہائے متحدہ میں مرد و عورت کو وجوہات طلاق میں ایک دوسرے کے مساوی سمجھا گیا ہے۔ یہ ایک بے جوڑ سی بات معلوم ہوتی ہے کہ صرف انگلستان میں ہی

قانون طلاق کی رُو سے عورت ایک قسم کی تعذیر کے ماتحت رہتی ہے۔ اگر ایک عورت کبھی بھولے سے ایک اخلاقی قانون کو توڑے تو اس کا خاوند بلا کسی شدومد کے طلاق نامہ حاصل کر سکتا ہے لیکن برخلاف اسکے اگر ایک خاوند کھلم کھلا اور بار بار ایک فعل شنیع کا مرتکب ہو لیکن پھر بھی اس عورت کیلئے یہ بالکل ناممکن ہوگا کہ کسی طرح وہ عقد نکاح سے آزاد ہو کر اس سے اپنا پیچھا چھڑا سکے۔ ہاں سکاٹلینڈ کی عورتیں ان حالات کے ماتحت طلاق حاصل کر سکتی ہیں +

مسز ویب جو لندن میں ڈاؤسیزن اور ریسکیو ایسوسی ایشن کی کمیٹی کے ممبر ہیں۔ انہوں نے رائل کمیشن کے سامنے بہت ہی دلچسپ شہادت پیش کی۔ ان کے خیال میں طلاق کا حق مرد و عورت کو یکساں دینا بد اخلاقی اور گناہ کو روکنے کے لئے ایک بہت کار آمد ذریعہ ثابت ہوگا۔ انہوں نے بیان کیا +

"میرے پاس اس قدر پُر زور اور جوشیلے الفاظ نہیں جن سے میں اپنے خیالات کا اظہار اس بے انصافی کی بابت کر سکوں جو مرد اور عورت کی اخلاقی حد بندی کی بابت برتی گئی ہے۔ جس چیز نے مجھے یہ کام کرنے کی ترغیب دی جو میں آجکل کر رہی ہوں وہ یہ تھی کہ جب بحیثیت ایک جوان شادی شدہ عورت ہونے کے مجھے یہ معلوم ہوا کہ ایک مرد تو کھلم کھلا ایک قابل تعزیر زندگی بسر کر سکتا ہے لیکن اسکی معصوم بیوی کیلئے سوائے علیحدگی کے اور کوئی چارہ نہیں۔ اور اگر خدانخواستہ عورت سے وہ لغزش ہو جائے (جو کہ اب ضرب المثل ہو چکی ہے) تو اس کا خاوند طلاق نامہ حاصل کر لیتا ہے۔ اور وہ بدنصیب عورت باوجود بچوں کی ماں ہونے کے تمام حقوق سلب کرانے پر مجبور کی جاتی ہے۔ لوگ جب ان عورتوں کا ذکر کرتے ہیں جو بڑی عقلمندی سے اپنے خاوند کی بیوفائی سے قطع نظر کرتی ہیں تو وہ عموماً اسبات کو بھول جاتے ہیں کہ ایسے معاملہ میں ایک اور عورت کا تعلق بھی ہوتا ہے۔ اور اکثر اوقات یہی وہ عورتیں ہیں جن کی مدد مجھے کرنی پڑی ہے +

اولاد پر بے ترس کرنے کی نیت سے بے حد شراب پینے کی عادت۔ عورت سے قطع تعلق یا بے رحمی اسی قسم کی چند باتیں طلاق دلانے کے وجوہات ہونے چاہئیں +

سر آرتھر کونن ڈائل صاحب موجودہ قوانین طلاق اور انکی اصلاح کے بارے میں مندرجہ ذیل رائے ظاہر کرتے ہیں:-

وہ قانون جو موجودہ زمانے میں ایک مرد یا عورت کو ایک بے عادی شرابی کے ساتھ زبردستی اکٹھا رکھتا ہے۔ یا جو ایک مرد یا عورت کو تمام زندگی کیلئے ایک مخبوط الحواس یا مجرم کے ساتھ زندگی بسر کراتا ہے۔ وہ بہت ہی بُرا اور قابل نفرت قانون ہے۔ یہ ہر ایک فرد بشر کے فطرتی حق کے برخلاف ہے کہ وہ ایک ایسی زندگی بسر کرنے کیلئے مجبور کیا جائے۔ جو ناقابل برداشت ہے۔ ہر ایک ذی فہم انسان اسبات کی صداقت کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ اور اگر مذہبی جہالت درمیان میں نہ ہو۔ تو آج ہی سب لوگ اسکو تسلیم کرلیں۔ مسٹر جیکسن ہیمبرلن نے اِس مسئلہ پر مندرجہ ذیل رائے زنی کی ہے:۔

سنہ ۱۹۰۷ء سے لیکر آج تک برابر انگلستان میں تعداد پیدائش کم ہوتا چلا گیا ہے۔ اور جنگ سے جو شدید نقصان پہنچے ہیں۔ ان سے آیندہ نسلوں کی جسمانی طاقت اور تعداد کو بڑا نقصان پہنچیگا یہ چونکا دینے والے واقعات ہیں اور اہل فہم کے دلوں میں خودبخود یہ سوال پیدا ہو رہا ہے کہ ہم کو اس کا کیا انسداد کرنا چاہئے۔ بیان یہ کیا جاتا ہے کہ اس مُلک میں لاکھ سے زیادہ ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے خاوندوں یا بیویوں سے قطع تعلق کرلیا ہے۔ ان میں سے بہتوں نے تو ایسے تعلقات پیدا کرلئے ہیں جن کو قانون ظاہری روا نہیں رکھتا + ہاں ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ اگر ان کے پاس روپیہ ہوتا تو ممکن تھا کہ وہ وہاں جاکر کسی کچہری کے ذریعہ سے طلاق حاصل کرلیتے۔ یہ تو ہمیں پہلے ہی معلوم تھا کہ کلیسیا اسکی مخالفت ضرور کریگا۔ لیکن کیا کلیسیا نے اِس مسئلہ میں ہمیشہ سے ایک ہی رویہ اختیار کیا ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں ہم نے اکثر پڑھا ہے۔ کہ ایسے وجوہات کے ماتحت عقد نکاح کو توڑا گیا ہے۔ جو ان وجوہات سے ہرگز زیادہ مضبوط نہیں جو ہم کو آجکل درپیش ہیں +

مباشرت کے ناقابل ہونے یا کسی اور جسمانی مرض کی وجہ سے اور بعض اوقات تو صرف سیاسی شورش کی بنا پر ان جوڑوں کو علیحدہ کیا گیا۔ جن کو یہ کہا گیا تھا کہ خدا نے تم کو ہمیشہ کیلئے ملایا ہے اور یقیناً تمکو یہ کہنے کا حق حاصل ہے۔ کہ اگر ایک زن و مرد کا یکجا رہنا محال اور ناممکن ہو جائے تو ان کو کوئی نہ کوئی سہولت دی جانی چاہیئے۔ وہ حضرات جو اصلاح قوانین ازدواج کے مخالف ہیں ذرا اِس بات کا جواب دیں کہ وہ لکھو کھا مرد اور عورت جو ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں انکی تکالیف اور مصائب کو دُور کرنے یا کم از کم اُن میں تخفیف کرنے کے لئے کونسا نعم البدل وہ بتا سکتے ہیں۔ اور وہ حضرات جو انگلستان کے قوانین طلاق میں اصلاح کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اگر وہ

تھوڑی سی تکلیف مسلم قوانین طلاق کے معاملہ میں اُٹھاتے تو بجائے اپنی اصلاحات پیش کرنے کے وہ یہ کوشش کرنے لگیں گے۔ کہ انگلستان میں مسلم قوانین طلاق رائج کئے جائیں ۔

اسلام کے قوانین طلاق کی بابت جو کچھ قرآن میں لکھا ہے اسکو مطالعہ کرتے وقت مندرجہ ذیل امور ہمیشہ مدنظر رکھنے چاہئیں ۔

(۱) اسلام کا دعوی ہے کہ وہ ایک عالمگیر مذہب ہے ساتھ ہی وہ کسی فرد بشر کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ قوانین قرآن میں کوئی تبدیلی کرے۔ اور اس وجہ سے بالکل ناممکن تھا کہ وہ کوئی خاص اور محدود شرائط سے اجازت طلاق کو مقید کرتا ۔

(۲) اسلام ہرگز کسی معمولی شرائط پر طلاق کی اجازت نہیں دیتا۔ اور چونکہ یہ مذہب اپنے پیروؤں کے اندر ایک مذہبی جوش پیدا کرنے میں بہت کامیاب ہوا ہے۔ اس واسطے ان کے تمام اعمال کی نگرانی کا سامان مہیا کر دیا ہے ۔

(۳) مسئلہ طلاق پر مسئلہ ازدواج اور قوانین حفاظتِ اولاد کے زمرہ میں اُس کے پہلو بہ پہلو رکھ کر غور کرنا چاہئے ۔

قرآن جو شادی کی غرض اور مقصد بتاتا ہے وہ یہ ہے:۔

ان خلق لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنوا علیها و جعل بینکم مودۃً و رحمۃً۔ "اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی بیبیاں پیدا کیں تاکہ تم کو ان سے راحت ملے۔ تم میں پیار اور اخلاص پیدا ہو" (سورۃ الروم آیت ۲۱) ۔

اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ انسانی معاشرت کی بہبودی اور خوشنودی کیلئے ازدواج اور شادی ایک بہت ضروری بات ہے۔ نسل انسانی کا ازدیاد اسی پر منحصر ہے۔ اور اسی واسطے طلاق لوگوں کو خواہ نخواہ بُرا لگتا ہے لیکن بعض حالات میں طلاق ایک نعمت غیر مترقبہ ہو جاتا ہے اور بہت سے گھروں کو ناخوشی اور بدمزگی سے بچا لیتا ہے۔ جب ایک مرد و عورت کا نکاح اُن کے لئے اور دوسرے لوگوں کے لئے بھی باعث تکلیف اور ابتلا ہو جاتا ہے۔ تو ضرور طلاق پر عمل کرنا چاہئے مذہب اسلام کی رُو سے شادی ایک عقد اور عہد نامہ ہے۔ اس گرہ یا عہد نامے کے ٹوٹ جانے کا نام طلاق رکھا گیا ہے ۔

اسلام نے عقد نکاح کو متبرک کرنے کیلئے کوئی خاص رسومات نہیں سکھائیں۔ طرفین کی رضامندی شادی سے پہلے مہر کا مقرر ہونا اور دو شاہدوں کا حاضر ہونا۔ جسمیں تین چیزیں ہیں جن کی موجودگی میں ایک مرد و عورت کا اسلامی طریقہ سے عقد نکاح باندھا جاتا ہے بعینہٖ اسی طرح عقد نکاح کو توڑنے کے لئے کسی رسومات کی حاجت نہیں۔ عورت کو سب لوگوں کے سامنے طلاق دینا۔ کیچڑ میں ایک گندے کپڑے کا دھونا اور اپنی زندگی کے سب پوشیدہ رازوں کو فاش کرنا یہ سب غیر ضروری اور قبیح امر ہیں۔ اسلام میں جب خاوند عقد نکاح سے آزاد ہونا چاہے تو اسکو طلاق کہتے ہیں۔ اور یہ امر بہت پوشیدہ طور سے ہو سکتا ہے۔ اور جب عورت عقد نکاح سے آزاد ہونا چاہے یا طرفین ایکدوسرے سے رضامندی سے نکاح کو توڑنا چاہیں تو اسکو خلع یا مبرات کہتے ہیں۔ اور ایسے پر عمل درآمد ایک حاکم شرع کو کرانا پڑتا ہے +

اسلام نے عقد نکاح کو توڑنے کیلئے کوئی خاص شرائط نہیں بتائے یعنی ہر ایک عقد نکاح کو اپنے مخصوص شرائط کے ماتحت توڑے جانے کی اجازت دی ہے۔ ہر ایک مرد و عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ شادی کرتے وقت شرائط طلاق ایکدوسرے سے لکھوا لیں +

اگر عورت اپنے حقوق کی حفاظت کرنے کے قابل نہ بھی ہو تو قرآن اسکی کافی حفاظت کی ہے فرمایا وان اردتم استبدال زوج مکان زوج واتیتم احدٰھن قنطاراً فلا تاخذوا منه شیئاً اتاخذونه بهتاناً واثماً مبیناً وکیف تاخذونه وقد افضٰی بعضکم الی بعضٍ واخذن منکم میثاقاً غلیظاً۔ اور اگر تمہارا ارادہ ایک بی بی کو بدلکر اُسکی جگہ دوسری بی بی کرنے کا ہو۔ تو گو تم نے پہلی بی بی کو ڈھیر سارا مال دیدیا ہو تاہم اسمیں سے کچھ بھی واپس نہ لینا۔ کیا (تمہاری غیرت جائز رکھتی ہے) کہ کسی قسم کا بہتان لگا کر اور صریح بیجا بات کر کے اپنا دیا ہوا (انہیں سے) واپس لو۔ اور دیا ہوا کیسے واپس لوگے۔ حالانکہ تم ایکدوسرے کے ساتھ صحبت کر چکے ہو۔ اور بیبیاں تم سے (مہر و نفقہ) کا پکا قول لے چکی ہیں۔ (سُورۃ النساء آیت ۲۰ و ۲۱ پ ۴) +

قرآن نے قنطار کا لفظ استعمال کر کے عورتوں کو حق دیدیا ہے کہ وہ اپنے مہر جتنے چاہیں مقرر کرائیں۔ اور مرد کو حکم ہے کہ طلاق دیتے وقت وہ کوئی چیز واپس لینے کا مدعی نہیں ہو سکتا۔ اور جو کچھ

اس نے اپنی بیوی سے وعدہ کیا ہے وہ سب اسکو ادا کرنا ہوگا۔ گویا ایک شکل میں تو طلاق کی طاقت عورت کے ہاتھ میں ہے۔ پر اب اس کا فرض ہے کہ اپنی شادی کے وقت یہ احتیاط کرے۔ کہ وہ رقم مہر جو اس کے طلب کرنے یا طلاق میں واجب الادا ہوگی وہ اس قدر ہو۔ کہ طلاق کی طاقت اسکے اپنے ہاتھوں میں رہے +

اگر شادی کے وقت رقم مہر اچھی خاصی مقرر کی جائے تو یہ ان ضعیف الایمان مسلمان خاوندوں کی جلد بازی پر ایک قانونی اور جائز روک بن سکتی ہے جو اللہ اور اسکے رسول کے احکام کی عزت نہ کرتے ہوں۔ اور اگر خود عورت عقد نکاح کو توڑنا چاہے یعنی حالت خلع حاصل کرنا چاہے تو مہر واجب نہ ہوگا بشرطیکہ کوئی اور شرائط نہ کی گئی ہوں۔ سورۃ البقرہ کے انتیسویں رکوع میں مسئلہ طلاق کی بابت جو احکام دیئے گئے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:۔ مولینا مولوی محمد علی صاحب ایم اے نے جو تشریح اور تفسیر ان آیات کی اپنے ترجمۂ قرآن میں کی ہے وہ خاص طور پر قابل توجہ ہے لیکن جگہ نہ ہونے کی وجہ سے ہم ان کے لکھنے سے معذور ہیں:۔

فرمایا۔ الطلاق مرتٰن فامساك بمعروف او تسریح باحسان ولا یحل لکم ان تاخذوا مما اتیتموھن شیئا الا ان یخافا الا یقیما حدود اللہ فان خفتم الا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ تلک حدود اللہ فلا تعتدوھا ومن یتعد حدود اللہ فاولئک ھم الظلمون ٥ فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ فان طلقھا فلا جناح علیھما ان یتراجعا ان ظنا ان یقیما حدود اللہ وتلک حدود اللہ یبینھا لقوم یعلمون ٥ واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او سرحوھن بمعروف ولا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا ومن یفعل ذالک فقد ظلم نفسہ ولا تتخذوا ایت اللہ ھزوا واذکروا نعمت اللہ علیکم وما انزل علیکم من الکتاب والحکمۃ یعظکم بہ واتقوا اللہ واعلموا ان اللہ بکل شئ علیم۔ ترجمہ۔ طلاق (جس کے بعد رجوع ہوسکتا ہے) دو ہی دفعہ ہوسکتا ہے) پھر یا تو دستور کے مطابق اسکو (زوجیت میں) رکھو یا حسن سلوک کے ساتھ رخصت

کرچھوڑو اور جو کچھ تم ان کو دے چکے ہو انہیں سے (کچھ بھی واپس لینا) جائز نہیں - مگر یہ کہ میاں بی بی خوف کریں کہ جو حدیں خدا نے ٹھیرائی ہیں وہ ان پر نہ رہ سکیں گے - اور اس صورت میں کہ تم لوگونکو اس بات کا خوف ہو کہ میاں بی بی اللہ کی حدوں پر قائم نہیں رہ سکیں گے - اور عورت (اپنا پیچھا چھڑانے کے عوض) کچھ دے نکلے تو اسمیں دونوں پر کچھ گناہ نہیں - یہ اللہ کی حدیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو - اور جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھ جائیں تو یہی لوگ برسر ناحق ہیں - اب اگر عورت کو تیسری (بار) طلاق دیدی تو اسکے بعد جب تک عورت دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے - اسکے لئے حلال نہیں - ہاں اگر دوسرا شوہر اسکو طلاق دیدے تو دونوں (میاں بی بی) پر کچھ گناہ نہیں کہ ایکدوسرے کی طرف رجوع کریں بشرطیکہ دونوں کو توقع ہو کہ اللہ کی حدوں پر قائم رہ سکینگے - اور یہ اللہ کی حدیں ہیں جن کو اُن لوگوں کے لئے بیان فرماتا ہے جو سمجھتے ہیں - اور جب تم نے عورتونکو (دو بار) طلاق دیدی - اور اُن کی عدت پوری ہونے کو آئی تو یا تو (رجوع کر کے) دستور کے مطابق ان کو (زوجیت میں) رکھو - یا (تیسری) طلاق دیکر ان کو اچھی طرح رُخصت کردو - اور ایذا دہی کیلئے ان کو نہ رکھو کہ لگو ان پر زیادتی کرنے - اور جو ایسا کریگا وہ اپنا ہی (کچھ) کھوئیگا - اور اللہ کے احکام کو ہنسی نہ سمجھو - اور اللہ نے جو تم پر احسان کئے ہیں ان کو یاد کرو اور یہ بھی کہ اس نے تم پر کتاب اور عقل کی باتیں اُتاریں کہ تو ان کے ذریعے سے نصیحت کرے - اور اللہ سے ڈرتے رہو - اور جان رکھو کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے (سُورۃ البقرہ) ؞

پھر سُورۃ الطلاق کے پہلے رکُوع میں فرمایا :-

یاایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن واحصوا العدۃ واتقوا اللہ ربکم لا تخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ وتلک حدود اللہ ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ لاتدری لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا فاذا بلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او فارقوھن بمعروف واشھدوا ذوی عدل منکم واقیموا الشھادۃ للہ ذلکم یوعظ بہ من کان یومن باللہ والیوم الاخر ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً - ترجمہ - اے پیغمبر (مسلمانوں سے کہو) جب تم بیبیوں کو طلاق دینی چاہو - تو ان کو اُنکی

عدت کے شروع میں طلاق دو اور عدت گنتے رہو۔ اور اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے ڈرتے رہو۔ (عدت میں) ان کو گھر سے نہ نکالو اور وہ (خود بھی) نہ نکلیں مگر یہ کہ کھلم کھلا (بیحیائی) کر بیٹھیں (تو نکال دو) یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جس شخص نے اللہ کی حدوں سے قدم باہر رکھا تو اس نے اپنے اوپر ظلم کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ طلاق کے بعد (ملاپ کی) کوئی صورت پیدا کر دے پھر جب عورتیں اپنی عدت پوری کریں تو (یا ان سے رجوع کر کے) سیدھی طرح ان کو رکھو یا سیدھی طرح ان کو رخصت کرو۔ اور اپنے لوگوں میں سے دو معتبر گواہ کر لو۔ اور (اے گواہو) اللہ کا پاس کر کے ٹھیک ٹھیک گواہی دینا یہ نصیحت کی باتیں ان لوگوں کو سمجھائی جاتی ہیں۔ جن کو اللہ اور روز آخرت پر یقین ہوتا ہے۔ اور جو شخص خدا سے ڈرتا رہیگا خدا اس کے لئے نجات کی شکل نکال دیگا (آیت پہلی و دوسری) +

پھر اسی سُورۃ کی چھٹی و ساتویں آیت میں فرمایا۔

اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم ولا تضاروھن لتضیقوا علیھن وان کن اولات حمل فانفقوا علیھن حتی یضعن حملھن فان ارضعن لکم فاتوھن اجورھن واتمروا بینکم بمعروف وان تعاسرتم فسترضع له اخری لینفق ذو سعة من سعته ومن قدر علیه رزقه فلینفق مما اتہ اللہ لا یکلف اللہ نفسا الا ما اتھا سیجعل اللہ بعد عسر یسرا۔ ترجمہ مطلقہ عورتوں کو (عدت کے لئے) اپنے مقدور کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم خود رہو۔ اور ان پر سختی کرنے کے لئے ان کو ایذا نہ دو۔ اگر حاملہ ہوں تو بچہ جننے تک ان کا خرچ اُٹھاتے رہو۔ پھر اگر وہ (بچے کو) تمہارے لئے دُودھ پلائیں تو انکو دودھ پلائی دو۔ اور آپس کی صلاح سے دستور کے مطابق (اجرت) ٹھیرا لو۔ اور اگر آپس میں کشمکش کرو گے تو (مرد کو کوئی اور (عورت) آسیر جاویگی جو اسکے لئے (بچے کو) دُودھ پلائیگی۔ جس کو گنجائش ہو اسکو چاہیئے کہ اپنی گنجائش کے مطابق خرچ کرے۔ اور جس کی آمدنی مقرر ہو وہ جتنا اس کو خدا نے دیا ہے۔ اس کے موافق خرچ کرے۔ خدا نے جس کو جتنا دے رکھا ہے۔ اس سے بڑھ کر کسی کو تکلیف دینی نہیں چاہتا۔ خدا تنگی کے بعد فراغت بھی جلد دیتا ہے +

قوانین طلاق کو عمداً ایک ایسی لچکدار حالت میں چھوڑا گیا ہے۔ تاکہ وہ نہ صرف تمام

ملکوں اور زمانوں کے حسب حال ہوں۔ بلکہ ذاتی اور انفرادی طور پر بھی مختلف واقعات میں قابل عمل ہو اور اس وجہ سے مندرجہ بالا آیتوں کے معانی و معارف سمجھنے میں بہت کچھ اختلاف کیا گیا ہے۔ اور وہ احکام جو نبی کریم سے مختلف مسلم قاضیوں اور مفتیوں کو اس غرض سے بتائے کہ وہ خاص حالات کے ماتحت اپنا فیصلہ یوں دیا کریں۔ ان کا مفہوم سمجھنے میں بھی بہت کچھ اختلاف رائے ہے۔ اسلامی دنیا کا اکثر حصہ اہلسنت کہلاتے ہیں وہ امام ابوحنیفہؒ کی فقہ پر عامل ہیں لیکن تمام مسلم فقہا ومتقنن خواہ وہ حنفی ہوں یا شافعی خارجی ہوں یا شیعہ سب کے سب بات پر متفق الرائے ہیں کہ جب تک خاص ناقابل گزیر وجہ پیدا نہ ہو جائیں طلاق دینا ہرگز جائز نہیں ہوتا۔ اور کوئی مسلمان مذہب اور قوانین کے رُو سے طلاق نہیں دے سکتا۔ جب تک کہ کوئی خاص ان ٹل حالات پیش آئیں۔

خود قرآن نے مرافقت اور رُجوع پر بڑا زور دیا ہے۔ اور اسباب کی طرف توجہ دلائی ہے۔ کہ ایک سچے مومن کو اللہ کے رحم اور فضل پر بھروسا کرنا چاہئے۔ ایسے حالات میں بھی جہاں میاں بیوی ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہوں۔ اور بظاہر طلاق کی ضرورت محسوس ہو وہاں بھی خدا ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے۔ کہ ایکدوسرے کی طرف رجوع کر لیتے ہیں۔ سُورۃ النسائ کے تیرے رکُوع میں فرمایا:۔

وعاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن فعسیٰ ان تکرھوا شیئاً ویجعل اللہ فیہ خیراً کثیراً (ترجمہ۔ اور بیبیوں کے ساتھ حُسن سلوک سے رہو اور اگر تم کو وہ بی بی ناپسند ہو تو عجب نہیں کہ تم کو ایک چیز ناپسند ہو اور اللہ اسمیں بہت خیر و برکت دے) +

قرآن ہرگز ہرگز اسبات کا اشارہ تک نہیں کرتا۔ کہ جلد بازی کر کے طلاق دے دو۔ اُس نے طلاق کے تین مدارج رکھے ہیں۔ اور میاں بیوی کو حکم دیا ہے۔ کہ جب تک دو طہر نہ گذر جائیں وہ ایک ہی گھر میں رہیں۔ تاکہ اگر اُن میں ذرہ بھی ایک دوسرے کی محبت ہو گی۔ تو تیسرا درجہ یا کامل طلاق واقع ہونے سے پہلے وہ ایکدوسرے کی طرف رجوع کر لینگے۔ اور جہاں تک ان کے نان و نفقہ کا سوال ہے۔ ان حالات میں خاص توجہ کی گئی ہے جب عورت حاملہ ہو +

جناب رائٹ آنریبل سید امیر علی نے اپنی کتاب میں مسئلہ طلاق پر مندرذیل قوانین وضع کیے ہیں:۔

نہ کریگا۔ خود حنفی فقہ دانوں میں اس کے جائز اور حلال ہونے میں اختلاف ہے۔ منطق الاخبار میں مسلم کی حدیث ہے جس میں لکھا ہے کہ تین طلاق ایکدم جائز نہیں۔ اور اگر کوئی آدمی تین طلاق ایکدم دے بھی دے۔ تو وہ صرف ایک رجعی طلاق کے برابر ہونگے +

نواب صدیق حسن خان صاحب اغاثۃ اللہفان وعلم المتینین کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقد اختلف اهل العلم فی ثلاثه دفعة واحدة هل تقع ثلاثه او واحدة فقط فذهب الی الاول الجمهور وذهب الی الثانی من عداهم وهو الحق۔ اور علماء میں اس بات پر اختلاف ہے کہ تین طلاق اگر ایک ہی وقت دیئے جائیں تو انکو تین سمجھنا چاہئے یا ایک۔ اکثروں کا تو یہ خیال ہے کہ ان کو تین ہی دفعہ سمجھنا چاہئے لیکن جو تھوڑے ہیں وہ سچے اور برحق معلوم ہوتے ہیں (حسن الاسوۃ صفحہ ۱۶) +

حضرت ابن عباس سے بھی یہی مروی ہے کہ تین طلاق جو ایک ہی دفعہ دیئے جائیں وہ ایک رجعی طلاق کے برابر ہوتے ہیں (ابن داؤد) صحیح بخاری میں جو قصہ اوامر کا لکھا ہے کہ بوجہ شدید غضب اور اشتعال کے اس نے ایک ہی دفعہ تین طلاق دیئے۔ اور نبی کریم نے معان کی کارروائی کے بعد بڑی شد ومد سے انکو جائز قرار دیا۔ اس واقعہ کو طلاق بدعت کے جائز ہونے کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے۔ قانون اور فقہ کے نقطۂ خیال سے تو یہ حلال اور روا ہے۔ اور اس قسم کے حالات میں جس طرح اوامر نے اپنی بیوی کو زنا کرتے ہوئے پکڑا۔ ایسے وقت اسکو ناروا نہیں سمجھنا چاہئے۔ امریکہ میں تو ایک آدمی ایسے حالات کے ماتحت قتل کا مرتکب بھی ہو سکتا ہے۔ اگرچہ یہ قانون تحریری طور سے قانونی کتابوں میں درج نہیں۔ اور یقیناً قتل سے طلاق افضل ہے۔ بہر حال کوئی مسلم جس کے دل میں نبی کریم کے قول وفعل کی عزت ہوگی۔ وہ کبھی اس طلاق بدعت کا مرتکب نہ ہوگا جبکہ وہ خوب جانتا ہے کہ نبی کریم اسکو بہت ہی شنیع اور خلافِ قرآن واسلام خیال کرتے تھے بارہا قرآن میں آیا ہے کہ ہرگز زیادتی نہ کرو۔ اور اللہ کی باندھی ہوئی حدوں کو قائم کرو +

دُرّ المختار میں نسائی کا حوالہ دیکر لکھا ہے کہ ایکدفعہ نبی کریم کو یہ خبر ملی کہ فلاں آدمی نے تین طلاق ایک ہی وقت دیدیئے۔ تو آپ بڑے غصے میں کھڑے ہوئے اور فرمایا "ایلعب بکتاب اللّٰہ عزوجل وانا بین اظهرکم" کہ میری زندگی ہی میں پاک اور قدوس خدا کی کتاب (قرآن)

کی اسقدر سختی کیجاتی ہے۔ اور امام بخاری اِس حدیث کو محکم مانتے ہیں +

ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے کہ نبی کریم سے سوال کیا گیا اگر میں تین طلاق ایک ہی دفعہ دے دوں تو کیا ہرج ہے۔ آپ نے جواب دیا۔ تم خدا کے نافرمان اور منکر ٹھہرو گے۔ اور تمہاری بیوی تم سے جدا ہوجاویگی"۔ تاہم طلاق بدعت بھی صرف زنا کو طلاق کی سب سے بڑی وجہ سمجھنے سے بہتر ہے شیخ عبدالحق محدث اسبات میں امام ابوحنیفہ سے متفق ہے کہ ایکدم طلاق دینا کفر ہے +

طلاق تحریری اور زبانی دونوں طرزوں سے دیا جاسکتا ہے۔ اور ہر دو حالت میں بیوی کو اسکی اطلاع دینی لازم ہے۔ خلع کی اجازت سورۃ البقرہ کی ۲۲۹ آیت سے اخذ کی گئی ہے اسکے لئے عملی مثالیں ہیں جنمیں سے ایک یہ ہے۔ ثابت بن قیس کی بیوی نبی کریم کے پاس آئی اور کہا:

"یارسول اللہ میں ثابت بن قیس میں یا اسکے اخلاق یا اس کے مذہب میں کوئی نقص نہیں پاتی۔ لیکن میں اپنے وعدے میں بیوفائی نہیں کرنا چاہتی یعنی منافق بننا نہیں چاہتی"۔ نبی کریم نے کہا کیا تو وہ باغ جو لیبیت نے تجھے دیا واپس کرنے پر تیار ہے"۔ اس نے کہا "ہاں"۔ تب نبی کریم نے لیبیت کو کہا اپنا باغ واپس لیلو اور اسکو فوراً طلاق دیدو (مکاشفات شریف)

عرب میں بہت سے رواج مثلاً ظہار اور ایلا طلاق کے متعلق رائج تھے جن کی اصلاح قرآن نے فرمائی۔ اور تعلق زوجیت کو ایک متبرک اور اہم بنیاد پر قائم کیا۔ ان اصحاب کے لئے جو اپنے اندر کافی مذہبی جوش رکھتے ہیں۔ قرآن میں قوانین مندرج ہیں۔ اور اُن کیلئے نبی کی حدیثیں روائتیں اور مثالیں اسبات کی ذمہ وار ہیں۔ کہ قوانین طلاق کا ناجائز استعمال کبھی نہ ہوگا۔ اور ان لوگوں کیلئے جو صرف دنیاوی سخت قوانین کے ذریعہ سے قابو میں آسکتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی شادی کرتے وقت ہر مسلم عورت کا فرض ہے کہ مندرجہ ذیل امور کو خوب دیکھ بھال لے۔

(۱) نکاح نامہ پر کم ازکم دو مردوں کی گواہی ہونی چاہئے۔

(۲) رقم مہر معقول ہونی چاہئے خصوصاً وہ حصہ جو موجل ہو تا کہ طلاق کے رستہ میں یہ رقم ایک روک ہو جائے +

(۳) کوئی ایسی شرط نکاح میں داخل کی جائے جس کا یہ مفہوم ہو۔ کہ بلا رضامندی طرفین طلاق نہ دیا جاسکیگا +

رہتے ہیں۔ تو کیا دوسری طرف رُوحانی اُمور کو بھی ہم پر یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ہم اُن کی طرف بھی التفات کریں۔ اور کیا حضرت مسیح علیہ السلام کے وہ الفاظ جو اہل مغرب کو خوب معلوم ہیں ہم کو احیات کی طرف متوجہ نہیں کرتے۔ جن میں حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں "کہ انسان صرف روٹی ہی سے نہیں جیتا بلکہ ہر ایک کلام جو خدا کی طرف سے آئے اُسے زندگی بخشتی ہے"۔ (متی ۴ باب آیت ۴) جناب مسیح کے یہ الفاظ بمعنی ہو چکے ہیں۔ یا یہ صرف انہی کے کام آسکتے ہیں جو انکی اتباع کا دعویٰ کرتے ہیں۔ کچھ دن ہوئے کہ مجھے ایک قابل اور سمجھدار خاتون سے گفتگو کرنے کا موقع ملا۔ جس میں نے اُسے کہا کہ ہم مسلمان عیسائیوں سے بدرجہا بہتر اپنے آپ کو عیسائی سمجھتے ہیں جس کے ثبوت میں میں جناب مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسی قول کا حوالہ آپ کو دونگا۔ جو ابھی میں نے نقل کیا ہے "کہ انسان صرف روٹی سے ہی نہیں جیتا۔ بلکہ ہر ایک کلام جو خدا کی طرف سے آئے اسے زندگی بخشتی ہے" مسلمان صبح کے وقت جب اُٹھتا ہے تو صبح کی چائے سے پیشتر ہی وہ سب سے پہلے خدائے واحد لاشریک کے سامنے حاضر ہوتا اور ان دُعاؤں کے ذریعہ سے جو اسکے پاک رسُول صلے اللہ علیہ وسلم کی معرفت ہمیں پہنچیں اللہ تعالےٰ کے مُنہ سے نکلے ہُوئے پاک کلام سے زندگی حاصل کرتا ہے پھر دوپہر کے کھانے کا وقت آتا ہے اور پیشتر اسکے کہ وہ کھانے کے دسترخوان پر بیٹھے پہلے مسجد کی طرف دوڑتا ہے۔ اس کے بعد سہ پہر کی چائے سے پہلے وہ پھر نماز پڑھتا ہے۔ اور بالآخر مغرب کے وقت پھر اپنے خالق اکبر کے آگے سر بسجود ہوتا ہے۔ گویا ہر حالت میں وہ حقوق اللہ کی نگہداشت ضروری سمجھتا ہے۔ اور کسی حالت میں بھی اپنی نفسانی خواہشات کو ان پر مقدم نہیں کرتا۔ آپ سوتے وقت چائے بسکٹ اور شراب پیتے ہیں لیکن ایک مسلمان کو آپ بستر پر جانے سے پیشتر دیکھیں گے کہ کبھی تو وہ چھاتی پر ہاتھ باندھے کھڑا ہے کبھی گھٹنوں پر ہاتھ رکھتا اور جھک جاتا ہے۔ اور کبھی پھر کھڑا ہوتا اور کبھی اپنے معبود حقیقی کے آگے اپنے سر کو جو انسان کی دُنیوی عزت و عظمت کا واحد نشان ہے انتہائے عبُودیت کیلئے کمال تذلل اور فرمانبرداری کے ساتھ اسکے آستانہ رُبوبیت پر رکھ دیتا ہے۔ غرض اس معبُود حقیقی کی محبت میں سرشار مسلم دنیا و جہان کے حسن و جمال کے مالک کی جس کا حُسن و احسان تمام معبودانِ باطلہ پر غالب ہے عبُودیت و فرمانبرداری میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتا۔ اسے آپ مذہبی یا مذہبی جنون کے نام سے پکاریں یا مذہبی جنون اس کا نام رکھیں لیکن آپ بھی تو اپنے جنونوں سے آزاد نہیں۔ کیا آپ نے

بعض چیزوں کو اپنا معبود و مقصود و مطلوب نہیں بنا رکھا۔ آؤ ہم دیکھیں۔ کہ آپکے اور ہمارے معبودوں میں سے قابل پرستش کون ہے۔ اور کسیں کو عقل سلیم دو دو ہاتھ سے دھکے دیتی ہے +

عبادت صرف انتہائے محبت کا نام ہے۔ اور محبت حسن و احسان سے پیدا ہوتی ہے پھر اُس رحمن خدا سے جو ہر قسم کے حسن و احسان کا سرچشمہ ہے زیادہ محسن کون ہو سکتا ہے۔ حسن کیا ہے وہی احسان ہے کیا آپنے صرف اسی کو حسن سمجھ رکھا ہے۔ کہ ایک دلفریب چہرہ ہو حسین سرنگیں آنکھیں اور ایک ترچھی ناک ہو۔ اسکی سیاہ کاکل پیچاں اور اُبھری ہوئی پیشانی اور ایشیائی خیالات کے مطابق ایک سرو قد جسم ہو۔ بیشک عہد شباب میں انہی خصوصیات کو میں حقیقی حسن سمجھتا تھا لیکن اب یہ سب خیالات بدل چکے ہیں۔ اور نئی نئی خواہشات اور جذبات نے بعض اور ہی چیزوں کو محبت کا آماجگاہ بنا دیا ہے۔ حسن بذات خود کوئی شئے نہیں۔ وہ چیز جو تمہاری حد سے بڑھی ہوئی خواہشات اور تمہارے نفس اور روح کو اطمینان اور تسکین بخشتی ہے۔ وہی حسن ہے۔ دل ہی ہے۔ جس سے ایک آرزو اٹھتی ہے اور وہ مختلف اشیاء کو مرجع حسن سمجھ لیتی ہے۔ آرزو اس وقت پیدا ہوتی ہے۔ جب کوئی ضرورت لاحق ہو۔ ایام طفولیت میں انسان اپنی کم عقلی کی وجہ سے حسن کو ٹھیک طور پر سمجھ نہیں سکتا۔ اور اسلئے اسکے حصول کے ذرائع بھی اسکی عقل و فہم کے لحاظ سے اسی قدر محدود ہوتے ہیں آہستہ آہستہ تجربات اور مشاہدات ہماری ضروریات کے علم کو وسیع کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور وہ چیز جو ہماری ان ضروریات کو پورا کرتی ہے۔ ہم اسکو محسن کہدیتے ہیں۔ یہانتک کہ اس سے جب اور زیادہ بڑے جاتے ہیں۔ تو اس ایک ہی خالق و مالک کو اپنی سب ضروریات کا پورا کرنیوالا اور محسن حقیقی پاتے ہیں! اور وہی ایک عبادت کے لائق نظر آتا ہے۔ آپ اپنی ضروریات پر ایک نظر ڈالیں۔ اور دیکھیں کہ ان ضروریات کو پورا کرنے کیلئے محسن حقیقی نے کیا کیا سامان اور ذرائع پیدا کئے ہیں۔ پھر اس قدر احسانات ہوتے ہوئے اس رب العالمین سے بڑھکر کون ہے جس کو ہم محسن کہہ سکیں۔ اور کون ہے جو اس خالق اکبر سے بڑھکر معبودیت کا حقدار ہو۔ فطرت صحیحہ پر قائم ہو جاؤ۔ تو تمہارے ہفتہ کے تمام ہی دن ایام سبت بن جائیں گے۔ فی الحقیقت ہماری زندگی کا ایک ایک لمحہ اس خالق اکبر کی یاد ہمیں دلاتا ہے۔ اسلئے اسی وقت آپ سچے مسیحی کہلا سکتے ہیں۔ جب مسلمانوں کی طرح ہر ایک لفظ جو خدا کے منہ سے نکلے وہ آپکی غورا کیجئے۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچکر آپ حقیقی راحت اور کامیابی کا منہ دیکھ سکتے

ہیں۔ اس وقت تمام دُنیا آپ کے ذریعہ آسودہ حال ہوگی۔ اور "خدا کی بادشاہت" اس زمین پر قائم ہوجائیگی ان حالات کے ہوتے ہُوئے نبی عربی صلعم کے پیروؤں کا پانچ وقت مسجدوں کی چھتوں سے حی علی الفلاح کی صدا بلند کرنا کوئی بےمعنی بات نہیں۔ بلکہ یہ اسی کامیابی و مرفع الحالی کی طرف اشارہ ہے جس کو خدا کی بادشاہت کے نام سے جناب مسیح علیہ السلام نے خوشخبری دی +

کیا آپ نے کبھی معلوم کیا کہ عبادت دراصل کیا ہے۔ اسکی ابتدا کیونکر ہوتی ہے۔ اور اس کا آخری مقام کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں۔ کہ قریباً آپ سب نے ہی عشق و محبت کی گرمیوں کا مزا چکھا ہوگا۔ اور کوئی نہ کوئی معشوق بھی آپ رکھتے ہونگے۔ پس وہ کونسی بات ہے۔ جو آپ اپنے دلربا کو خوش کرنے کیلئے اُٹھا رکھتے ہیں۔ اور اپنی محبت کو پُورا کرنے اور اسکی رضامندی حاصل کرنے کے لئے کونسی سخت سے سخت مشکلات ہیں جو آپ برداشت نہیں کرتے لیکن باوجود اس قدر مشکلات کے ابھی آپ نے عبادت کے صرف پہلے ہی زینہ پر قدم رکھا ہے۔ جناب مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عبادت الٰہی کے صرف اس پہلے زینہ تک ہی ہمکو پہنچایا۔ جب انھوں نے یہ دُعا کی "تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہوجائے۔ یہ اُس زینہ کی دراصل پہلی سیڑھی ہے۔ جو انسانیت کی ابتدائی منزل مقصود تک لیجانے والا ہے۔ اور جو ہماری اپنی ذات کو محو کرکے اس ایک ہی ہستی سے ہمیں جا ملاتا ہے یہی وہ بات ہے جس کو آنحضرت صلعم نے سکھایا کہ "تخلقوا باخلاق اللہ" الٰہی اوصاف سے متصف ہوجاؤ اور نفسانیت و خودی کا جامہ اُتار کر ربانی اخلاق کا جامہ زیب تن کرلو۔ اگر جناب مسیح نے خدا کی عبادت کا پہلا زینہ بتایا تو حضرت محمد صلعم نے اسکی انتہائی منزل مقصود تک پہنچایا۔ آنحضرت صلعم نے اس کمال کو جتاتے ہوئے کسی قسم کی نفرت کا برتاؤ جناب مسیح سے نہیں کرتا۔ اور نہ ہی ان دو نبیوں میں بحیثیت نبوت کوئی فرق کرتا ہوں۔ ایک مسلمان تو ان باتوں سے کوسوں دُور ہے۔ اسکی تو پاک کتاب قرآن کریم کسی ایک نبی میں بھی فرق کرنے کی اجازت نہیں دیتی اور صاف طور پر اس سے یہ قرار دیتی ہے لا نفرق بین احد من رسلہ بات اصل یہ ہے کہ نبی ہمیشہ اپنے وقت کے لوگوں کی عقل و فہم کے مطابق ہی انہیں تعلیم دیتے ہیں۔ جناب مسیح جن لوگوں میں مبعوث ہوئے۔ وہ کوئی بہت زیادہ عقل و سمجھ نہیں رکھتے تھے۔ آپ کو چونکہ دھوبیوں اور مچھلی والوں سے واسطہ پڑا۔ جن کی کم فہمی اور بے سمجھی کی آپ اکثر شکایت کیا کرتے تھے۔ اسلئے آپ ان سے تمثیلوں

میں کلام کرنے پر مجبور تھے لیکن ہماری سرکار حضرت خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اس وقت مبعوث ہوتے ہیں ۔جبکہ دُنیا نے آپ کے فیضان رحمت سے مستفیض ہو کر آپکے زیر اطاعت بہت جلد علم و تہذیب کا ایک انقلاب عظیم دیکھنا تھا۔ اسلیئے اگر جناب مسیح نے خدا کی محبت وعبادت کے فقط اسرار ہی بہم پہنچا کھولے۔ تو آنحضرت صلعم نے ہمیں اسکی آخری منزل مقصود تک پہنچا دیا یہی وہ بات ہے۔جسکو جناب مسیح نے خود ان الفاظ میں بیان کیا +

"میری اور بہت سی باتیں ہیں۔ کہ میں تمہیں کہوں ۔پر اب تم اُنکی برداشت نہیں کر سکتے۔لیکن جب وہ یعنے رُوح حق آوے۔تو وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتا دیگی ۔اسلیئے کہ وہ اپنی نہ کہیگی۔ لیکن جو کچھ وہ سُنیگی سو کہیگی۔اور تمہیں آیندہ کی خبریں دیگی (یوحنا باب ۱۶ آیت ۱۲ و ۱۳)" +

عبادت صرف چند گیت گانے یا چند الفاظ کے دُہرانے یا ہاتھوں اور جسم کی بعض حرکات کا ہی نام نہیں ۔یہ سب کچھ تو دل کے احساس کا اظہار ہے۔عبادت جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں اپنی مرضی وخواہشات کو رضاء الٰہی کے ماتحت کر دینا ہے۔اور اس مقولہ کو عملی طور پر سچ کر دکھانا ہے۔"کہ تیری مرضی جیسے آسمان پر پوری ہوتی ہے ویسی زمین پر بھی ہو" +

اب کیا یہ دریافت کرنا کوئی مشکل امر ہے۔کہ اسکی مرضی آسمان پر کیسے پوری ہوتی ہے بحث کو مختصر کرنے کیلئے ہمیں صرف یہ دیکھ لینا چاہئے۔کہ نسل انسانی کے مختلف افراد کے ساتھ اسکی مرضی کیونکر پوری ہوتی ہے۔اور اس پر اگر ہم غور کریں ۔تو کیا صاف طور پر ہمیں نظر نہیں آتا کہ اس کی بادشاہت عالمگیر ہے۔کیا اس نے مختلف اقوام اور افراد کے درمیان ان کے جسمانیات و روحانیات کے بارہ میں کوئی تفریق روا رکھی ہے۔کیا ہر ایک متنفس کو اس نے ایک ہی قسم کے اعضا و جوارح اور دل و دماغ عطا نہیں کیا۔کیا کائنات کا ہر ایک ذرہ تمام بنی نوع انسان کی ہر ایک قسم کی ضروریات کو پورا کرنے کیلیئے پیدا نہیں کیا گیا۔وہ سب کا باپ ہے۔جو ہر ایک بنی نوع انسان کے نشو و نما اور بھلائی کو یکساں طور پر ملحوظ رکھتا ہے۔اسکے حقیقی پرستار اور محبوب سوائے اسکے کہ نسل انسانی کو ہی اعلےٰ مدارج ترقیات پر لیجائیں اور کچھ بھی نہیں کر سکتے۔وہ اپنے مالک حقیقی کے ساتھ اسکی عالمگیر بادشاہت کے کام چلانے میں بطور وسائط کے کام دیتے ہیں پس اگر ہم میں عبادت کی حقیقی اور سچی رُوح کام کرنے لگ جاوے تو کیا یہ ممکن ہے۔کہ آپس میں تفاوت مراتب اور

ایک دوسرے سے اُوپر ہونے کے کینہ وخودغرضانہ خیالات پھر بھی باقی رہ جائینگے۔ انسان ممکن ہے اس خیال کو لئے ہوئے ایک دوسرے کی مدد کرنے کو گلستان سمجھے۔ اگر خودغرضی مقابلہ کی تحریص دلاتی ہے اور اس کے ساتھ "لینے اور دینے" کی رُوح ایک دوسرے کی مدد کرنے کی تہ میں کام کرتی ہے۔ اگر میں اپنے رب العالمین کا پرستار ہوں۔ جو تمام مختلف اقوام اور مذاہب کا پیدا کرنیوالا اور انہیں تربیت کے انتہائی مقام تک پہنچانیوالا رب العالمین ہے۔ اور یہ وہ الفاظ ہیں جن کو ایک مسلم اپنے معبود حقیقی کے دربار میں حاضر ہو کر نماز کے اندر دُہراتا اور اللہ تعالیٰ کو ان الفاظ سے پکارتا ہے۔ تو ایسی حالت میں کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔ کہ میں تلوار ہاتھ میں لوں اور دوسری قوموں کو جن کی ترقی و تربیت اس خالق اکبر کا حقیقی منشا ہے کمزور کرنے اور کُچل دینے کیلئے انہیں تباہ و برباد کرتا پھروں۔

اِس سوال کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ رُوح عبادت عام انسانی بہبودی میں کیونکر کام آتی ہے۔ عبادت اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی محبت میں فنا کر دینے کا نام ہے بہت سے طریق ہیں۔ جن سے انسان اپنی ذات کو محو کر کے اِس احکم الحاکمین سے ملنا چاہتا ہے۔ بُدھ نے اسبات کی تعلیم دی۔ جب اُس نے کہا کہ "زِوان" یعنے اپنے آپ کو فنا کرنے سے ہی نجات ملتی ہے۔ اسلام جو میرا مذہب ہے۔ اسکے لغوی معنی بھی ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی مرضی و مشیت ایزدی کے اپنے آپ کو ماتحت کر دینا۔ اور اپنے آپ کو اسکے سپُرد کر دینا۔ اپنے آپ میں قربانی و ایثار کا مادہ پیدا کرو۔ تو بدی خود بخود زائل ہو جائیگی۔ بدی تم میں فطری اور جبلی طور پر نہیں۔ بلکہ یہ ایک کمائی ہوئی اور پیدا کردہ چیز ہے۔ گناہ خود غرضی کا نتیجہ ہے جو لالچ اور طمع کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ کیا آپنے کبھی کسی مجرم کے دل کی کیفیت کو مطالعہ کیا۔ کسی مُلک کے مجموعہ تعزیرات کو دیکھو۔ اسمیں ۹۹ فیصدی اس قسم کے جرائم آپ کو ملیں گے۔ جنمیں دوسروں کی چیزیں غصب کر لینے کی کوشش ہوتی ہے۔ اس قسم کے جرائم کا علاج سزا نہیں۔ وہ تو ارتکاب جرم میں محض ایک رُکاوٹ کا کام دیگی نہ کہ بدی کو ہی زایل کریگی۔ اسلیئے اس کا سب سے بہتر علاج یہ ہے۔ کہ ایک خود انکاری کی حالت اپنے اندر پیدا کی جائے۔ اور یہ زہد و تقوےٰ سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ قربانی و ایثار کی حالت انسان سے دوسروں کی فلاح و بہبودی کیلئے کام کراتی ہے۔ اسکو اسی بات میں راحت و تسکین ہوتی ہے۔ کہ اسکی کمائی سے دوسروں کا فائدہ اور بھلا ہو۔ وہ درحقیقت جیتا بھی دوسروں کیلئے ہی ہے۔ اسلیئے دوسروں کا مال لینے کی تمنا ہی نہیں کر سکتا۔ اپنے اندر یہ تقوےٰ و زہد کی حالت پیدا کرو

یعنی ایثار کی عادت ڈالو۔ خود غرضی اور خواہشات نفسانی کو چھوڑ دو۔ اور اس طرح بدیوں کی جڑ کو ہی اپنے اندر سے کاٹ دو۔ میں پھر کہتا ہوں۔ کہ اس روح کو عملی طور پر پیدا کرو۔ اور پولیس اور جیلخانوں کو بھی بیدخل کردو۔ کہ اس حالت میں ان کی بھی چنداں ضرورت نہیں۔ یہ میں کوئی وہم و خیال کے گھوڑے نہیں دوڑا رہا جو اَن ہونی باتیں ہوں نہیں بلکہ رسول اللہ صلعم کے اسوۂ حسنہ کو دیکھو۔ آپ کی سیرت کو مطالعہ کرو۔ آپکے نقش قدم پر چلو۔ اور دیکھو کہ میرا یہ بیان کس قدر سچائی پر مبنی ہے صاحب صدر سے پوچھئے۔ جو میری طرح مسلمان ہونے کے ساتھ اسلام کی تاریخ پر بھی بہت کچھ عبور ان کو حاصل ہے یہ آپ کو بتائیں گے۔ کہ آنحضرت صلعم نے مدینہ کے اندر اپنے آخری ایام میں پولیس اور جیلخانوں کے بغیر سلطنت کی ہے۔ یہ وہ وقت تھا۔ جب حقیقتاً گناہ مفقود اور جرائم شاذ و نادر ہی رہ گئے۔ اور خدا کی بادشاہت زمین پر قائم ہوگئی +

ابھی میں آپ سے زہد و عبادت کے آخری اور انتہائی مقام کا ذکر کر رہا تھا۔ اور میں نے بتایا تھا کہ اپنی ذات کو محو کرکے اس خالق اکبر سے جا ملنا ہی انتہائی مقام عبادت ہے۔ یہ بھی میں بتا چکا ہوں کہ خود انکاری ہی وہ دروازہ ہے۔ جہاں سے ہوکر ہر ایک خدا پرست کو اس صداقت کو پانے کیلئے گذرنا پڑتا ہے۔ اور اسکو پانے کیلئے مختلف رہبران دین نے مختلف وقتوں اور ملکوں کے حالات کے مطابق مختلف طریقے ایجاد کئے۔ فطری خواہشات کو مارنے کیلئے لوگوں نے مختلف راہبانہ طریق اختیار کئے اور ضروریات انسانی یا پسندیدہ اشیاء سے انہیں بہت سخت کنارہ کشی اختیار کرنی پڑی۔ لوگوں نے دنیا سے جو کہ فتنہ و فساد کا گھر ہے علیحدہ رہنے کیلئے گھروں سے نکلکر جنگلوں اور بیابانوں میں رہائش اختیار کی۔ تاکہ حقیقی اطمینان قلب کو پاسکیں اور دلجمعی کے ساتھ گیان دھیان میں مصروف ہوں۔ گذشتہ زمانوں میں ہندوستان میں سادھو اور سمادھی بُری خواہشات اور جذبات پر قابو پانے کیلئے ان راہبانہ طریقوں کی مشق کیا کرتے تھے یہ مقصد تو نیک تھا لیکن اس سے انسانوں کے باہمی میل جول اور تعلقات سے جو ایک عطیہ الٰہی ہے۔ محروم ہونا پڑتا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے ہمیں ایکدوسرے کا محتاج اور مدنی بالطبع بنایا ہے۔ آپس کے تعلقات سے علیحدہ ہونا اسکی منشا کے خلاف چلنا ہے۔ اور اس قسم کا فعل ہمارے بھائی بندوں کو ان خاص عطیات الٰہیہ سے فائدہ اُٹھانے سے محروم کردیگا۔ جو اللہ تعالےٰ نے ہمارے اندر ودیعت کئے ہوں۔ ماسوا اسکے خود انکاری

کی اصل روح سوسائٹی ہی میں پوری تربیت پاسکتی ہے۔ نہ کہ عزلت گزینی میں۔ ایک راہب اپنے آپ کو سوسائٹی کے فوائد سے محروم کر لیتا ہے۔ تاکہ بدیوں سے بچ سکے۔ لیکن فی الحقیقت جذبات اور خواہشات پر اسی صورت میں قابو پایا جاسکتا ہے۔ کہ انسان سوسائٹی کے دوسرے ممبروں میں رہکر اپنے باہمی تضاد و تخالف افعال بھی دیکھتا اور مقابلہ کرتا ہے۔ تمہاری زندگی کا ایک ایک لمحہ تضاد و اختلافات سے گھرا ہوا ہے۔ اور جب تم ان کا جوانمردی کے ساتھ مقابلہ کرتے ہو۔ تو اپنے جذبات پر قابو پانے کا مادہ تم اپنے اندر پیدا کر لیتے ہو جس کے بغیر خود فراموشی کا پیدا ہونا ناممکن اور محال ہے۔ اسی لئے اسلام نے کُلا رہبانیت فی الاسلام" کہکر رہبانیت اور تجرد کو ممنوع قرار دیا اور سب کو ہی شادی شدہ زندگی بسر کرنے کا حکم دیا۔ خوب یاد رکھو۔ کہ کنبہ اور بیوی بچوں کے ساتھ رہنے سے ہی انسان میں ایثار کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ اپنے بال بچوں کی محبت اسے مجبور کرتی ہے۔ کہ وہ اپنے عیش و آرام کو دوسروں کے فائدہ اور بہبودی کیلئے خیر باد کہے۔ اسی سے آگے ترقی کر کے وہ اپنے ہمسائیوں اپنے ہموطنوں اور اس سے بھی بڑھ کر کل بنی نوع انسان سے رنگ اور قومیت کی تفریق بغیر وہ نیکی اور ایثار کرتا ہے۔ اور اس طرح ایک سکون قلب حاصل کرتا ہے۔ جو اسے حقیقی عبادت کا پھل دیتا ہے۔ اسلام اس وقت دُنیا میں آیا۔ جبکہ دُنیاوی مشاغل نے ایک نیا پہلو اختیار کرنا تھا۔ اور رہبانیت کی کوئی ضرورت دُنیا کو نہ تھی۔ وہ اپنی سیدھی سادی تعلیم کو لے کر آیا۔ تاکہ بنی نوع انسان اپنے باہمی تعلقات اور فرائض انسانی کو قطع کئے بدوں عبادت کی اصل غرض و مدعا کو حاصل کر سکیں۔ ایک مسلمان اپنی مسلسل نمازوں اور روزوں اور اپنے مختلف صدقات اور حج اور اور دیگر مذہبی کاموں کے ذریعہ سے اپنے نفس پر قابو پانے اور خواہشات کو حدِّ اعتدال پر لانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اپنے اندر ایک دل پیدا کرتا ہے۔ جو خدا تعالیٰ کے عشق و محبت سے لبریز اور اسکی عبادت میں محو ہوتا ہے۔ بنی نوع انسان کی خدمت اسکی عبادت اور حقوق اللہ کی ادائیگی ہے۔ وہ ایک سلیم الطبع قلب کے ساتھ زمانہ کے نشیب و فراز کا مقابلہ کرتا ہے۔ اس کے دن کے اوقات مخلوق کی خدمت میں بسر ہوتے ہیں۔ نورات کی گھڑیاں عبادتِ الٰہی میں۔ وہ علی الصّباح ہی اُٹھتا ہے۔ اور غسل کر کے نماز ادا کرتا اور نصرت الٰہی کے لئے دست بدعا ہوتا ہے۔ وہ مصلے پر دوزانو بیٹھ کر اللہ تعالےٰ کے صفات حسنہ پر جن سے متصف ہونا اسکی زندگی کی غرض و غایت ہے۔ غور اور تدبر کرنے لگتا ہے۔ یوگی لغشت

کی تعلیم کے ماتحت اسے اسکی بھی ضرورت نہیں کہ علیحدگی اختیار کرنے کیلئے اپنے دم کو بند کرے۔ وہ عشق الٰہی میں اس قدر محو ہوتا ہے۔ کہ کوئی چیز بھی اس کے دل کی توجہ کو دوسری طرف پھیر نہیں سکتی۔ اگر آپ نے عشق حقیقی کا حظ اٹھایا ہے۔ تو آپ میری بات کو خوب سمجھ جائیں گے۔ کیا آپ جس وقت اپنے معشوق کا تصور کرتے ہیں تو تمام اردگرد کے حالات سے بیخبر نہیں ہو جاتے ہ؟ دل کی اس قسم کی محویت اگر ایک زمینی چیز کے عشق میں ممکن ہو سکتی ہے۔ تو خدا تعالےٰ کے عشق کے متعلق آپ ذرا غور تو کریں کہ کیا کچھ محویت نہ ہوتی ہوگی۔ ان حالات کے ہوتے ہوئے ہمیں لوگ نشست کی بتائی ہوئی ریاضتوں میں پڑنے کی کیا ضرورت رہجاتی ہے ایک مسلم اللہ تعالےٰ کی صفات پر خوض و تدبر کرتے ہوئے اپنی کمزوریوں اور نا تربیت یافتہ اخلاق کا مطالعہ کرتا ہے۔ اور ان ذرائع کے معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جن سے وہ زمینی اخلاق کو ترک کرکے ربانی اوصاف سے متصف ہو جائے۔ گو راستہ بہت دشوار ہے۔ اور اس پر چلنا اشد مشکل لیکن ایک حق کے متلاشی کیلئے اس پر سے گذرنا ناممکن امر نہیں۔ اس کا نصب العین تو بہت ہی اعلےٰ اور ارفع ہوتا ہے۔ اور اسکی نظر اس دلپذیر وعدہ پر ہوتی ہے۔ جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی معرفت اسے پہنچایا گیا +

پھر اگر وہ ثابت قدم اور مستقل مزاج ہے۔ تو آخر الامر اس پر وہ وقت آتا ہے جب وہ اپنی مطلوبہ شے کو پالیتا ہے پھر اس چشمہ صافی پر پہنچ کر وہ ایک نئی زندگی کا پانی پیتا ہے۔ ایک آگ اوپر سے اترتی ہے جو اسکے تمام سفلی خواہشات اور جذبات بہیمیہ اور تمام غیر اللہ کی محبتوں کو اگر کوئی اب بھی باقی رہگئی ہوتی ہیں۔ فنا کرکے گویا موت اسکی پہلی زندگی پر وارد کر دیتی ہے۔ اُدھر خدائی شعلہ کی چنگاری جو ہر ایک انسان کے دل میں ہے روشن ہو جاتی ہے۔ اسکا سینہ ہر ایک قسم کی میل کچیل سے صاف ہو جاتا ہے۔ اور وہ اسی زندگی میں اس سنیمہ آتشین کو پالیتا ہے۔ جس کی طرف لرحنا اصطباغی نے اشارہ کیا۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ایک لوہے کے ٹکڑہ کو جب آگ میں ڈالا جاتا ہے۔ تو وہ آگ ہی کی شکل و صورت اور اوصاف اپنے اندر لے لیتا ہے۔ اور اس وقت کیلئے اور اپنے آپ کو کھو کر آگ ہی ہو جاتا ہے۔ پھر کیا یہ تیسرا فی مناظر اس قسم کے واقعات روحانی پر تمہارا الیقین پیدا نہیں کر دیتے۔ خدا تعالےٰ کی محبت کے آتشیں سنیمہ میں ڈبکی لگاؤ۔ تو تم اللہ تعالےٰ

کی طرح چمک اُٹھو گے۔ یہ وہ حالت ہے۔ جب تمہارے ہاتھ پر اندھے بینا ہونگے۔ گونگے بولنے لگینگے۔ لنگڑے چلنے لگینگے اور مُردے تمہارے اشارہ سے جی اٹھینگے۔ کیا اس قسم کے بہت سے واقعات کُتب مقدسہ میں لکھے ہوئے نہیں۔ لیکن بشومئ قسمت سے آپ لوگ اس اعلےٰ اور رُوحانیت کے انسان کو خدا یا خدا کے اوتار سمجھ لیتے اور اس طرح اپنے آپ پر ترقی کا دروازہ بند کر لیتے ہیں۔ انہیں اپنے جیسا انسان قرار دو۔ کیونکہ وہ انسان درحقیقت تھے اور ہیں۔ انکی یہ حالت اور تمام اعلےٰ صفات اور کارنامے انسانی ممکنات میں سے ہو جاتی ہیں۔ جن کو ہر ایک انسان حاصل کر سکتا ہے۔ ان میں سے ایک کو بطور مثال لو۔ اور اسکی زندگی کے ان روشن اور شاندار واقعات کا جن کی وجہ سے وہ ہمارے نزدیک خدا ثابت ہوتا ہے۔ اسکے ان حالات سے مقابلہ کرو۔ جبکہ معمولی انسانی کمزوریاں اس سے سرزد ہوتی ہیں +

ان واقعات کو بھی شمار کر لو۔ کہ کتنی مرتبہ اس نے انجیر کے درخت پر لعنت کی اور کتنی دفعہ وہ یہ بھی بھول گیا۔ کہ وہ انجیروں کا موسم ہی نہیں تھا۔ اور اگر موخر الذکر واقعات اس سے زیادہ دفعہ اور زیادہ صفائی کے ساتھ ظہور پذیر ہوئے تو سمجھ لو کہ آگ نہیں بلکہ لوہے کا ایک ٹکڑا ہے۔ خدا نہیں مگر خدا کے رنگ میں رنگین ہے۔ جتنی دیر وہ آگ کے اندر رہتا ہے اس سے روشنی اور گرمی نکلتی ہے لیکن جونہی کہ وہ وقت گذر جاتا ہے۔ پھر وہی پرانے کا پرانا لوہا رہ جاتا ہے ان اوقات کا انسانوں پر وارد ہونا ناممکنات میں سے نہیں صرف محبت الٰہی میں اپنے آپ کو گھلا کر اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت میں لگنا ضروری ہے۔ اور پھر یہ حالت انسان پر وارد ہو جاتی ہے۔ خاص خاص عقاید اور اعمال کے انسان اس کمال کو پا لیتے ہیں۔ اور اسلام میں ہر کوئی اسکو حاصل کر سکتا ہے۔ وہ یہ نہیں چاہتا۔ کہ انسان ایک راہبانہ زندگی اختیار کر کے دُنیا اور اس کے تمام مشاغل سے قطع تعلق کر لے تو تو ہی ان انسانی کمالات کو پا سکتا ہے صرف "دست درکار و دل بایار" کی حالت انسان پر وارد ہونی ضروری ہے۔ اور اسلام اسی حالت کو پیدا کرنے کی تعلیم دیتا ہے +

نبی کریم کا علم غیب

فالیوم ننجیک ببدنک لتکون لمن خلفک ایۃ وان کثیرا من الناس عن اٰیٰتنا لغٰفلون - تو آج تیرے بدن کو ہم (پانی میں تہ نشین ہونے سے) بچا ئینگے - (وہ اس غرض سے) کہ جو لوگ تیرے بعد آنیوالے ہیں تو اُن کے لئے عبرت ہو - اور البتہ بہت سے لوگ ہماری قدرت کی نشانیوں سے غافل ہیں +

مندرجہ بالا عبارت ہم سورہ یونس کی ۹۲ آیت میں پاتے ہیں - اسمیں فرعون موسیٰ اور اسکی حالت کا ذکر ہے جبکہ وہ بحیرہ قلزم میں موت کے مُنہ میں جا رہا تھا - ان الفاظ کے مطابق اس شاہ مصر کو متنبہ کر دیا گیا تھا - کہ موت کے بعد اسکی لاش ساحل پر پھینک دی جاویگی - اور یہ اس سزا کی ایک زندہ شہادت رہیگی جو اسکو موسیٰ اور بنی اسرائیل کا تعاقب کرتے ہوئے ملی - آج تیرے جسم کو ہم بچا ئینگے - تاکہ جو لوگ تیرے بعد آنیوالے ہیں - تو ان کیلئے عبرت ہو - یہ الفاظ اس قدر صریح اور واضح ہیں کہ ان پر بحث کرنے کی چنداں ضرورت نہیں - انمیں تین امور کی طرف اشارہ کیا گیا ہے - اول یہ کہ فرعون مرگیا - دوم یہ کہ اسکی لاش سمندر میں گم نہیں ہوئی تھیں بلکہ اسکو ساحل پر پھینک دیا گیا تھا - اور سوم یہ کہ وہ لاش محفوظ رہیگی - اور آیندہ نسلیں اس کا کھوج نکالینگی +

انجیل میں اس کا قطعاً ذکر نہیں - اور نہ ہی کسی اور تاریخی کتاب میں اس کا کوئی حوالہ دیا گیا ہے - تاہم موجودہ صدی میں تحقیقی واقعات روز روشن کیطرح سامنے آگئے ہیں - اور وہ قرآن کریم کی اس آیت کریمہ کی لفظاً لفظاً تائید کرتا ہے +

مصر میں جو لاشیں محفوظ رکھی گئی تھیں - ان میں سے رامیس ثانی کی لاش بالکل محفوظ پائی گئی ہے - اور اسکو فرعون موسیٰ کی لاش قرار دیا گیا ہے +

یہ امر حال ہی میں دریافت ہوا ہے - اور نبی کریم کو ہرگز اس کا علم نہ ہوسکتا تھا - کیا یہ اس بات کی ایک قاطع دلیل نہیں کہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو قرآن کی وحی کے ذریعہ علم غیب دیا گیا +

اگر غیب کا علم اس کے رکھنے والے کے پیغام کے منجانب اللہ ہونے کی ایک مضبوط دلیل مانی گئی ہے۔ تو کیا وہ غیب کا علم جو مندرجہ بالا آیت میں نبی کریم کو دیا گیا۔ آپ کے پیغام کے منجانب اللہ ہونے کیلئے کافی اور شافی دلیل نہیں؟ تمام مذہبی عیسائی تاریخ یا کسی اور مذہب کی تاریخ میں کوئی ایسا شخص نہیں ملتا جس کو اس قدر غیب کا علم دیا گیا ہو +

انجیل میں جو پیشگوئیاں ہیں۔ ان میں سے اکثر عام واقعات عالم کے متعلق ہیں جو ہمیشہ پیش آتے رہتے ہیں۔ اور ہر ایک انسان اس قسم کی پیشگوئیاں کرتا ہے۔ علےٰ ہذا القیاس انجیل کی دیگر پیشگوئیاں خصوصاً جبکہ اُن تاویلوں کے لفظ خیال سے پڑھا جاوے۔ جو زبردستی ان پر چسپاں کی جاتی ہیں تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابہام سے مبرا نہیں۔ اور استعارے اور تمثیلی کلام سے پر ہیں۔ برخلاف اسکے مندرجہ بالا آیت بڑے صاف الفاظ میں ایک امر واقعہ کی خبر دیتی ہے۔ اور اسکے کوئی اور معنی ہو ہی نہیں سکتے۔ حتےٰ کہ مخالف لفظ جہینوں نے لاش فرعون کے پائے جانے سے پہلے اس آیت کی وجہ سے قرآن کی غیب دانی پر بہت حملے کیے۔ انکا غلط قیاس تھا کہ قرآن بھی ایک ایسے قصہ جات کا مجموعہ ہے جس کی تواریخ سے کوئی شہادت نہیں ملتی۔ اور اس اعتراض کی تائید اور واضح کرنے کے لئے یہی آیت پیش کی جاتی تھی۔ تاہم اب تو دنیا کو سمجھ آگئی کہ قرآن کے الفاظ بالکل صادق اور برحق ہیں +

شمس الدین شمس نومسلم

شاہجہان مسجد ووکنگ کے نماز عیدین کے فوٹو

ان فوٹوؤں میں وحدت کا رنگ نظر آتا ہے۔ توحید تثلیث غالب آرہی ہے اور انگلینڈ جیسی سرزمین میں جہاں کہا جاتا تھا۔ کہ لوگ مذہب کی ضرورت سے قطعاً آزاد ہیں۔ اسلام نے کتنوں کے دل میں جگہ کی ہے۔ یہ فوٹو اسبات کے شاہد ہیں کہ علاوہ نومسلمین انگلستان کے دیگر عیسائی معززین و لیڈیاں کس اشتیاق و دلچسپی کے ساتھ اسلامی خطبوں میں حصہ لیتے ہیں۔ نماز عیدین کے فوٹو میں اخوت اسلام کا منظر ہے۔ مشرق اور مغرب کے مسلمان کس طرح دوش بدوش ملے جلے حضرت خواجہ کمال الدین صاحب و جناب مولوی صدر الدین صاحب کی اقتدا میں اپنے واحد لاشریک صمد کے حضور ایک صف میں دست بستہ کھڑے رکوع کر رہے ہیں۔ فی درجن۔ ا رفی فوٹو ۲ ر +

[illegible] لیکچر اسلام جو جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے جو جلسہ منعقدہ الہ آباد میں دیا قیمت ا ر

لندن میں جلسہ مولود النبی صلعم اس کتاب میں اس مقدس جلسہ کی مفصل روئداد ہے۔ جو زیر سرپرستی سنٹرل اسلامک سوسائٹی مورخہ ۶ جنوری سنہ ۱۹۱۷ء کو سیسل ہوٹل میں مقدس تقریب ولادت آنحضرت پر منعقد ہوا۔ دیگر مشاہیر قوم و پریزیڈنشل تقریر کے علاوہ ایک فاضل انگریز مصنف مسٹر پکتھال کی ایک زبردست تقریر آنحضرت صلعم کے خُلق عظیم کے متعلق نہایت ہی قابل مطالعہ ہے ہمارے ناظرین کرام ضرور اسکی متعدد کاپیاں خرید فرما کر غیر مسلم احباب میں تقسیم فرمائیں قیمت ۳ ر

کرشن اوتار اس چھوٹی سی کتاب میں ہندوؤں کے آفتاب نبوت کی اس پیشگوئی پر جسمیں انہوں نے ادھرم اور بے دینی کے وقت اپنا دوبارہ آنا ظاہر کیا ہے۔ اور جسے مختصراً بالفاظ فیضی یوں بیان کیا گیا ہے چو بنیاد دین سست گردد بسے نمائیم خود را بشکل کسے نہایت لطیف پیرایہ میں سری کرشن جی مہاراج کے حالات کو بیان کیا گیا ہے وہ لوگ جو ہندو مسلم اتحاد کے حامی ہیں اسے ضرور پڑھیں قیمت ا ر

مسلم مشنری کے ولایتی لیکچروں کا سلسلہ

سلسلہ نمبر اول جو کیمبرج کی ہیرو سوسائٹی کے رو برو زیر صدارت مسٹر سی ایچ اوگڈن صاحب ایم اے مگڈالن کالج ۲۷ اپریل ۱۹۱۳ء کو دیا قیمت اصل انگریزی ۲ ۔ قیمت اردو ا ر

سلسلہ نمبر ۲ ۔ یہ وہ تقریر ہے جو حضرت خواجہ صاحب نے پیرس کی تھیوسافیکل سوسائٹی کانفرنس میں کی ۳ ر

تصنیفات حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم اے ایل ایل بی ۔ حال مترجم قرآن کریم

نکات القرآن حصہ اول پارہ اول کی تفسیر .. .. ۶ ر
" حصہ دوم .. .. ۶ ر
" حصہ سوم .. .. .. ۸ ر
" حصہ چہارم ... ۔ ۶ ر

جمع قرآن قرآن کریم کے جمع کرنے کی تاریخ شرح و بسط سے لکھی ہے اور بتایا ہے کہ وعدہ خداوندی کے مطابق قرآن مجید کا ہر ایک لفظ محفوظ ہے ا ر

حدوث مادہ ۔ جن لوگوں کو آریوں سے مباحثہ کرنا پڑتا ہے وہ اسکو ضرور مطالعہ کریں ۔ قیمت ۴ ر

تصنیفات شمس العلماء شبلی نعمانی صاحب مرحوم

سیرۃ النعمان یعنی امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی سوانحعمری — حصہ اول میں امام صاحب کا حسب و نسب ولادت سن رشد تعلیم تربیت شیوخ حدیث درس و تدریس لقیہ زندگی اور دربار کے تعلقات وفات اخلاق و عادات مناظرات وقعات ذہانت طباعی انکے تمام حالات نہایت تفصیل سے مذکور ہیں دوسرے حصہ میں امام صاحب کے اقوال و مسائل جو علم کلام اور فن حدیث کے متعلق ہیں تفصیلی بحث ہے ۱۲ ر

الفاروق شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی نے برسوں کی محنت سے حضرت عمر فاروق کے حالات میں یہ ضخیم کتاب تیار کی ہے جس کیلئے انہوں نے ممالک عثمانیہ و مصر کا سفر کیا قیمت مجلد ۳ ر

المامون کی اس کتاب کے دو حصے ہیں پہلے میں تمہید تیمنیت خلافت ولادت تعلیم و تربیت ولیعہدی تخت نشینی خانہ جنگیاں [illegible] اور [illegible] کے حالات اور دوسرے [illegible] عہد کے حالات [illegible] اس [illegible] قیمت ۱۲ ر

الغزالی یعنی امام غزالی علیہ الرحمۃ کی سوانحعمری قیمت ۱۲ ر

کلام شبلی شمس العلماء مولینا شبلی نعمانی مرحوم کی دلچسپ اور دل آویز نظمیں جو علامہ مغفور نے گاہ گاہ تصنیف فرمائیں اور ملک کے ہر فرقہ نے انکو پسند کیا ایکمجموعہ میں طبع کی گئی ہیں قیمت ۸ ر

درخواستیں بنام خواجہ **عبد الغنی** مینیجر اشاعت اسلام بک ڈپو ۔ عزیز منزل نولکھا لاہور آنی چاہئیں